اُردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں ازدواجی زندگی کی عکاسی

(موضوعاتی مطالعہ)

مقالہ نگار:

سعدیہ افتخار

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

فروری، 2021ء

اُردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں ازدواجی زندگی کی عکاسی

(موضوعاتی مطالعہ)

مقالہ نگار:

سعدیہ افتخار

ایم فل (اردو) نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، 2016ء

یہ مقالہ

پی۔ ایچ۔ ڈی (اُردو)

کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا

فیکلٹی آف لینگویجز

(اردو زبان و ادب)

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

فروری، 2021ء

مقالے کا دفاع اور منظوری کا فارم

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف لینگویجز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے کا عنوان: اردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں ازدواجی زندگی کی عکاسی (موضوعاتی مطالعہ)

پیش کار: سعدیہ افتخار رجسٹریشن نمبر: 16Phd/Urd/S/618

ڈاکٹر آف فلاسفی

شعبہ: اردو زبان و ادب

ڈاکٹر صائمہ نذیر ____________________

اسسٹنٹ پروفیسر نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر جمیل اصغر جامی ____________________

ڈین فیکلٹی آف لینگویجز

بریگیڈئر سید نادر علی ____________________

ڈائریکٹر جنرل

میجر جنرل (ر) محمد جعفر، ہلال امتیاز ملٹری ____________________

ریکٹر

تاریخ ____________________

اقرار نامہ

میں، سعدیہ افتخار چوہدری حلفیہ بیان کرتی ہوں کہ اس مقالے میں پیش کیا گیا کام میرا ذاتی ہے اور نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو یجز اسلام آباد کے پی۔ ایچ۔ ڈی اُردو سکالر کی حیثیت سے ڈاکٹر صائمہ نذیر کی نگرانی میں مکمل کیا گیا۔ میں نے یہ کام کسی اور یونیورسٹی یا ادارے میں ڈگری کے حصول کے لیے پیش نہیں کیا ہے اور نہ آئندہ کروں گی۔

سعدیہ افتخار

مقالہ نگار

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو یجز، اسلام آباد

فروری، 2021ء

فہرست ابواب

عنوان	صفحہ نمبر
مقالہ کا دفاع کی منظوری کا فارم	ii
اقرار نامہ	iii
فہرست ابواب	iv
مقالے کا مقصد	ix
Abstract	x
اظہار تشکر	xi

باب اوّل: اردو طنز و مزاح۔ اصولی مباحث اور روایت صفحہ 1 تا 45

الف۔ تمہید	1
ب۔ طنز و مزاح کے مباحث	6
i۔ طنز و مزاح کی تعریف	8
ii۔ طنز و مزاح کا رشتہ	10
iii۔ طنز و مزاح کے حربے	13
ج۔ طنز و مزاح کی مختصر روایت	16
i۔ اودھ پنچ سے پہلے	16
ii۔ اودھ پنچ کے زمانے میں	20

iii۔ اودھ پنچ کے بعد جدید شاعری 29

حوالہ جات 40

باب دوم: اردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں ازدواجی زندگی کی عکاسی (معاشرتی و معاشی تناظر میں) صفحہ 46 تا 144

الف۔ اردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری کا معاشرتی و معاشی تناظر میں جائزہ 46

ب۔ معاشرتی معاملات 59

i۔ ضرورت رشتہ 59

ii۔ فیملی پلاننگ 64

ج۔ شادی کی صورتیں 79

i۔ عقد ثانی 79

ii۔ محبوبہ سے شادی 91

iii۔ میم سے شادی 99

iv۔ بیوہ سے شادی 103

د۔ معاشی معاملات 107

i۔ مہنگائی 107

ii۔ تنخواہ 119

iii۔ عید پر خرچ 121

iv۔ جہیز 127

حوالہ جات 134

باب سوم: اردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں ازدواجی زندگی کی عکاسی (عائلی تناظر میں) صفحہ 145 تا 239

الف۔ اردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری کا عائلی تناظر میں جائزہ 145

ب۔ عائلی رشتوں کی نوک جھونک 154

i۔ ساس 154

ii۔ بہو 162

iii۔ نند 165

iv۔ گھر داماد 166

v۔ سالا 168

vi۔ سالی 170

vii۔ سسرال 171

ج۔ میاں بیوی کی چپقلش 175

د۔ میاں بیوی کی اقسام 186

i۔ زن مرید شوہر 187

ii۔ مظلوم شوہر 193

iii۔ وفا شعار شوہر 197

iv۔ بے بس شوہر 200

v۔ بے زبان شوہر 202

vi۔ لڑاکا بیوی 205
vii۔ پھوہڑ بیوی 207
viii۔ ظالم بیوی 209
ہ۔ بچوں کی تربیت کے مسائل 213
حوالہ جات 230

باب چہارم: اردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں ازدواجی زندگی کی عکاسی (متفرق موضوعات)

صفحہ 239 تا 310

الف۔ متفرق موضوعات 239
i۔ شادی بیاہ کی رسومات 242
ii۔ بیوٹی پارلر 252
iii۔ عشق 263
iv۔ کتبہ اور قبر 273
v۔ شاعر اور شاعر کی بیوی 276
vi۔ سہرا 286
vii۔ دُلھن 288
viii۔ دُلھا 293
ix۔ ہمسائی 294
حوالہ جات 304

باب پنجم: مجموعی جائزہ / سفارشات / نتائج

صفحہ 311 تا 340

مجموعی جائزہ	311
نتائج	334
سفارشات	336
حوالہ جات	337
کتابیات	341

مقالے کا مقصد

اردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں ازدواجی زندگی کی عکاسی (موضوعاتی مطالعہ) میں اردو طنز و مزاح میں ازدواجی زندگی میں آنے والے پیچ و خم کو شعراء کرام نے اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ اُس کو قاری تک لایا گیا ہے۔ کس طرح معاشی، معاشرتی اور سماجی حالات و واقعات کو مدّ نظر رکھ کر طنز و مزاح لکھنے والوں نے اِن ناہمواریوں اور بے اعتدالیوں کو نشانہء تمسخر بنایا ہے۔

عائلی زندگی کی انہی نوک جھونک میں شعراء کرام نے اپنے منفرد اسلوب اور اندازِ بیان کی بدولت اس میں طنز و مزاح کے رنگ بھرے ہیں۔

میرا مطمعٔ نظر بھی اِن شعراء کرام کے کلام کا موضوعاتی مطالعہ کرنا تھا کہ انہوں نے کسی طرح میاں بیوی کے اِس رشتے کو اپنے زاویۂ نگاہ سے دیکھا ہے۔ اس کا جائزہ لیا ہے۔

چاہے وہ میاں بیوی کی چپقلش ہو، یا ساس اور بہو کا لڑائی جھگڑا، کثرتِ اولاد کا مسئلہ ہو یا خاندانی منصوبہ بندی کا، مہنگائی ہو یا تنخواہ، جہیز ہو یا میک اپ کا سامان، عقدِ ثانی ہو یا بیوہ اور میم سے شادی، اولاد کی تعلیم و تربیت ہو یا ضرورت رشتہ، محبوبہ ہو یا عشق و محبت کی داستان، سسرال ہو یا ہمسائی، دُلھا دُلھن، سہرا ہو یا شادی بیاہ، شاعر کی بیوی ہو یا بیگم کا کتبہ ہو، زن مرید شوہر ہو یا لڑاکا بیگم، بے بس شوہر ہو یا ظالم بیوی، بے زبان شوہر ہو یا پھوہڑ بیوی اِن تمام موضوعات کو احاطۂ تحریر میں لایا گیا ہے۔

Abstract

Title: Portrayal of Social Complexities through Humor and Irony

Abstract:

In Urdu Poetry, irony and humour has been adopted as a technique to highlight various issues. This thesis is specifically related to the poetry that encompasses marital relationship and its complexities. Since independence of Pakistan, various Urdu poets have portrayed this marital relationship in the background and of various events. Through the techniques of irony and humour, the poets depicts ups and down and joys and sorrows of this relationship. In this regards, this topic is of great importance.

To create humours is a very difficult task. Through irony and humour, the writers point out inequalities and complexities of a society. In the same way in humour and ironic poetry, the poets have portrayed marital relationship in connection with other relationship along with economic and social transformation. The poet have made this topic interesting through their unique style of writing.

For research various methods were adopted, documents were collected and libraries were consulted. The topic of research was discussed with literacy personalities , A questioner was also prepared. More over internet was used to research the topic various journal and research articles were explored to get the relevant material for the thesis.

اظہارِ تشکر

میں مقالے کی تکمیل کے لیے سب سے پہلے اللہ تعالی کی شکر گزار ہوں۔ جس نے مجھے اِس قابل سمجھا کہ میں نے جس کام کو پائے تکمیل تک پہنچانے کا معصّم ارادہ کیا تھا۔ اُسے کرنے میں سُرخرو ہوئی۔

اردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں ازدواجی زندگی کی عکاسی کے سلسلے میں جب کام کا آغاز کیا۔ تو ابتداء میں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ طنزو مزاح کے حوالے سے خاص طور پر شاعری کے حوالے سے مواد بہت کم تحریر کیا گیا ہے۔ اس لیے اس کے متعلق مواد کو اکٹھا کرنا کافی صبر آزما کام تھا لیکن خدا کے فضل سے یہ مرحلہ بخیر و خوبی مکمل ہوا۔

اس صبر آزما مرحلے میں اپنی نگران ڈاکٹر صائمہ کی تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ہر مشکل مرحلے میں میری رہنمائی کی۔ اُن کی ملنسار اور ہنس مکّھ شخصیت کی بدولت میرے اندر حوصلہ پیدا ہوا۔

اس کے ساتھ ساتھ اپنے تمام اساتذہ کرام کی ممنون ہوں جنھوں نے میرے حوصلے اور جنون کو بر قرار رکھا اور قدم قدم پر رہنمائی کی۔

اپنی ہر دلعزیز دوست شازیہ جیلانی نے مجھے جس طرح پی۔ایچ۔ڈی کے لیے اکسایا۔ وہ اُس کی علم دوستی کا مظہر ہے۔ مس رابعہ نورین کی لگن نے مجھے اک نئے عزم کے ساتھ تازہ دم رکھا۔

اس خاص موقعہ پر میں اپنی والدہ عفت سلطانہ (مرحومہ) اور والد کرنل افتخار (مرحوم) کا احسان کبھی بھی نہیں اتار سکتی۔ جن کی دعاؤں کی بدولت آج میں اس مقام پر پہنچی ہوں لیکن جس خواب کو انہوں نے دیکھا۔ آج اس کو پائے تکمیل تک پہنچتے ہوئے دیکھ نہیں سکیں اس کا افسوس رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند کرے اور اُن کو جنّت الفردوس میں جگہ دے۔ (آمین)

عظیم اور ہر دلعزیز ہستی بی جان جن کی دُعاؤں کے طفیل میرے قدم ڈگمگائے نہیں بلکہ انہوں نے اپنی محبت اور خلوص کے دامن میں ہمیشہ پناہ دی۔ جو راستے میں آنے والی تمام مشکلات سے نبرد آزما ہونے میں ممدو د و معاون ثابت ہوئیں۔

اپنی بہنوں ساجدہ، ثوبیہ اور بھانجیوں اقراءاور افراح کے ساتھ ساتھ شرارتی بھانجوں فرقان، رضوان، ابراہیم اور محمد ریّان ارسل کی بے لوث محبتوں اور تعاون کے بغیر میرے لیے اِن تمام مراحل کو پار کرنا بہت دشوار تھا۔

اللہ تعالیٰ اِن سب کے علم کے مدارج میں آسانیاں عطا کرے۔ آمین

سعدیہ افتخار

پی۔ایچ۔ڈی (اردو)

Email: rayyanarsal@gmail.com

باب اول:

اُردو طنز و مزاح۔ اصولی مباحث اور روایت

الف۔: تمہید

i. موضوع کا تعارف:

طنز و مزاح لکھنے والا نہایت زیرک نگاہی سے معاشرے میں پائی جانے والی ناہمواریوں کو طشت از بام کرتا ہے۔ اس کا مطمع نظر ہلکے پھلکے انداز میں معاشرے کے پیچ و خم کو نمایاں کرنا ہوتا ہے۔ جس میں اصلاح کا پہلو بھی شامل ہوتا ہے۔ اُردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں بے شمار موضوعات کو اظہار کا ذریعہ بنایا جاتا ہے لیکن معاشرہ جن رشتوں سے مل کر بنتا ہے ان میں اوّلیت میاں بیوی کے رشتے کو حاصل ہے۔ ابتدائے آفرینش سے جس رشتے کی بنیاد سب سے پہلے رکھی گئی وہ حضرت آدمؑ اور حضرت حوّا کا رشتۂ زوجیت ہے۔ اس رشتے کے حوالے سے اُردو شعراء نے بہت کچھ لکھا ہے۔ مرد اور عورت کو گاڑی کے دو پہیوں سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ اگر ایک بھی پہیہ ناہموار ہو تو گاڑی کا چلنا ممکن نہیں۔ انہی ناہمواریوں کو شعراء نے مزاحیہ اور طنزیہ انداز میں پیش کیا ہے۔ میرا موضوع بھی اسی ازدواجی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو قاری تک پہنچانا ہے۔ یہ رشتہ ازل سے قائم ہے تاہم اس رشتے کو ہر مرحلے پر مختلف آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ آزمائشیں دراصل میاں بیوی کی زندگی میں آنے والے مدّ و جزر ہیں جنہیں شعراء نے طنزیہ و مزاحیہ انداز میں اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ اُردو شاعری کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو ہر دور کے شعراء کے ہاں اس موضوع کو بیان کیا گیا ہے۔ شعراء ہنسی اور دل لگی کے لیے اس معاشرتی رشتے کو مزاح کا نشانہ بناتے ہیں تاکہ ان سماجی و معاشرتی ناہمواریوں کی اصلاح کی جا سکے۔ اس سے ان کا مقصود دکھی انسانوں کے چہروں پر ہنسی اور مسرت بحال کرنا بھی ہوتا ہے۔

ازدواجی زندگی میں مرد اور عورت دونوں مرکزی کردار ہیں لیکن شاعری میں مرد کی نسبت عورت کو زیادہ طنز ومزاح کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ کبھی بیوی کی شکل میں، کبھی محبوبہ، کبھی سالی آدھی گھر والی اور کبھی ساس، بہو اور کبھی نند کے کردار کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔

قیامِ پاکستان سے تاحال شعراء کی ایک بڑی تعداد نے اس موضوع پر سخن آزمائی کی ہے مثلاً سیّد محمد جعفری، مرزا سرحدی، سیّد ضمیر جعفری، دلاور فگار، اسد جعفری، محمد طٰہٰ خان، انور مسعود، عطاء الحق قاسمی، ماجد صدیقی، اکبر لاہوری، نیاز سواتی، سرفراز شاہد، ڈاکٹر انعام الحق جاوید، سیّد سلیمان گیلانی، نعیم نیازی، مرزا عاصی اختر، لیاقت علی لیاقت وغیرہ نے اس موضوع کو اپنے اپنے طور پر برتا ہے۔

ii. موضوع کی اہمیت:

اُردو طنزیہ ومزاحیہ شاعری کے حوالے سے مختلف موضوعات پر بہت سے شعراء نے لکھا ہے لیکن ازدواجی زندگی کے حوالے سے شعراء نے اپنے قلم سے جو کچھ تحریر کیا ہے۔ ان دلچسپ اور چبھتے ہوئے متنوع موضوعات کو قاری تک پہنچانا میرے تحقیقی مقالے کا مقصد ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد سے لے کر اب تک ان بدلتے حالات وواقعات کے تناظر میں ازدواجی زندگی کی رنگینیوں کو پیش کیا گیا ہے۔ وقت کے دھارے نے ازدواجی زندگی کے بندھن میں بے شمار تلخیوں اور محبتوں کا اضافہ کیا ہے۔ شعراء نے اس کی عکاسی اپنے اپنے انداز میں کی ہے۔ زندگی کے نشیب وفراز کو شعراء نے طنز ومزاح کی مختلف حربے استعمال کر کے اس میں رنگ بھرے ہیں۔ یہ موضوع اپنی نوعیت کا منفرد ہو گا۔

iii. بیان مسئلہ:

اُردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں ازدواجی زندگی کا سماجی اور معاشرتی حوالے سے جائزہ لے کر اس وقت کے سماجی اور معاشرتی حالات اور اُن کا اُردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری پر اثرات کا جائزہ لینا۔

iv. مجوزہ موضوع پر ما قبل تحقیق:

اُردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں اس سے قبل ازدواجی زندگی کے موضوع کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔ اگر جامعاتی سطح پر تحقیق کے حوالے سے دیکھیں تو اُردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں ازدواجی زندگی کے حوالے سے کوئی تحقیقی و تنقیدی کام نہیں ہوا۔ مختلف جامعات میں ان کے حوالے سے کوئی ایم۔ فل اور پی ایچ۔ ڈی کی سطح پر مقالہ جات نہیں لکھے گئے۔ اگر مقالہ جات لکھے گئے ہیں تو وہ اس موضوع سے بالکل مختلف ہیں۔ ضروری ہے کہ پی ایچ۔ ڈی کی سطح پر اس موضوع پر ایک منضبط مقالہ لکھا جائے جو کہ نہ صرف دلچسپ ہو بلکہ اُردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں ازدواجی زندگی کے موضوع کے حوالے سے تفہیم کی کئی نئی صورتیں سامنے لائے ۔ تاہم پی ایچ۔ ڈی کی سطح پر مختلف اوقات میں جو تحقیقی کام ہوا وہ پس منظری مطالعے کے طور پر لیا گیا ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے۔

ا۔ فردوس کوثر، پاکستانی طنزیہ اور مزاحیہ شاعری کے سیاسی و سماجی محرکات کا تنقیدی جائزہ (1947ء تا 2017ء)، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو یجز، اسلام آباد، (پی ایچ۔ ڈی)

محمد رووف اردو غزل میں عائلی رشتے (مضمون)، تخلیقی ادب، شمارہ ۷، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو یجز، اسلام آباد

v. تحدید:

اُردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں ازدواجی زندگی کی عکاسی کے حوالے سے صرف اسی موضوع کو مدِّ نظر رکھ کر تحقیق کی گئی۔ شعراء کے دیگر موضوعات کو زیرِ بحث نہیں لایا گیا۔

vi. مقاصدِ تحقیق:

مجوزہ تحقیق میں درج ذیل مقاصد پیشِ نظر ہیں۔

1۔ اردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں ازدواجی زندگی کے بیان کی مختلف صورتیں کو پیش کرنا۔

2۔ اُردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں ازدواجی زندگی کی عکاسی کے حوالے سے متنوع موضوعات کا جائزہ لینا۔

3۔ اس عہد کی سماجی اور معاشرتی صورتحال اور طنزیہ و مزاحیہ ازدواجی شاعری میں اس کے اثرات کا جائزہ لینا

۔

vii. تحقیقی سوالات:

مجوزہ تحقیق کے دوران درج ذیل تحقیقی سوالات سامنے رکھے گئے۔

ا۔ اُردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں ازدواجی زندگی کے بیان کی نوعیت کیا ہے؟

2۔ اُردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں ازدواجی زندگی کی عکاسی کے حوالے سے متنوع موضوعات کیا ہیں؟

3۔اُردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں ازدواجی زندگی کی عکاسی اس عہد کی سماجی اور معاشرتی صورتحال کے حوالے سے اس کے اثرات کیا نظر آتے ہیں؟

viii. پس منظری مطالعہ:

اُردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری ایک وسیع پس منظر رکھتی ہے۔اس ضمن میں اُردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں ازدواجی زندگی کی عکاسی کرتے ہوئے اس کے سماجی اور معاشرتی پس منظر کو نگاہ میں رکھنا ضروری ہے۔اور طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں ازدواجی زندگی کے حوالے سے وقت کے ساتھ ساتھ بے شمار تبدیلیاں آئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں ازدواجی زندگی کی عکاسی کے لیے اس عہد کی ادبی فضا، بدلتے رجحانات اور ان کا مطالعہ اُردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں ازدواجی زندگی کی عکاسی کو سمجھنے کے لیے نہایت ضروری ہے۔

ix. نظری دائرہ کار:

کسی فن پارے کو جانچنے کے لیے عام طور پر دو بڑے زاویے رائج ہیں۔ایک اس کا فکری پہلو ہے جو اس فن پارے کے لیے بنیادی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔چونکہ یہ اس فن پارے کا موضوع کا احاطہ کرتا ہے۔اور دوسرا زاویہ فن کا ہے۔جس میں فن پارے کے فنی محاسن کو زیرِ بحث لایا جاتا ہے۔موضوع کسی فن پارے کو جانچنے کا پہلا اور بنیادی حوالہ ہوتا ہے کیونکہ فن پارے کا موضوع فنکار یا ادیب کی فکر کے ساتھ ساتھ اس کے عہد کے فکری رویوں کا بھی عکاس ہوتا ہے۔اس لیے اسے بہت اہمیت حاصل ہے۔ڈاکٹر احمر رفاعی لکھتے ہیں:''ادب علم کی اس خاص صنف کا نام ہے جو اپنے موضوع، مواد اور اسلوبِ بیان کے لحاظ سے عوام و خواص کے لیے اپنے اندر ایک دلچسپی رکھتی ہے اور جس میں تفریح کا عنصر ضرور شامل ہو۔'' اردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں جن موضوعات کا ا

حاطہ کیا گیا ہے وہ اس معاشرے کے فکری رجحان کی عکاسی کرتے ہیں۔ زیر نظر مقالے میں انہی فکری رویوں کو اردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری کے مطالعے سے منظر عام پر لایا گیا ہے۔ اردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری کے حوالے سے ڈاکٹر وزیر آغا کہتے ہیں:

"۔۔۔ مزاح نگار اپنی نگاہِ دور بین سے زندگی کی ان ناہمواریوں اور مضحک کیفیتوں کو دیکھ لیتا ہے جو ایک عام انسان کی نگاہوں سے اوجھل رہتی ہیں۔ دوسرے ان ناہمواریوں کی طرف مزاح نگار کے رد عمل میں کوئی استہزائی کیفیت پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ ان سے محظوظ ہوتا اور اس ماحول کو پسند بھی کرتا ہے جس نے ان ناہمواریوں کو جنم دیا ہے۔ چنانچہ ان ناہمواریوں کی طرف اس کا زاویۂ نگاہ ہمدردانہ ہوتا ہے۔ تیسرے یہ کہ مزاح نگار اپنے "تجربے" کے اظہار میں فن کارانہ انداز اختیار کرتا ہے اور اسے سپاٹ طریق سے پیش نہیں کرتا۔۔۔"

اردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں ازدواجی زندگی کا بیان ایک اہم موضوع ہے شعرانے اس موضوع کے بیان میں ہلکے پھلکے انداز میں خالصتاً مزاح پیدا کرنے کے لیے اسے اختیار کیا ہے، زیر نظر مقالے میں دیکھا گیا ہے کہ شعرا نے اس موضوع کے بیان میں کس طرح سے مزاح کی صورتوں کو پیش کیا ہے اور اس کے بیان میں وہ کس حد تک کامیاب رہے ہیں۔

x. تحقیقی طریقہ کار:

تحقیق حقائق کی جانچ پڑتال، تلاش و جستجو اور اس کی نئی تعبیر و توجیہہ کا نام ہے۔ اس امر کے لیے تحقیق کے مختلف طریقہ ہائے کار مروج ہیں۔ زیرِ نظر موضوع کے لیے دستاویزی ، تاریخی اور سوانحی طریقہ نیز سوالنامے کا طریقہ بھی استعمال کیا گیا ہے۔

دورانِ تحقیق مختلف سرکاری و نجی کتب خانوں سے استفادہ، علمی و ادبی شخصیات سے بحث اور انٹرویو، موضوع کے حوالے سے سوالنامے کی تیاری، انٹرنیٹ، تحقیقی مقالات و مضامین اور تحقیقی اداروں کے علاوہ رسائل و جرائد سے بھی استفادہ کیا گیا ہے، حاصل شدہ مواد کی جانچ پرکھ کرکے اس کو تحقیقی مقالے کا حصّہ بنایا گیا ہے۔

ب۔ طنز و مزاح کے مباحث:

طنز و مزاح زندگی کی دلچسپ حقیقتیں ہیں جو ہر انسان کو مختلف اوقات میں درپیش آتی ہیں۔ جس سے ہم بعض اوقات سیکھتے ہیں۔ اور بعض اوقات محض ہنسی مذاق سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ سیکھنے اور سمجھنے کا عمل زندگی میں پیش آنے والی تمام حقیقتوں سے کیا جاسکتا ہے۔ جیسے بعض اوقات رہ چلتے ہم کسی کو گرتا دیکھتے ہیں تو بے اختیار ہنسی آجاتی ہے۔ اس وقت اپنے آپ پر قابو پانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کسی ایسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑے جیسے جب کوئی لطیفہ سناتا ہے تو بے ساختہ ہنسی آجاتی ہے۔ بعض اوقات دوسرا شخص لطیفہ سن کر اتنا نہیں ہنستا جتنی آپ کو ہنسی آتی ہے۔ کیونکہ ان تمام محرکات کا تعلق ہمارے اعصاب سے ہے اور ہر ایک کی لطیفہ سن کر ہنسنے کی نوعیت بھی مختلف ہو گی۔ اسی طرح زندگی خوشی اور غم کا مجموعہ ہے۔ زندگی کی تلخ پریشانیوں میں سے چند لمحے ہنسی، دل لگی کے لیے مستعار لیے جاتے ہیں تاکہ زندگی میں طاری اس جمود کو کم کیا جاسکے۔ طنز و مزاح لکھنے والا کچھ ایسا ہی کام سرانجام دیتا ہے۔ جو اپنی جگہ معاشرے میں پائی جانے والی ناہمواریوں کو بیان کرتا ہے۔ بنیادی مطمع نظر ان ناہمواریوں کو درست کرنا ہوتا ہے۔ اس کے لئے کبھی مزاح اور کبھی طنز کے پردے میں حقائق کو طشت از بام کرتا ہے۔ وہ ان حقائق کو اردگرد کے ماحول سے لیتا ہے۔ جس میں باوا آدم اور حضرت حوّا کا رشتہ تخلیق کیا گیا۔ جو روح زمین پر سب سے پہلے قائم ہونے والا رشتہ ہے ۔یعنی میاں بیوی کا رشتہ ہے۔ جو نکاح کے تین بول بولنے سے جتنا مضبوط ہوتا ہے وہی طلاق کے تین لفظ بولنے سے ٹوٹ بھی جاتا ہے۔ ازدواجی رشتے میں بننے والے اس رشتے کے بعد دیگر رشتے بھی وجود میں آتے

ہیں ۔ جیسے ساس، سسر، نند، نندوئی، دیور، دیوانی، جیٹھ، جیٹھانی، سالا، سالی، بہواور داماد وغیرہ۔ جو ان کی زندگی میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ ان رشتوں میں ہونے والی چپقلش اور نوک جھونک ان رشتوں کو بنانے اور بگاڑنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اسی نوک جھونک کو شعراء نے طنزیہ اور مزاحیہ انداز میں اپنی شاعری میں بیان کیا ہے۔ کبھی ساس اپنی بہو پر طنز کے تیر برساتی نظر آتی ہے، تو کبھی نند اور بھاوج کا رشتہ اسی اونچ نیچ کا شکار نظر آتا ہے، کبھی شوہر اپنی بیوی کے ہوتے ہوئے دوسروں کے زلفوں کے اسیر نظر آتے ہیں ۔ دوسری بیوی اور دوسری شادی جیسے موضوعات کو شعراء نے اپنی شاعری کا موضوع سخن بنایا ہے۔ ان دونوں رشتوں سے جنم لینے والے روز مرہ زندگی میں دیگر مسائل مثلاً مہنگائی، فیملی پلاننگ، تنخواہ، جہیز، زن مرید شوہر، وفا شعار شوہر اور بچوں کو طنزیہ اور مزاحیہ انداز میں شاعری میں مختلف حربے استعمال کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔ کبھی اشارے کنایوں کے ذریعے، کبھی نقالی کرتے ہوئے، کبھی پیروڈی یا تحریف نگاری کے ذریعے کبھی مزاحیہ واقعات کو بیان کرکے کبھی مزاحیہ کردار کو ابھارتے ہوئے، کبھی موازنے اور کبھی لفظی بازی گری یعنی رعایت لفظی کو اپنی شاعری میں بیان کر کے ازدواجی زندگی کے ان رنگوں کو ابھارا ہے۔ ان میں کبھی نظم، کبھی آزاد نظم، کبھی غزل، کبھی رباعی اور قطعہ کی ہیئت میں رنگ بھرے ہیں۔

i۔ طنز اور مزاح کی تعریف:

طنزیہ اور مزاحیہ شاعری میں ازدواجی زندگی کی عکاسی میں جو مختلف موضوعات ہیں ان کا جائزہ اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا۔ جب تک طنز اور مزاح میں موجود فرق کو سمجھا نہیں جا سکتا ان مباحث پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔

مزاح کی معانی اظہر اللغّات جامع اُردو میں یوں ہیں۔

ہنسی، ٹھٹھا، ظرافت، خوش طبعی، مذاق، چہل۔[1]

اسٹفین لی کاک نے مزاح کی تعریف یوں کی ہے

یہ زندگی کی ناہمواریوں کے اس ہمدردانہ شعور کا نام ہے جس کا فنکارانہ اظہار ہو جائے[2]

ڈاکٹر روف پاریکھ نے مزاح کی تعریف یوں کی ہے۔

کسی عمل، خیال، صورتِ حال، واقعے، لفظ یا جملے کے خندہ آور پہلوؤں کو دریافت کرنا، سمجھنا اور اُن سے محظوظ ہونا مزاح ہے[3]

یعنی مزاح نگار زندگی کی ناہمواریوں کو عام لوگوں کی نسبت جلد دیکھ لیتا ہے وہ چونکہ اس ماحول سے محبت کرتا ہے۔ اس لیے وہ ان ناہمواریوں کو اپنے قلم کے ذریعے اس طرح بیان کرتا ہے کہ نہ صرف ان سے محظوظ ہوتا ہے بلکہ اس کا ہمدردانہ انداز بھی جھلکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس کا مقصد ہنسنے ہنسانے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا۔ مزاح نگار پڑھنے والے کو زندگی کی تپتی دھوپ سے نکال کر دیوار کے سائے تلے تھوڑی دیر کے لیے بیٹھاتا ہے تاکہ زندگی کی تپتی دھوپ میں تھوڑی دیر کے لئے ستالے۔ زندگی جتنی گنجلگ ہے اس میں سے چند لمحے ہنسی خوشی کے مستعار لے سکے۔ زندگی کے ان جھمیلوں سے آزاد فضا میں کھل کر سانس لے سکے جیسے بچہ بغیر کسی تصنّع کے کُھل کر ہنستا ہے۔ جب ہم اسے اوپر اچھالتے ہیں اسے اس بات کا ڈر نہیں ہوتا کہ میں زمین پر نیچے گر جاؤں گا۔ اسی طرح مزاح نگار بھی زندگی کی ان تلخ حقیقتوں سے تھوڑی دیر کے لئے قاری کو چشم پوشی کی اجازت دیتا ہے۔

اس معصوم کھکھلاتے بچے کی طرح جو بغیر کسی فکر اور پریشانی کے ہنستا چلا جاتا ہے۔ گویا مزاح نگار کا مطمع نظر محض قاری میں زندہ دلی اور شگفتہ طبعی کو پیدا کرنا ہوتا ہے نہ کہ کسی مقصد کی اصلاح کرنا ہوتا ہے۔ اس کا مقصد کسی خاص شخص یا ادارے کو نشانہ تضحیک بنانا نہیں ہوتا بلکہ فرحت و انبساط پیدا کرنا ہوتا ہے۔ مزاح نگار گویا ایک محفل میں بیٹھا ہوا شخص ہے۔ جس کا مقصد نہ صرف خود ہنسنا ہوتا ہے ۔بلکہ دوسروں کو بھی اپنی ہنسی میں شامل کرنا ہوتا ہے۔ دوسرے اس کی باتوں سے محظوظ ہوتے ہیں اس میں اگر مقصد کار فرما ہے تو وہ بھی دبا دبا سا ہوتا ہے۔ اُردو ادب میں طنز و مزاح کو عموماً یکساں معنوں میں لیا اور ایک ساتھ استعمال کیا جاتا ہے، حالانکہ طنز اور مزاح میں فرق ہے۔ دونوں کی اپنی اپنی حدود ہیں لیکن اس کے باوجود اکثر ایک دوسرے کے متوازی بھی چل رہے ہوتے ہیں اور بعض اوقات تو ان کی سرحدیں ایک دوسرے سے ایسے ملی ہوتی ہیں کہ ان کو الگ کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ طنز سے مراد طعنہ، ٹھٹھہ، تمسخر یا رمز کے ساتھ بات کرنا ہے جب کہ مزاح سے خوش طبعی، مذاق یا ظرافت مراد لیا جاتا ہے۔

اظہر اللغّات جامع اُردو میں طنز کے معنی ہیں۔

اشارتاً، کنایۃً، طعنے سے، حقارت سے۔[4]

ڈاکٹر روف پاریکھ طنز کے بارے میں لکھتے ہیں:

حماقتوں، برائیوں بے ڈھنگے پن، بد تہذیبی اور بد اخلاقی کی مذمّت، بدمزگی پیدا کئے بغیر، اسی طرح کرنا کہ اُن کے خلاف جذبات بیدار ہوں اور مزاح بھی پیدا ہو۔[5]

طنز زندگی اور اس کے ماحول سے برہمی کے فنکارانہ اظہار کو ظاہر کرتا ہے۔ جس سے طنز نگار نفرت کرتا ہے۔ وہ اس معاشرے کا حصہ ہوتے ہوئے ان برائیوں اور خامیوں سے نفرت کرتے ہوئے جلی کٹی باتیں سناتا ہے۔ طنز کے زہریلے تیر برساتا ہے۔ جو نشتر کا کام سرانجام دیتے ہیں۔ وہ کسی شخص اور ادارے کی انفرادی اور اجتماعی غلطیوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ پس پردہ وہ ان خرابیوں کی اصلاح کرتا ہے یعنی وہ میدان کارزار میں اس طرح لڑتا ہے کہ اپنا وار بھی بھرپور طریقے سے کرے اور دشمن کی جوابی کارروائی سے محفوظ بھی رہ سکے۔

ii۔ طنز اور مزاح کا رشتہ:

طنز و مزاح کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے مزاح کا مقصد محض تفریح ہے یعنی اس میں زندہ دلی اور رحم کا جذبہ کار فرما ہوتا ہے۔ جبکہ طنز میں غصے، جوش، رنج اور بے چینی کے آثار دکھائی دیتے ہیں۔ طنز و مزاح بیک وقت دو مختلف چیزیں بھی ہیں اور لازم و ملزوم بھی۔ اردو ادب میں ان کا تعلق اتنا گہرا ہے کہ انھیں جدا کرنا مشکل ہے۔ طنز فن کی ضرورت ہے اور مزاح کا مقصد محض ہنسنا ہوتا ہے جبکہ طنز کا مقصد سوچنے اور اصلاح کی طرف راغب کرنا۔ ظرافت نگار کسی خرابی کو دیکھ کر مسکرا اٹھتا ہے۔ جب کہ طنز نگار اس کو دیکھ کر آگ بگولا ہو جاتا ہے۔

مشتاق احمد یوسفی "نیلا پتھر" کے دیباچے میں طنز و مزاح کے بارے میں یوں بیان کرتے ہیں۔

> خام فنکار کے لیے طنز ایک مقدس جھنجھلاہٹ کا اظہار بن جاتا ہے چنانچہ ہر وہ لکھنے والا سماجی اور معاشی ناہمواریوں کو دیکھتے ہی دماغ بانٹنے میں مبتلا ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ خود کو طنز نگار کہنے اور کہلانے کا سزاوار سمجھتا ہے لیکن سادہ پرکار طنز ہے بڑی جان جوکھوں

کا کام بڑوں کے بس کا نہیں چھوٹ جاتے ہیں۔ع "رقص یہ لوگ کیا کرتے ہیں تلواروں پر" یہی زہر غم جب رگ و پے میں سرایت کر کے لہو کو کچھ اور تیز و تند کر دے۔ تو نس نس پر مزاح کے شرارے پھوٹنے لگتے ہیں۔ عملی مزاح اپنے لہو کی آگ میں تپ کر نکھرنے کا نام ہے۔ لکڑی جل کر کوئلہ بن جاتی ہے اور کوئلہ راکھ لیکن اگر کوئلہ کے اندر آگ باہر کی آگ سے تیز ہو تو پھر وہ راکھ نہیں بنتا ہیرا بن جاتا ہے۔[6]

طنز و مزاح لکھنے والے معاشرے کی ناہمواریوں کا علاج اپنے اپنے طریقے سے کرتے ہیں۔ مزاح نگار معاشرتی بیماریوں کا علاج میٹھی گولیوں کے ذریعے جبکہ طنز نگار سرجری اور آپریشن کے ذریعے علاج پر یقین رکھتا ہے۔ ان دونوں کو ایک دوسرے پر فوقیت نہیں دی جاسکتی کیونکہ مزاح ہمیشہ مسرت اور خوشی کا باعث ہوتا ہے جب کہ طنز کا نتیجہ اصلاح کے ساتھ ساتھ عموماً دل آزاری اور دل شکنی بھی ہوتا ہے۔ بعض طنز کو فوقیت دیتے ہیں بعض مزاح کو۔

جیسے پروفیسر احتشام حسین مزاح کے حق میں دلائل دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ طنز کا وجود مزاح کے بغیر ممکن ہی نہیں ہاں مزاح طنز سے بالکل پاک بھی ہو سکتا ہے۔[7]

جبکہ پروفیسر رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں

ظرافت میں طنز مضمر ہوتی ہے طنز میں ظرافت کا دخل نہیں ہونا چاہیے۔[8]

ڈاکٹر اشفاق احمد ورک طنز و مزاح میں جو خفیف سا فرق ہے اس کی طرف یوں اشارہ کرتے ہیں۔

اردو ادب میں مزاح اور ظرافت سگّے بہن بھائی کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ لیکن بعض لوگوں نے دونوں کے درمیان میں خفیف سا فرق دریافت کرر کھاہے۔ ہمارے خیال میں اس فرق کو اس طرح محسوس کیا جا سکتا ہے کہ ظرافت جہاں جہاں اپنا ایک خاص میعار بر قرار رکھتی ہے، وہاں وہ مزاح کے دائرے میں داخل ہو جاتی ہے۔ لیکن جب یہی ظرافت ایک خاص سطح سے نیچے گر جاتی ہے تو وہ ہجو وہزل کی صورت اختیار کر لیتی ہے اس سے بھی نیچے چلی جائے عریانی و فحاشی و پھکڑپن کا روپ دھار لیتی ہے۔ مختصراً ہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ظرافت ہنسنے ہنسانے والی ہر چیز میں موجود ہوتی ہے لیکن یہ موقع محل اور معیار و انداز کے اعتبار سے اپنے نام بدلتی چلی جاتی ہے۔[9]

ڈاکٹر وزیر آغا "اردو ادب میں طنز و مزاح" میں اس کے بارے میں زیادہ معقول اور متوازن نظریہ پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کے طنز سماج اور انسان کے رستے ہوئے زخموں کی طرف ہمیں متوجہ کر کے بہت بڑی انسانی خدمت سرانجام دیتی ہے لیکن دوسری طرف خالص مزاح بھی تو ہمارا الجھی ہوئی پھیکی اور بدمزہ زندگی کو منور کرتا اور ہمیں مسرت بہم پہنچاتا ہے۔ فی الواقع افادیت کے نقطہ نظر سے دونوں ہمارے لیے رفیق و غم گسار ہیں۔ اور ہم ایک کو دوسرے پر فوقیت دینے سے قاصر۔[10]

iii۔ طنز و مزاح کے حربے:

طنز و مزاح کو اپنے انداز میں بیان کرنے کے لیے جو حربے معاون ثابت ہوتے ہیں جن کی بدولت طنز و مزاح کے شرارے پھوٹتے ہیں۔ طنز و مزاح کے لیے ان میں سے پہلا حربہ "موازنہ" ہے۔ مزاح میں موازنہ کے ذریعے بے اختیار ہنسی کے جذبے کو جنم دیا جاتا ہے۔ موازنہ میں دو چیزوں میں تضاد یا مشابہت کی بنا پر جو ناہمواری جنم لیتی ہے وہ پڑھنے اور لکھنے والے کو ہنسنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

دوسرا حربہ "لفظی بازی گری" ہے جس کے لیے رعایت لفظی (Fun) کا لفظ بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس میں زبان و بیان کے ذریعے مزاح پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے یعنی لفظ کو ذو معنی انداز میں بیان کیا جاتا ہے کہ جس کے دو مطلب ہوتے ہیں۔ ایک ظاہری اور دوسرا باطنی۔ ناظر کو ان دونوں معنوں کا احساس ہوتا ہے۔ اس میں بھی موازنہ کی طرح مشابہت اور تضاد کی کیفیت ہوتی ہے۔

تیسرا حربہ مزاحیہ "صورتِ واقعہ" (Humorous Situation) ہے۔ جس میں واقعہ کو ایسے بیان کیا جاتا ہے کہ اچانک ہنسی آجاتی ہے۔ جو حالات و واقعات کی مخصوص نہج یا کردار کی ناہمواری سے جنم لیتی ہے۔ جس میں شعوری کاوش کا عمل دخل کم ہوتا ہے۔ جس سے خالص مزاح جنم لیتا ہے۔

مزاحیہ کردار کو بھی مزاحیہ نگاری میں مدد و معاون ثابت ہوتے ہیں جس میں بعض اوقات اس کردار کا حلیہ اس کے بات کرنے کا انداز دیگر لوگوں سے مختلف ہوتا ہے۔ وہ عام آدمی کی نسبت اپنے آپ کو ماحول میں ہم آہنگ نہیں کر پاتا۔ جس سے مزاحیہ صورت حال پیدا ہوتی ہے۔

مزاح نگاری کا آخری حربہ "تحریف نگاری" یا "پیروڈی" ہے۔ تحریف نگاری میں کسی کے کلام یا تصنیف کی ایسی لفظی نقالی کی جاتی ہے جس سے اس کلام کی تضحیک ہو سکے، جس کا مطمع نظر لفظوں کے ہیر پھیر یا کسی عمدہ مضمون کے خیالات کو دوسرے مضمون میں تبدیل کرنا یا معاشرے میں پائی جانے والی خرابیوں

کا مذاق اڑانا ہو تا ہے۔ اس میں کسی کی تخلیق کو دوبارہ اسی انداز میں تحریر کیا جاتا ہے کہ جس میں تفریح کا پہلو نمایاں ہو اور جس کا مقصد محض قاری کو تفریح باہم پہنچانا ہو تا ہے۔

افضل جاوید پیروڈی کے لیے اصلاح اور تفریح کی حد کا تعین کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

> اصلاحی تنقید ہی اگر پیروڈی کا جز ہو جائے تو پھر اُس میں وہ دلچسپی نہیں رہے گی ۔جو پیروڈی کا طرّہ امتیاز ہے اور اگر تفریح اور صرف تفریح ہی اس کا مقصد ہو تو اس کی افادیت خطرے میں پڑ جائے گی۔ اس لیے پیروڈی میں اصلاح کا مقصد پوشیدہ ہونا چاہیے اوراس کی بنیادیں تفریح پر استوار ہونی چاہئیں۔[11]

ایک اور صنف "رمز" (Understatement) ہے جس میں مبالغہ آرائی کے برعکس کم بیانی کی مدد سے اپنا مطمع نظر بیان کیا جاتا ہے۔ یعنی اگلے کے دلائل کو بظاہر تسلیم کر کے اس کی خامیوں کو اور نمایاں کر کے بیان کیا جاتا ہے۔ جس کی بدولت جملے میں موجود چھپے طنز کو ذو معنی حوالے سے محسوس کیا جاسکتا ہے۔ ایسی مہمل صورت حال اختیار کی جاتی ہے۔ جس سے کہنے کا مقصد کچھ اور سمجھنے کا مقصد کچھ اور ہو تا ہے۔ اسی میں رمز میں بات کرنے والے کی جیت ہوتی ہے۔

طنز کے حربے بھی وہی ہیں جو مزاح میں استعمال کیے جاتے ہیں۔(مبالغہ آرائی، لفظی بازیگری، موازنہ، صورت واقعہ، مزاحیہ کردار، تحریف نگاری، رمز) بنیادی فرق یہ ہے کہ مزاح میں ہنسی، دل لگی میں بات کی جاتی ہے جبکہ طنز میں وہی بات تیر کی طرح برسائی جاتی ہے۔ جس میں نفرت کے جذبات نمایاں ہوتے ہیں۔ طنز نگار یہ سمجھتا ہے کہ وہ خود اس معاشرے کا حصہ نہیں۔ طنز نگار کی کڑوی کسیلی باتوں کے اندر چھپا ہوا طنز ہر ذی شعور انسان محسوس کر سکتا ہے۔ طنز نگار کا تخریبی نہیں بلکہ تعمیری پہلو نمایاں ہونا چاہیے یعنی دوسروں

کے عیبوں کو اگر بیان بھی کرے تو تضحیک کا پہلو نمایاں نہ ہوں بلکہ اپنی فنکارانہ صلاحیتوں کا اس طرح اظہار کرے کہ مقصد بھی واضح ہو جائے اور اگلے کی جگ ہنسائی بھی نہ ہو۔

طنز نگار معاشرے کی بے اعتدالیوں اور ناہمواریوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔جو نہ صرف خود ان کا تختہ مشق بن چکا ہوتا ہے بلکہ معاشرے کے دیگر لوگوں کو اس سے بچانا چاہتا ہے۔ان کی اصلاح کرنا چاہتا ہے تاکہ لوگ نہ صرف اس سے واقف ہوں بلکہ اپنے بچاؤ کی تدابیر بھی اختیار کر سکیں طنز نگار کی کامیابی اسی بات میں پنہاں ہے کہ معاشرے کے دکھتے ناسور کو اس انداز سے بیان کرے کہ اس کی بات میں چھپے ہوئے نشتر محسوس نہ ہوں۔

ج۔طنز و مزاح کی مختصر روایت:

i۔اودھ پنچ سے پہلے:

"اودھ پنچ" کو اردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں ایک سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے اس حوالے سے دیکھا جائے تو اردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری کی روایت کو اودھ پنچ سے پہلے، اودھ پنچ کے زمانے میں اور اودھ پنچ کے بعد کے حوالے سے دیکھا جا سکتا ہے۔

سب سے پہلے اودھ پنچ سے پہلے اردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری کی روایت کو دیکھا جائے۔ تو اس سے ڈیڑھ سو سال پہلے زمانہ جس شکست و ریخت کا شکار تھا۔ جس میں غالب عنصر قنوطیت اور یاس کا تھا۔ جس کی بدولت اکثر شعراء نے فرار کی راہ اختیار کی اور زاہد سے چھیڑ چھاڑ، ہجو، ریختی اور معاصرانہ چشمک کی طرف مائل ہوئے۔ بہت کم شعراء ماحول میں موجود اس بے حسی اور اتار چڑھاؤ کو برداشت کرتے اور اپنے ماحول پر کاری ضرب لگاتے دکھائی دیتے ہیں۔ زندگی کی ان تلخیوں کو اپنی زندہ دلی کی بدولت قابل برداشت بنانے اور اپنے غم کو فراموش کرنے کی سعی میں درپردہ وہ اپنے لیے فرار کی راہ اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس دور کی پہلی رَو زاہد اور رند کی چپقلش کی صورت میں دکھائی دیتی ہے۔ جس میں زاہد زندگی پر چھائی یکسانیت کو برداشت کرنے اور اس کے ہاں میں ہاں ملانے کو تیار دکھائی دیتا ہے۔ جبکہ رند ماحول میں موجود چیزوں کے خلاف بغاوت یا جدت پسندی کی طرف مائل دکھائی دیتا ہے۔ وہ ماحول کی چیزوں کو تحقیر سے دیکھتا اور زاہد کی یکسانیت پر تمسخر اڑاتا نظر آتا ہے۔ اس دور کا ہر بڑا شاعر اس رنگ میں رنگا نظر آتا ہے۔

میرے ابرو کی پہنچے گی خبر مسجد میں زاہد کو

تماشا دیکھنے آوے ترا محراب سے اُٹھ کر[12] (ولیؔ)

شیخ جو ہے مسجد میں ننگا رات کو تھا میخانے میں

جبہ، خرقہ، کرتا، ٹوپی مستی میں انعام کیا[13] (میرؔ)

تقوے کا اب کے موسم گل نے کیا یہ رنگ

زاہد کو خانقہ سے یہ مے خانہ لے گیا[14] (سوداؔ)

ان اشعار میں زہریلا پن نہیں بلکہ اس دور کے شعرا نے ماحول میں پائی جانے والی قنوطیت کے خلاف راہ فرار حاصل کرنے کے لیے شگفتگی اور رندی کا سہارا لیا ہے۔ جس کی بدولت نہ صرف وہ خود ہنستا ہے بلکہ حاضرین کو بھی اپنا ہم نوا بناتا ہے۔ جس کی وجہ سے زیر لب تبسم کی کیفیت جنم لیتی ہے۔

برق کو ڈھونڈتے ہو کیا، دیکھو!
وہ پڑی میرے آشیاں میں ہے[15] (مجروحؔ)
قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں
رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن[16] (غالبؔ)
کیفیت چشم اس کی تجھے یاد ہے سودا؟
ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں[17] (سوداؔ)
تھا ارادہ تری فریاد کیجیو حاکم سے
وہ بھی کمبخت شوخ تیرا چاہنے والا نکلا[18] (نظیرؔ)

دوسری اہم رَو ہجویات کی صورت میں دکھائی دیتی ہے۔ جس کے نمائندہ شاعر سودا ہی دکھائی دیتے ہیں۔ جو اپنی ظرافت اور ہجویات کے ذریعے طنز کرتے نظر آتے ہیں۔ کبھی وہ معاشرے کی بے اعتدالیوں کو نشانہ بناتے ہیں، کبھی ذاتی دشمنی کی بنا پر دوسروں کی تحقیر کرتے ہیں۔ سودا کی ہجو جو گھوڑے کے حوالے سے

ہے۔ اس میں درپردہ وہ معاشرے میں مٹتے ہوئے فوجی نظام کو نشانہ تمسخر بناتے ہیں۔ جس میں مزاح کا بیانیہ انداز اختیار کیا ہے۔ جس میں واقعے کی تفصیل اس طرح پیش کی ہے کہ زیر لب تبسم کی سی کیفیت جنم لیتی ہے

اس طرح میر تقی میرؔ اپنی ہجو "گھر" میں اپنی ذات کو تمسخر کا نشانہ بناتے ہیں۔ دل کی بے قراری کے ساتھ ساتھ گھر کی ابتری اور بے ترتیبی میں بھی دلچسپی کا سامان تلاش کرتے ہیں۔

کیا لکھوں میر اپنے گھر کا حال

اس خرابے میں ہیں ہوا پامال[19]

انشاؔء، مصحفیؔ اور ان کے ہمعصر کے ہاں بھی ہجو کے نمونے ملتے ہیں۔ لیکن ان سب کے ہاں شاعرانہ چشمکش کا انداز زیادہ نظر آتا ہے۔ چاہے وہ آبرو اور مرزا جانجاناں کے مابین ہو، میر اور میر خامک کے مابین لیکن سب سے زیادہ مزاح نگاری انشاؔء اور مصحفیؔ کے درمیان نظر آتی ہے۔ جس میں اس وقت کے زوال پذیر معاشرے کی بدولت تصنع اور بناوٹ کا غلبہ نظر آتا ہے۔ دلی کے زوال اور لکھنؤ کے عروج میں جو ادب تخلیق ہو رہا تھا ۔اس میں شگفتگی اور زندہ دلی تو تھی ہی لیکن پائیداری نہیں۔ محض کھوکھلے قہقہے۔ جس کی بدولت نہ صرف خود ہنستے بلکہ دوسروں کو بھی ہنساتے۔ جس کی وجہ سے شاعری طعن تشنیع میں دھنستی نظر آتی ہے۔

نظیر اکبر آبادی ان تمام شعراء سے ہٹ کر اپنی انفرادیت کی بنا پر اس دور میں ایسے طنز و مزاح کو فروغ دیتے نظر آتے ہیں۔ جس میں مسرت و انبساط کی کیفیت ہے۔ اس ماحول کے غم کو نہ صرف خود بلکہ اپنے ناظر کے ہمراہ کم کرنے کی سعی کرتے نظر آتے ہیں۔ جس میں کبھی وہ واقعہ نگاری کے ذریعے، کبھی ہمدردی اور کبھی ناہمواریوں پر طنز و مزاح کے ذریعے قہقہے لگاتے نظر آتے ہیں۔

کرتی ہے گوچہ سب کو پھسلتی زمین خوار　　　عاشق کو پر دکھاتی ہے کچھ اور ہی بہار

آیا جو سامنے کوئی محبوب گل غدار　　　گرنے کا مکر کر کے اچھل کو دایک بار

اس شوخ گلبدن سے لپٹ کر پھسل پڑا[20]

ناہمواریوں پر طنز کرتے ہوئے

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں　　　بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں

پڑھتے ہیں آدمی ہی قرآن اور نماز یاں اور آدمی ہی ان کی چراتے ہیں جوتیاں

جوان کو تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی[21]

"روٹی کی فلاسفی" میں جو ہمدردانہ انداز ہے وہ جدید مزاح کے زیادہ قریب دکھائی دیتا ہے۔

پوچھا کسی نے یہ کسی کامل فقیر سے یہ مہر وماہ حق نے بنائے ہیں کس لئے

وہ سن کے بولا بابا خدا تجھے کو خیر دے ہم تو نہ چاند سمجھیں نہ سورج ہیں جانتے

بابا ہمیں تو یہ نظر آتی ہیں روٹیاں[22]

شاعری کی تیسری رَو ریختی کی صورت میں ابھری۔ جو اس زوال پذیر معاشرے کی پیداوار تھی۔ جس میں عملی زندگی سے فرار، طوائف کے کوٹھوں کے چکر، گھر سے فرار نے نوجوان نسل کے اندر زنانہ پن کی خصوصیات کو پیدا کر دیا مردوں کی بزدلی اور آرام طلبی نے محض تفریح طبع کے لیے ریختی کو فروغ دیا۔ جس میں عورتوں کی زبان سے اظہار عشق کیا جاتا۔ جس میں عیامانہ پن اور فحش باتوں کے ساتھ ساتھ مزاح کا انداز انتہائی پست ہے۔ جس سے عامیانہ پن جھلکتا نظر آتا ہے۔

مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ ان سب میں سے الگ روش اپناتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہ انسان کو حقائق سے متعارف کراتے ہوئے شاعرانہ مزاح کا انداز اختیار کرتے ہیں۔

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن

دل کے خوش رکھنے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے[23]

وفا کیسی، کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا

تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو[24]

کبھی طنز کے تیر برساتے ہیں کبھی یاس و امید میں مزاح پیدا کرتے نظر آتے ہیں۔

میں نے کہا کہ بزم ناز چاہیے غیر سے تہی

سن کر ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ کیوں[25]

ان کے دیکھے سے جو آ جاتی ہے منہ پر رونق

وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے[26]

ii۔ اودھ پنچ کے زمانے میں:

جنگ آزادی کے بعد جو فضاء پیدا ہوئی جس کی بدولت معاشرہ دو طبقوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک وہ جو پرانی اقدار وروایات کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں اور مغربی اثرات کا مخالف دکھائی دیتا ہے۔ دوسرا وہ جو وقت کے تقاضوں کو مد نظر رکھ کر نئے حالات وواقعات اور مغربی تعلیم وتربیت اور تہذیب کا دلدادہ نظر آتا ہے۔ جس کی بدولت اردو طنز ومزاح میں انگریزی شاعری کے اثرات نظر آنے لگے۔ اس وقت تک ہمارے ادب میں خالص طنز کے برعکس ظرافت کے نمونے شاذونادر ہی تھے۔ جبکہ انگریزی ادب میں خالص طنز کے ساتھ مزاح کی آمیزش کو لازمی سمجھا جاتا تھا جس کی وجہ سے اردو طنزیہ اور مزاحیہ شاعری میں ایک نئی روش کا آغاز ہوا۔ حالی نے سرسید تحریک کے زیر اثر ایک نئے انداز سے مسلمانوں کی زبوں حالی کا رونا رویا۔ جس میں ماضی کی تصویر عبرت کے طور پر پیش کر کے اخلاقی معیار پر زور دے کر طنز کے تیر برسائے تاکہ عبرت حاصل کر سکیں۔ پرانی اور نئی روش کو اختیار کرنے والے دونوں طبقوں کا انداز فکر جذباتی تھا۔ ایسے میں لکھنو سے 1877 میں "اودھ پنچ" کے نام سے جو ادبی پرچہ نکلا اس نے اس جذباتی پن کو توازن میں رکھا۔ جس کی بدولت اودھ پنچ نے نہ صرف مغربی تقلید کرنے والوں کو ہدف بنایا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ معاشرے کے زوال پذیر عناصر کی نشاندہی کر کے ان کا مذاق بھی اڑایا۔ اس طرح ایک توازن کی فضا برقرار رہی۔ اردو شاعری میں طنز ومزاح کے ایسے ماحول نے جنم لیا جس کی آواز عوام تک سنائی دینے لگی۔ غدر سے پیدا ہونے والے گھٹن زدہ ماحول

سے فرار کے بجائے تفریح طبع کے لیے ایسا سازگار ماحول بن گیا۔ جہاں ذاتی تکلیف کی بجائے معاشرے کے زخموں پر مرہم رکھا جا سکے۔

"اودھ پنچ" نے اپنی بذلہ سنجی اور حاضر جوابی کی بدولت ایسی فضا پیدا کی جس کی بدولت اردو شاعری قہقہوں سے گونج اٹھی۔ جس کی بازگشت عرصہ دراز تک سنائی دیتی رہی۔

بقول ڈاکٹر وزیر آغا

> اردو زبان کی طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں "اودھ پنچ" ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے کہ اس کے اجراء سے طنز و مزاح کے ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ اور اسی مقام سے ہماری شاعری میں طنز و مزاح کے نقوش نمایاں طور پر ابھرتے اور اپنی مختلف کیفیتوں میں فضا پر اثر انداز ہوتے نظر آتے ہیں۔ اودھ پنچ" نے اندھا دھند قدامت پرستی اور مغرب کی کورانہ تقلید کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ اور طنز و مزاح کو اپنے اصلی روپ میں نمودار ہونے کی زبردست تحریک دی۔[27]

"اودھ پنچ" کے لکھنے والوں نے سر سید احمد خان اور ان کے رفقاکار کو نشانہ ہدف بنایا جیسے مولانا حالی کے حوالے سے

ابتر ہمارے حملوں سے حالی کا حال ہے
میدان پانی پت کی طرح پائمال ہے[28]

"اودھ پنچ" کے وجود میں آنے کے بعد طنز و مزاح لکھنے والوں کا تانتا باندھ گیا جن میں شوق، برق، پٹینٹ، ٹریڈمارک، مولانا جنوبی، عرش لاابالی اور درجنوں دوسرے شعرا شامل تھے۔ لیکن ان میں سے چار شعراء پنڈٹ ناتھ ہجر، احمد علی شوق، مولوی سید محمد عبد الغفور شہباز اور لسان العصر اکبر آلہ آبادی زیادہ قابل ذکر ہیں۔ بقول فرحانہ منظور:

اودھ پنچ "صرف ایک اخبار کا نام نہ تھا بلکہ یہ ایک تحریک تھی جس سے نہ صرف اردو ادب کو مزاح کی ایک توانا روایت ملی بلکہ اسی اخبار کی وساطت سے اس عہد کی تاریخ بھی مرتب ہوئی [29]

پنڈت ناتھ ہجر نے تحریف نگاری کے ذریعے معاشرے کی برائی کا نقشہ طنز و مزاح کے ذریعے بیان کیا ہے۔ انہوں نے مغربی پیروڈی کی صنف کو اپنی شاعری میں پہلی دفعہ استعمال کیا، یعنی پیروڈی کے جدید تصور کو فروغ دینے میں ہجر کا ہاتھ کارفرما نظر آتا ہے۔

اک مہینے سے چپکے بیٹھے ہیں — واہ کیا واقعہ نگاری ہے
بیٹھے کوئی نہ آکے دفتر میں — نادری حکم اب یہ جاری ہے [30]

ہجر نے ان اشعار کے ذریعے اپنے زمانے کی معاشی اور اقتصادی بدحالی کو تحریف نگاری کے ذریعے نشانہ ہدف بنایا ہے۔

احمد علی شوق نے بھی اپنی طنزیہ اور مزاحیہ شاعری کے ذریعے اپنے عہد کی زوال پذیر معاشرت اور اس کی اقدار و روایات کو طنز کا نشانہ بنایا۔ جیسے اس شعر میں اودھ کے زوال پذیر معاشرے کے نوابوں کے حوالے سے کہا

رہے دو گھڑی دن تو بن ٹھن کے خوب

کرو چوک کی سیر تن تن کے خوب

بٹیر ایک دو ہاتھ میں رہیں

کہ تا کہ لوگ نواب صاحب کہیں[31]

اودھ پنچ کے تیسرے شاعر مولوی سید محمد عبد الغفور شہباز جو اپنی بے ساختگی کی وجہ سے مذہب کو بھی نشانہ طنز بناتے ہیں لیکن اس انداز سے کہ اس میں چھپی نشتریت محسوس نہیں ہوتی۔ یہی ان کی خصوصیت ہے کہ ان کی شاعری میں طنز و مزاح عیا میانہ پن کے حدود کو پار نہیں کرتا۔ ان کی نظم " قانون قسمت "میں یہی انداز نظر آتا ہے۔

شب ہی کو ہے سدا چمکتا چاند

شب ہی کو جگمگاتے کوکب ہیں

کالی رنگت سے تل میں نقطہ زیب

جن سے روئے بتاں مزیب ہیں

زیب دیتا ہے تن پر کالا سوٹ

متفق اس پہ کل مہذب ہیں
پاک کعبے کے کالے کالے غلاف
سرمہ ٔ چشم دین و مذہب ہیں[32]

اکبر الہ آبادی اودھ پنچ کے چوتھے طنز نگار ہیں جو خود ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جن کی شاعری کا عروج انیسویں صدی کا آخر اور بیسویں صدی کے آغاز کا زمانہ ہے۔ جب مغربی تہذیب و تمدن کی یہ یلغار ہمارے معاشرے کی دیواروں کو کھوکھلا کرنے پر لگی ہوئی تھیں۔ اسے میں اکبر آلہ آبادی نے مغرب پرستی کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔

اپنی نظموں، غزلوں اور قطعوں کے ذریعے اس کے خلاف لکھا جیسے

ہم ایسی کل کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں
کہ جن کو پڑھ کے بیٹے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں[33]
اکبر دبے نہیں کسی سلطان کی فوج سے
لیکن شہید ہوگئے بیگم کی نوچ سے[34]

میاں بیوی کے رشتے اور ان کی نوک جھونک کے حوالے سے اکبر الہ آبادی نے اپنی شاعری میں بھرپور طنز کئے۔ بیویاں جو مغربی تہذیب کی تقلید میں مشرقی تہذیب و تمدن کو بھولتی جارہی تھیں جیسے

خدا کے فضل سے بیوی میاں دونوں مہذب ہیں
حجاب ان کو نہیں آتا، انھیں غصہ نہیں آتا[35]
تعلیم کی خرابی سے شوہر پرست بیویاں

پبلک لیڈی بن گئی ہیں[36]

ترقی کی نئی راہیں جو زیر آسماں نکلیں

میاں مسجد سے نکلے اور حرم سے بیویاں نکلیں[37]

اکبر لفظی بازیگری کا استعمال کرتے ہوئے رعایت لفظی، تصرّف، تضمین اور الفاظ کے بگاڑ کے حربے استعمال کرتے ہیں۔ جسے مزاح کی ایک قسم وٹ بذلہ سنجی کہا جاتا ہے جیسے

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بی بیاں

اکبر زمین میں غیرت قومی سے گڑ گیا

پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا

کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا[38]

اکبر نے تصرف کے حربے کو اپنی شاعری میں بھرپور طریقے سے استعمال کیا جیسے

آ عندلیب مل کے کریں آہ وزاریاں

تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے قوم[39]

اس میں ایک لفظ " قوم " کے تصرف سے اکبر نے کیسا بھرپور طنز کا وار کیا ہے۔" آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے قوم "۔ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں۔

ویسے لفظی تصرّف کی اس قسم کی مثالیں جنہیں پیروڈی یا تحریف کے زمرے میں جگہ دینی چاہیے بجائے خود اکبر کی شاعری کا طرہ امتیاز ہیں کہ اکبر سرشار کی طرح نہ صرف پیروڈی

کے اولین علم برداروں میں سے ہیں بلکہ ان کی تحریف خالص ہونے کی وجہ سے پیروڈی کی صحیح تصور سے بہت قریب بھی ہے۔[40]

طنزیہ و مزاحیہ کلام میں اسلوب کے سہارے کے ساتھ ساتھ رعایت لفظی، تصرف، تحریف، محاورہ اور انگریزی الفاظ کا استعمال بھی کیا جو ان کے لیے ممد و معاون ثابت ہوا۔ بعض اشعار ایسے ہیں جہاں اسلوب پس منظر میں ہے، لیکن خیالات کی ندرت اشعار میں نظر آتی ہے۔ جیسے ماں باپ انگریزی روایات کو اپنائے ہوئے ہیں ان کے بچوں میں مشرقی روایات کو تلاش کرنا عبث ہے۔ جیسے

طفل سے بو آئے کیا ماں باپ کے اطوار کی

دودھ تو ڈبے کا ہے تعلیم ہے سرکار کی[41]

اس طرح نئی تعلیم لڑکیوں کو کس بے راہ روی کی طرف لے کر جا رہی ہے۔

تعلیم دختراں سے یہ امید ہے ضرور

ناچے دُلھن خوشی سے خود اپنی برات میں[42]

ان سے بی بی نے فقط سکول ہی کی بات کی

یہ نہ بتلایا کہاں رکھی ہے روٹی رات کی[43]

اکبر نے سر سید تحریک کا حصہ بننے کی بجائے مغربی رجحانات کے ریلے کو اپنے طنز و مزاح کے ذریعے روکنے کی کوشش کی۔ جس میں وہ کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ انہوں نے اپنے طنز کے ذریعے تعمیری کام سر انجام

دیا۔ بلکہ وقت کی نزاکت کو مد نظر رکھتے ہوئے سیاسی میدان کی بجائے سماجی اور ہنگامی واقعات پر طبع آزمائی کر کے مغربی سیلاب کو کسی حد تک روکنے میں بھی کامیاب ہوئے۔

مولانا شبلی اور ظفر علی خان نے بھی اکبر کی طرح صرف ہنگامی واقعات کو ہی اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ اور طنزیہ لہجے میں اظہار خیال کیا۔

ظریف لکھنوی جن کا تعلق اودھ پنچ کے دوسرے دور سے ہے۔ انہوں نے اکبر کی تتبع میں ان سماجی اور غیر سماجی رجحانات کو بے نقاب کیا جو اس زوال پذیر معاشرے میں پس پشت زندہ دکھائی دے رہی تھیں۔ مثلاً ان کی نظمیں "سیاحت ظریف"، "شہر آشوب" اور الیکشن" جو کسی خاص واقعے کی بجائے ان سماجی ناہمواریوں کو بے نقاب کرتی نظر آتی ہیں۔ جو معاشرے میں جڑ پکڑ رہی تھیں۔

علامہ اقبال نے بھی اکبر کی تقلید میں طنز و ظرافت کو اپنی شاعری میں جگہ دی لیکن ظرافت ان کی شاعری میں انتہائی لطیف انداز میں ضم ہوتی نظر آتی ہے۔ جس کی وجہ سے ان کی شاعری میں سنجیدگی اور ظرافت کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ جس کی بدولت زیر لب تبسم کی سی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ جس میں نشتریت ہونے کے باوجود شدید رد عمل نہیں ہوتا، جیسے ان کی نظمیں "نصیحت"، "ملا اور بہشت" میں ان کی مخاطب قوم ہے۔

پیار اور محبت سے طنز کا وار کرتے ہیں۔ اقبال کا ایک انداز ظرافت اللہ تعالی سے بڑی بے باکی کے ساتھ مخاطب ہونا ہے۔ جس میں طنز کے نشتر بھی چبھوتے چلے جاتے ہیں اور کائنات کے رموز کے نشیب و فراز کو بھی بیان کرتے ہیں۔

اگر کج رو ہیں انجم آسماں تیرا ہے یا میرا؟

مجھے فکر جہاں کیوں ہو جہاں تیرا ہے یا میرا؟

اگر ہنگامہ ہائے شوق سے ہے لامکاں خالی

خطا کس کی ہے یارب لامکاں تیرا ہے یا میرا؟

محمد بھی تیرا جبریل بھی قرآن بھی تیرا

مگر یہ حرف شیریں ترجماں تیرا ہے یا میرا؟

اسی کوکب کی تابانی سے ہے تیرا جہاں روشن

زوال آدم خاکی زیاں تیرا ہے یا میرا؟[44]

اقبال کا یہ انداز جو زیر لب تبسم کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ قطعاً اقبال کا انداز ہے۔ اقبال اپنی تہذیب و تمدن کو مغربی تہذیب کی بدولت کھوکھلا ہوتے دیکھتے ہیں تو طنز کے تیر برساتے ہوئے کہتے ہیں۔

میخانہ یورپ کے دستور نرالے ہیں

لاتے ہیں سرور اول دیتے ہیں شراب آخر[45]

علامہ اقبال کے ساتھ ساتھ جوش ملیح آبادی بھی اپنے جوشیلے انداز میں طنز کے نشتر چلاتے نظر آتے ہیں۔ اقبال کی سی گہرائی نہیں ان کے طنز میں لیکن کبھی زاہد اور ملا کے ساتھ، کبھی معاشرتی ناہمواریوں اور انسانی مسائل کو موضوع سخن بناتے ہیں۔

زہد وہ معرفت دکھادے مجھ کو

یہ کس نے کہا ہے کہ سزا دے مجھ کو

کافر ہوں ہوئی یہ تو مرض کی تشخیص

اب اس کا علاج بھی بتادے مجھ کو[46]

اکبر اور جوش ملیح آبادی کے بعد بعض شعرا کے ہاں طنز و مزاح کے نمونے ملتے ہیں۔ لیکن اس میں عامیانہ پن اور پھکڑ کی آمیزش زیادہ دکھائی دیتی ہے۔

iii۔ اودھ پنچ کے بعد جدید شاعری:

دوسری جنگ عظیم اور تقسیم ہند کے بعد نئے رجحانات اور خیالات نے اردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں جگہ لی۔ سیاسی، سماجی، اقتصادی اور اخلاقی بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ شاعری میں نئے نئے خیالات اور رجحانات نے جنم لیا۔

شاعری میں نئے موضوعات آنا شروع ہو گئے۔ جس کا اثر طنزیہ اور مزاحیہ شاعری پر بھی پڑا۔ اس طرح تین رو ابھرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اودھ پنچ کے شعراء مغرب کے ان اثرات پر طنز کرتے نظر آتے تھے۔ جن کی ہمارے معاشرے میں اندھا دھند تقلید کی جارہی تھی لیکن جدید دور کے شعرا نے مغرب کے ساتھ ساتھ مشرقی معاشرے کی سلگتی ہوئی رگ اور سلگتے ہوئے موضوعات کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ جس میں شاد عارفی، راجہ محمد مہدی علی خاں اور سید ضمیر جعفری جیسے شعراء شامل ہیں۔

شاد عارفی نے سماج کی بنیادی اکائی گھر اور اس سے منسلک رشتوں کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ ساس اور بہو، خاوند اور بیوی اور دیگر رشتہ داروں کی چپقلش ان کی شاعری میں طنز کا نشانہ بنتی نظر آتی ہے۔ جس میں شاد عارفی کی نظم "ساس اور بہو"

راجہ محمد مہدی علی خان سماج میں پائی جانے والی ان رسومات کو مضحکہ خیز انداز میں پیش کرتے نظر آتے ہیں۔ جس کے ذریعے وہ معاشرے کی برائیوں کو طشت از بام کرتے ہیں۔ جیسے ان کی نظم "ایک چہلم پر" جس میں

بڑی بی کے کردار کے ذریعے معاشرتی برائیوں پر طنز کرتے ہیں کہ کس طرح فوتگی والے گھر میں بیوہ سے ہمدردی کا اظہار کیا جاتا ہے ساتھ ساتھ کھانے میں عیب نکالنے جاتے ہیں جیسے

پڑا ہے پلاؤ میں گھی ڈالڈے کا
خدا تو ہی حافظ ہے میرے گلے کا
دُلھن سے کہو آہ! اتنا نہ روئے
بیچاری نہ بیکار میں جان کھوئے
اری بوٹیاں تین سالن میں تیرے
یہ چھیچھڑا لکھا تھا مقدر میں میرے
دُلھن گھر میں چورن اگر ہو تو لانا
نہیں تو ذرا کھاری بوتل منگانا
نہ کر بین اتنے نہ رو اتنا پیاری
ہمارے کلیجے پہ چلتی ہے آری![47]

دلاسہ بھی دیے جا رہی ہیں اور کھانے میں نقص بھی نکالی جا رہی ہیں۔ جس پر بے اختیار ہنسی آجاتی ہے۔

سید ضمیر جعفری نے "عورتوں کی اسمبلی اور وزارت" میں بظاہر اسمبلی کا نقشہ کھینچا ہے لیکن درپردہ عورتوں کی نفسیات بیان کی ہے وہاں پر بھی یہی ہوتا ہے۔

سہیلیوں میں گوٹے کناری کی باتیں
بہو کی کفایت شعاری کی باتیں

پڑوسن کی پرہیزگاری کی باتیں

غرض ہر بیاہی کنواری کی باتیں[48]

ساس بہویں یہاں پر بھی ہوں ان کا پسندیدہ ترین موضوع اپنی ساس یا بہو کی برائیاں بیان کرنا ہوتا ہے۔

دوسری رَو جنہوں نے آزادی کے بعد ہجرت، الائمنٹ کے قصے، اقتصادی بدحالی، ووٹ، رشوت ستانی، پگڑی، لیڈر، ٹریفک، چور بازاری اور سیاسی زندگی میں جو بہت بڑی تبدیلیاں آئیں ان کو اپنی شاعری میں نشانہ ہدف بنایا۔ ایسے ہی جیسے اکبر الٰہ آبادی نے سرسید تحریک کو، لڑکیوں کی تعلیم اور بے پردگی کو، کبھی میک اپ، کالج اور اسکول کی تعلیم کو تختہ مشق بنایا بالکل اسی طرح مجید لاہوری، سید ضمیر جعفری، ظریف جبل پوری اور حاجی لق لق نے بدلتے ہوئے تناظر کو طنز و مزاح کے آئینے میں پیش کیا ہے۔

مجید لاہوری کا "ماڈرن آدمی نامہ"

وہ بھی ہے آدمی جسے کوٹھی ہوئی الاٹ
وہ بھی ہے آدمی کہ ملا جس کو گھر نہ گھاٹ
وہ بھی ہے آدمی جو بیٹھا ہے بن کے لاٹ
وہ بھی ہے آدمی جو اٹھائے ہے سر پہ کھاٹ
موٹر میں جا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
رکشہ چلا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی[49]

مجید لاہوری کے متعلق محمد طفیل نے طنز و مزاح کے حوالے سے بالکل ٹھیک کہا ہے۔

وہ مزاح کو شیر و شکر کر کے ملک کے ہنگامی واقعات اور معاشرے کے بعض نئے اور غیر صحت مندانہ رجحانات کو ہدف بناتے ہیں۔ اور بھرپور وار کرتے ہیں۔ تحریف وتصرّف کے حربے سے بھی کام لیتے ہیں لیکن اُن کے پاس موضوعات اور مواد کی کمی نہیں۔[50]

ضمیر جعفری کی نظم "دبائے الائٹمنٹ"

چہرے پہ میرے یار کے تازہ نکھار دیکھ　　روشنی کی چھوٹ ہے مونچھوں کے پار دیکھ

موٹر پہ اڑ رہا ہے وہ تلّا کمہار دیکھ　　"ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ"

اے مرحبا یہ حسن ادائے الاٹمنٹ[51]

سید محمد جعفری کی نظم "یو-این-او"

کتنا اچھا فیصلہ کرتا رہا کشمیر کا

کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا[52]

طنزیہ اور مزاحیہ شاعری کی دورِ جدید کی تیسری رَو تصویری مناظر کی شکل میں ابھری۔ جس میں تصویری نقشے کے ذریعے کسی کو بھی نشانہ بنائے بغیر جو حقیقت بیان کی جاتی ہے۔ درپردہ اس کے پیچھے وہ طنز کارفرما ہے۔ جس کی شدت کو محسوس کیا جاسکتا ہے۔

راجہ مہدی علی خاں کی نظم جس میں شوہر دیر سے گھر آتا ہے اور پھر بیگم پر چلانا شروع کر دیتا ہے اس کے کاموں میں نقص نکالتا ہے لیکن کام بھی اسی سے کرواتا ہے اور جلی کٹی سناتا ہے۔

خدا کے واسطے کھولو بھی آ کے دروازہ

میں کتنی دیر سے باہر کھڑا ہوں چیخ رہا

الٰہی کون یہ پانی کا دے گا اتنا بل

خدا کے واسطے کرنل کو بند اے کاہل

چپاتیاں مرے اللہ سب کی سب کچی

تمام عمر ہی شاید رہو گی تم بچی

نمک کی کان الٹ دی تھی آج سالن میں

اٹھا پیالہ پٹخ دے یہ جا کے آنگن میں

بس اٹھ بھی اب کوئی ایسا برا تو حال نہیں

یہ مجھ غریب کا گھر ہے یہ ہسپتال نہیں[53]

اس طرح مخمور جالندھری نے بھی سماج کی عورتوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کی تصویر کشی کی ہے کہ رشتہ دیکھنے والوں کے سامنے کس طرح لڑکی کو بنا سجا کر پیش کیا جاتا ہے۔ درپردہ سوسائٹی کی اس تلخ حقیقت کو سفاکی کے ساتھ طنز کے پیرائے میں بیان کرتے ہیں۔

جدید شاعری کی ایک اور رَو پیروڈی یا تحریف کی صورت میں دکھائی دیتی ہے جیسے اکبر الہ آبادی نے اپنی شاعری میں رواج دیا۔ لمبے عرصے تک اس کو شاعری میں استعمال نہیں کیا گیا لیکن عاشق محمد، سید محمد جعفری، مجید لاہوری اور فرقت کاکوروی اس سلسلے میں نمایاں شعراء ہیں۔ جنہوں نے اس صنف کو لفظوں کی ہیر پھیر سے ماحول میں دوبارہ سے ارتعاش پیدا کیا۔

محمد عاشق نے اقبال کی نظم "ہمدردی" میراجی کی نظم "ناگ سبھا کا ناچ" اور "سلمیٰ" صادق قریشی کی نظم کی تحریف "کتا" کی شکل میں کی ہے۔

"سلمیٰ" صادق قریشی

سلمیٰ شرم و حیا کی دیوی
پیکر اک اخلاص و وفا کا
جانے کب چپکے سے سلمیٰ
آ گئی سب کی آنکھ بچا کر[54]

"کتا" محمد عاشق

کتا شرم و حیا سے عاری
پیکر تھا اک حرص و ہوا کا
جانے کب چپکے سے کتا
آ گیا سب کی آنکھ بچا کر[55]

سید محمد جعفری بھی جدید دور کے اہم تحریف نگار میں شمار ہوتے ہیں۔ اقبال کی نظم" شکوہ" کی تحریف" وزیروں کی نماز" کی کی صورت میں کی۔ جس میں موجودہ زمانے کے وزیروں کے انداز بیاں پر طنز کیا ہے کہ کس طرح وہ خود غرضی کا لبادہ اوڑھے ہوئے عوام کو لوٹتے ہیں۔

سیّد محمد جعفری معاشرے کے چبھتے ہوئے ناسور کو اپنی ظریفانہ شاعری کے ذریعے نشانہ بناتے ہیں۔ سرفراز شاہدنے اُن کے حوالے سے بالکل صحیح کہاہے۔

اُن کا مزاح برائے مزاح نہیں بلکہ ان کے ہر شعر کے پیچھے کوئی نہ کوئی مقصد کار فرما نظر آتا ہے۔ ہنسی ہنسی میں حکمت کی باتیں کہہ جاتے ہیں لیکن بذلہ سنجی کو کبھی مسخرگی بننے کی اجازت نہیں دیتے۔[56]

اس سلسلے میں سیّد محمد جعفری کی نظم "وزیروں کی نماز" ملاحظہ ہو۔

عطر میں ریشمی رومال بسایا ہم نے
ساتھ لائے تھے مصلے دو بچایا ہم نے
دور سے چہرہ وزیروں کو دکھایا ہم نے
ہر بڑے شخص کو سینے سے لگایا ہم نے
پھر بھی ہم سے یہ گلہ ہے کہ وفادار نہیں
کون کہتا ہے کہ ہم لائق دربار نہیں![57]

"پھر بھی ہم سے یہ گلہ ہے کہ وفادار نہیں" تضمین کی صورت میں اقبال کی" شکوہ" ذہن میں گھوم جاتی ہے۔ جس میں اقبال اللہ تعالی سے شکوہ کرتے ہیں۔

مجید لاہوری نے بھی تضمین اور تحریف کو اپنی شاعری میں استعمال کیا۔ حفیظ جالندھری کی نظم "میر اسلام لے جا" علامہ اقبال کی نظم " فرمان خداوندی" اور حفیظ جالندھری کے قومی ترانے پر لکھی گئی تحریفیں زبان زد عام ہیں۔

فرقت کاکوروی نے بھی اس میدان میں طبع آزمائی کی ہے جیسے انھوں نے عبدالمجید بھٹی کی نظم "سادہ سوال" کی تحریف "ٹیڑھا سوال"، میراجی کی نظم "محرومی" کی تحریف "مظلومی" کی شکل میں کی ہے۔

اسی طرح خضر تمیمی، ہری چند اختر، شوکت تھانوی اور چراغ حسن حسرت بھی تحریف نگاری کی صنف کو استعمال کرتے نظر آتے ہیں۔

مجموعی حوالے سے دیکھا جائے تو آزادی سے پہلے جو طنزیہ ومزاحیہ شاعری کی جارہی تھی جس میں شعراء کرام معاشرے میں پائی جانے والی شکست وریخت سے ناامیدی اور قنوطیت کا شکار دکھائی دے رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ شاعری میں فرار کی راہ اختیار کرتے ہوئے اس زمانے میں زاہد سے چھیڑ چھاڑ، ہجو، ریختی اور معاصرانہ چشمک جیسے موضوعات کو زیادہ موضوع سخن بناتے ہیں۔

اس سلسلے میں اودھ پنچ رسالہ بھی طنز و مزاح لکھنے والوں کی زندگی میں سنگ میل کی حثیت رکھتا ہے، جس میں لکھنے والوں نے نہ صرف مغربی تقلید کرنے والوں کو نشانہ ہدف بنایا بلکہ معاشرے میں پائے جانے والے زوال پذیر عناصر کی نشاندہی کرکے ان کو پنی شاعری کا موضوع بنایا۔ اکبر الہ آبادی اس زمانے میں طنز و مزاح لکھنے والوں میں سب سے نمایاں دکھائی دیتے ہیں کیونکہ انہوں نے سرسید تحریک کے رفقائے کار کو اپنے طنز کا نشانہ

بنایا۔ اکبر آلہ آبادی کے ہاں عورت اور میاں بیوی کے درمیان مغربی رجحانات اور اس سے پیدا ہونے والے ہیجان کا تذکرہ بھی مضحکہ خیز انداز میں دکھائی دیا ہے۔ جس کو اکبر الہ آبادی نے طنز وظرافت کے ذریعے روکنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

میاں بیوی اور بچوں کی تعلیم وتربیت جیسے موضوعات اکبر الہ آبادی کی شاعری میں پروان چڑھتے نظر آتے ہیں۔ اکبر الہ آبادی کے علاوہ شبلی، حالی، مولانا ظفر علی خان اور علامہ اقبال کے ہاں بھی سنجیدگی کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی طنزیہ ومزاحیہ شاعری پنپتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ جس میں سنجیدگی اور ظرافت کا امتزاج نظر آتا ہے۔ جوش ملیح آبادی بھی جوشیلے انداز میں طنز کے نشتر چبھوتے دکھائی دیتے ہیں۔

ان تمام شعراء کے ہاں معاشرے میں پائی جانے والی خرابیوں کو کبھی مزاح اور کبھی طنز کے دھارے میں بیان کرنے کا عنصر غالب ہے۔ جس کے لیے وہ طنز ومزاح کے مختلف حربوں کی بدولت اپنی بزم کو سجاتے نظر آتے ہیں۔ لیکن ازدواجی زندگی سے منسلک رشتوں کے حوالے سے طنزیہ مزاحیہ شاعری کے آثار ہمیں اکبر الہ آبادی کی شاعری میں زیادہ دکھائی دیتے ہیں۔ جو ان کا ہی طرۂ امتیاز ہے۔

اودھ پنچ رسالے کے بعد جو طنزیہ ومزاحیہ شاعری وجود میں آئی۔ اس میں دیگر موضوعات کے ساتھ ساتھ پاکستان بننے کے بعد جس طرح سیاسی، سماجی اور معاشرتی عناصر ظہور پذیر ہوئے ان کا عکس ہماری شاعری میں نظر آیا۔ گھر جو ایک بنیادی اکائی ہوتا ہے اس کو بنانے اور سنوارنے میں بیوی کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ گھر اور اس کے رشتوں کے درمیان میں ہونے والی ان بن اور چپقلش کو شعراء کرام نے اپنی شاعری میں برتا ہے۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو مرد حضرات نے زیادہ تر عورتوں کے حوالے سے تحریر کیا ہے۔ جو کسی مرد کی زندگی میں اہم کردار ادا کرتی ہیں جیسے بیوی، ساس، نند، محبوبہ، ماں وغیرہ کے مختلف روپ دکھا کر طنزیہ

ومزاحیہ انداز میں ان کے چہروں سے نقاب اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ جس میں سید ضمیر جعفری، سید محمد جعفری، راجہ محمد مہدی علی خان، شار عارفی، مجید لاہوری، حاجی لق لق، فرقت کاکوردی وغیرہ نے اپنے اسلوب اور مزاح کی چاشنی کی بدولت قارئین کی توجہ اپنی جانب مبذول کروائی ہے۔

اس کے لئے وہ طنز و مزاح کے مختلف حربے استعمال کر کے ہم سب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیرنے کا باعث بنے ہیں۔ جس کے لئے کبھی وہ تحریف نگاری کبھی تضمین کبھی تصویری منظر کشی کے ذریعے میاں بیوی اور ان سے جڑے ہوئے رشتوں کی رنجش کو طشت از بام کرتے ہیں۔ جس کی بدولت انھوں نے پڑھنے والے کو اس بات پر مجبور کیا ہے کہ کس طرح سیاسی، سماجی اور معاشرتی حالات وواقعات نے ہمارے گھروں خاص طور پر میاں بیوی اور ان کے زیر اثر وجود میں آنے والے رشتوں میں وقت کے ساتھ ساتھ کیسے اتار چڑھاؤ پیدا ہوا ہے جس کو ہمارے شعراء کرام نے صفحہ قرطاس پر منتقل کرنے کی کوشش کی ہے۔ جس میں وہ بڑی حد تک سر خرو بھی ہوئے ہیں۔

لیکن اس میں ایک ادھورے پن کا احساس بھی محسوس ہوتا ہے۔ کیونکہ شعراء نے خواتین کے بیان میں یک طرفہ رائے کا رویہ اختیار کیا ہے۔ تصویر کا صرف ایک رخ ہی دکھانے کی کوشش کی ہے۔ یعنی مرد کو مظلوم اور عورت کو ظالم۔ اس کی بنیادی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ طنز ومزاح لکھنے والے زیادہ تر مرد حضرات ہی ہیں۔ خواتین اس میں شاذو نادر ہی طبع آزمائی کرتی نظر آتی ہیں۔ جس کی وجہ سے تصویر کا صحیح رخ ہمارے سامنے نظر نہیں آتا۔ اس لیے تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ اظہر للغّات جامع اُردو، مرتبہ: الحاج محمد امین بھٹی، اظہر پبلشرز، لاہور، ص1020

۲۔ Stephen Leacock – Humour & Humanity p.11

۳۔ روف پاریکھ،ڈاکٹر، اردو نثر میں مزاح نگاری کا سیاسی اور سماجی پسِ منظر، انجمن ترقی اردو، کراچی، س۔ن۔ ص12

۴۔ اظہر للغات جامع اُردو، مرتبہ: الحاج محمد امین بھٹی، اظہر پبلشرز، لاہور، ص73

۵۔ روف پاریکھ،ڈاکٹر، اردو نثر میں مزاح نگاری کا سیاسی اور سماجی پسِ منظر، انجمن ترقی اردو، کراچی، س۔ن۔ ص14

۶۔ مشتاق احمد یوسفی، نیلا پتھر مشمولہ: (دیباچہ)، مشمولہ: چراغ تلے، دانیال پبلشرز، اشاعت نہم، دسمبر1994، ص15۔14

۷۔ احتشام حسین، پروفیسر، تنقید اور عملی تنقید، دہلی،1952، ص38

۸۔ رشید احمد صدیقی، پروفیسر، اودھ پنچ کے نورتن (مضمون)، مطبوعہ: علی گڑھ میگزین، مارچ1944، ص24

۹۔ اشفاق احمد ورک،ڈاکٹر، اردو نثر میں طنز و مزاح، بیت الحکمت، لاہور،2004، ص33

10۔ وزیر آغا،ڈاکٹر، اردو ادب میں طنز و مزاح، مکتبہ عالیہ، اردو، اشاعت نہم،1999، ص43۔42

11۔ افضل جاوید، پیروڈی۔ اردو میں پیروڈی، اردو شاعری کا فنّی ارتقا نمبر، نگار، سالنامہ، ایجوکیشنل پریس کراچی،1989، ص384

12۔ ولی دکنی، کلیات ولی، (مرتبہ) نور الحسن ہاشمی،ڈاکٹر، نصرت پبلشرز، لکھنو1982، ص101

13۔ میر تقی میر، کلیات میر ،(مرتبہ) کلب علی خان فائق، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اوّل، 1976، ص102

14۔ مرزاسودا، کلیات سودا،(مرتبہ) محمد شمس الدین صدیقی، ڈاکٹر، مجلس ترقی ادب لاہور، طبع اوّل، جنوری 1973، ص125

15۔ میر مہدی مجروح، مشمولہ اردو ادب میں طنز و مزاح، ص69

16۔ اسد اللہ خان غالب، دیوان غالب، (مرتب) رخسانہ نکہت، مکتبہ عالیہ لاہور، بار دوم 1995، ص45

17۔ مرزاسودا، کلیات سودا،(مرتبہ) محمد شمس الدین صدیقی، ڈاکٹر، مجلس ترقی ادب لاہور، طبع اوّل، جنوری 1973، ص307

18۔ نظیر اکبر الہ آبادی، کلیات نظیر، عبداللہ اکیڈمی، لاہور 2012، ص116

19۔ میر تقی میر، ہجویات میر، (مرتبہ) احمد جمال پاشا، شاہی پریس، لکھنو، 1967، ص45

20۔ نظیر اکبر الہ آبادی، کلیات نظیر، عبداللہ اکیڈمی، لاہور 2012، ص540

21۔ نظیر اکبر الہ آبادی، کلیات نظیر، عبداللہ اکیڈمی، لاہور 2012، ص659

22۔ نظیر اکبر الہ آبادی، کلیات نظیر، عبداللہ اکیڈمی، لاہور 2012، ص648

23۔ اسد اللہ خان غالب، دیوان غالب، ص85

24۔ اسد اللہ خان غالب، دیوان غالب، ص64

25۔ اسد اللہ خان غالب، دیوان غالب، ص58

26۔ اسد اللہ خان غالب، دیوان غالب، ص85

27۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، اردو ادب میں طنز و مزاح، ص63

28۔ اکبر الہ آبادی، کلیات اکبر، بزم اکبر، کراچی، جلد اوّل، یکم جولائی 1951، ص15

29۔ فرحانہ منظور، اردو پیروڈی اور اودھ پنچ:۔ ایک تحقیقی مطالعہ، مشمولہ: دریافت، شمارہ۔ نو، جنوری 2010، ص448

30۔ پنڈت تربھون ناتھ ہجر، مشمولہ: اردو ادب میں طنز و مزاح، وزیر آغا، ڈاکٹر، ص97

31۔ احمد شوق، نظم، مشمولہ: اردو ادب میں طنز و مزاح، ص97

32۔ محمد عبد الغفور شہباز، سید، نظم، مشمولہ: اردو ادب میں طنز و مزاح، ص98

33۔ اکبر الہ آبادی، کلیات اکبر، بزم اکبر، کراچی، جلد اوّل، یکم جولائی 1951، ص438

34۔ اکبر الہ آبادی، کلیات اکبر، بزم اکبر، کراچی، جلد اوّل، یکم جولائی 1951، ص107

35۔ اکبر الہ آبادی، کلیات اکبر، بزم اکبر، کراچی، جلد دوم، جلد سوم، 1952، ص187

36۔ اکبر الہ آبادی، کلیات اکبر، بزم اکبر، کراچی، جلد دوم، جلد سوم،1952، ص391

37۔ اکبر الہ آبادی، کلیات اکبر، بزم اکبر، کراچی، جلد دوم، جلد سوم،1952، ص380

38۔ اکبر الہ آبادی، کلیات اکبر، بزم اکبر، کراچی، جلد اوّل، یکم جولائی 1951، ص237

39۔ اکبر الہ آبادی، کلیات اکبر، بزم اکبر، کراچی، جلد اوّل، یکم جولائی 1951، ص410

40۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، اردو ادب میں طنز و مزاح، ص102۔101

41۔ اکبر الہ آبادی، کلیات اکبر، بزم اکبر، کراچی، جلد اوّل، یکم جولائی 1951، ص398

42۔ اکبر الہ آبادی، کلیات اکبر، بزم اکبر، کراچی، جلد دوم، جلد سوم،1952، ص242

43۔ اکبر الہ آبادی، کلیات اکبر، بزم اکبر، کراچی، جلد دوم، جلد سوم،1952، ص108

44۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، اشاعت دوم،1994، ص346

45۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، اشاعت دوم،1994، ص382

46۔ جوش ملیح آبادی، شعلہ و شبنم، مکتبہ جامعہ دہلی، 1936، ص50

47۔ محمد مہدی علی خان، راجہ، انداز بیان اور، حمایت اسلام پریس، لاہور، طبع اوّل، 1962، ص 162-161

48۔ ضمیر جعفری، سید، نشاط تماشا، فکاہی کلیات، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، 1993، ص130

49۔ مجید لاہوری، اردو کے چار مزاحیہ شاعر (مرتبہ) احمد جمال پاشا مکتبہ دین و ادب، لکھنو، 1965، ص162

50۔ محمد طفیل، نقوش، طنز و مزاح نمبر 72، 71، ادارہ فروغِ اُردو، لاہور، جنوری، فروری، 1959، ص816

51۔ ضمیر جعفری، سید، ناط تماشا، فکاہی کلیات، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، 1993، ص65

52۔ محمد جعفری، سید، شوخی تحریر، مکتبہ دانیال، کراچی، 1985، ص61

53۔ محمد مہدی علی خان، راجہ، انداز بیان اور، ص 91-92

54۔ صادق قریشی، نظم، مشمولہ: اردو ادب میں طنز و مزاح، وزیر آغا، ڈاکٹر، ص135

55۔ محمد عاشق، نظم، مشمولہ: اردو ادب میں طنز و مزاح، ص136

56۔ سرفراز شاہد، اردو کی مزاحیہ شاعری، اکادمی ادبیاتِ پاکستان، اسلام آباد، 2007، ص97

57۔ محمد جعفری، سید، کلیات سید محمد جعفری، سنگ میل پبلیکیشنز، س۔ن۔ ص 133

باب دوم:

اردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں ازدواجی زندگی کی عکاسی

(معاشی و معاشرتی تناظر میں)

الف: اردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری کا معاشرتی و معاشی تناظر میں جائزہ:

نوزائیدہ ملک کو ابتداء ہی میں معاشی، سیاسی، سماجی اور معاشرتی حوالے سے انتہائی مشکلات سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ جس خواب کی تکمیل قائد اعظم نے پاکستان کی صورت میں ہمیں دی۔ وہ خواب پاکستان بننے کی صورت میں تو پورا ہو گیا لیکن ہم شاید یہ سوچ بیٹھے تھے کہ جادو کی چھڑی کی طرح ہمارے تمام مسائل بھی ختم ہو جائیں گے اور ہم ایک ایسے ملک میں سانس لیں گے۔ یہاں جاگیر دارانہ نظام، تمام معاشی ناہمواریاں، طبقاتی کشمکش اور سماجی اور معاشرتی ناانصافیاں ناپید ہو چکی ہو گئیں لیکن اس کی بدولت ہمارے ادب میں لکھنے والوں کے لیے نئے موضوعات اور رجحانات نے فروغ دیا۔ جس کی بدولت اردو طنز و مزاح لکھنے والوں کو نئے موضوعات ملے کیونکہ ادب کا تعلق براہِ راست معاشرے سے ہوتا ہے اور لکھنے والا اِسی معاشرے سے اپنے موضوعات لیتا ہے۔

تقسیم پاکستان کے بعد جو معاشرتی، سیاسی اور معاشی حالات و واقعات تھے۔ جس کی وجہ سے ہر شخص پریشانی میں مبتلا تھا۔ چاہے وہ سنجیدہ نثر یا شاعری کرنے والا ہو یا مزاحیہ نثر اور شاعری تخلیق کرنے والا ہو۔ انہوں نے اظہار کے لیے جو ذرائع استعمال کیے۔ اس میں رہی سہی کسر مارشل لاء نے پوری کر دی۔ جس کی بدولت لکھنے والوں پر جب پابندی لگی تو اظہار کے لیے علامت نگاری کے ذریعے کو فروغ دیا لیکن شعراء کرام نے مزاح کی بجائے طنز کے پیرائے میں بات کی اور علامت کی بجائے طنز کے نشتر چلائے۔

معاشرتی ناہمواریوں اور معاشی لوٹ مار کا بازار اپنے عروج پر تھا۔ جس کی وجہ سے ہمارے شعراء کرام نے ان معاشرتی ناہمواریوں کو اپنے طنز کا نشانہ بنایا۔ بقول ڈاکٹر وزیر آغا

> جہاں لپ اسٹک پاؤڈر، بے پردگی، ڈارون کا نظریہ، اسکول اور کالج کے معاملات پر ہنسی کو تحریک ملتی تھی وہاں آج الاٹمنٹ، رمضان، لیڈر، پگڑی، ایٹم بم، سیفٹی ایکٹ، چور بازاری، ووٹ، ٹریفک اور رشوت ستانی کو ہدف بنایا جارہا۔[1]

جس کے دیکھتے دیکھتے طنز و مزاح لکھنے والے شعراء کا لہجہ بھی تُند و تیز ہو تا گیا۔ ان کے لہجے میں برہمی اور تلخی دَر آئی۔ انھوں نے اپنی شاعری میں طنز اور برہمی کا اظہار اپنے اشعار کے ذریعے کیا۔ جس میں ان گونا گوں معاشرتی ناہمواریوں اور معاشی مسائل کو طنز کے لبادے میں بیان کیا۔

ہجرت کے نتیجے میں بے شمار معاشی، معاشرتی اور سماجی مسائل ابھر کر سامنے آئے۔ ہجرت کے نتیجے میں پیدا ہونے والے معاشی مسائل نے عوام کا جینا دو بھر کر دیا۔ زمینوں اور مکانوں کی الاٹمنٹ کے چکر شروع ہوئے۔ رشوت ستانی، ملاوٹ اور مہنگائی کا جن بے قابو ہو گیا۔ ذخیرہ اندوزی کی بدولت اشیائے خورد و نوش میں ہوشربّا اضافہ ہوا۔ مہنگائی کی بدولت چیزوں کی مصنوئی قلّت کی گئی جس سے قیمتوں میں بے تحاشا اضافہ ہوا۔ ان تمام محرکات کو شعراء نے کبھی مزاحیہ اور کبھی طنزیہ لب و لہجہ استعمال کرتے ہوئے اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔

اولاد جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انمول تحفہ ہے۔ معاشی اور معاشرتی مسائل کی بدولت اس نعمت کو بھی اپنے لیے زحمت سمجھنے لگے کیونکہ معاشی طور پر وہ اولاد کی پرورش نہیں کر سکتے تھے۔ اسی موضوع پر اس زمانے کے تمام شعراء نے طبقہ آزمائی کی۔ اس سلسلے میں دلاور فگار کی مزاحیہ نظم "اولاد پرمٹ" شوکت تھانوی کی نظم "اے میرے بچے، مرے لختِ جگر پیدا نہ ہو" جس میں معاشی مسائل کی بدولت بچوں کی پیدائش کو طنز و تضحیک کا نشانہ بنایا گیا ہے ملاحظہ ہو۔

اے میرے بچے میرے لختِ جگر پیدا نہ ہو
یاد رکھ پچھتائے گا تو میرے گھر پیدا نہ ہو

تجھ کو پیدائش کا حق تو ہے مگر پیدا نہ ہو
میں تیرا احسان مانوں گا اگر پیدا نہ ہو
اے میرے بچے میرے لخت جگر پیدا نہ ہو
یوں بھی تیرے بہن بھائیوں کی ہے گھر میں ریل پیل
بلبلاتے پھر رہے ہیں ہر طرف جو بے نکیل
میرے گھر کے ان چراغوں کو سیر کب ہے تیل
بجھ کے رہ جائے گا تو بھی بھول کے پیدا نہ ہو
اے میرے بچے میرے لخت جگر پیدا نہ ہو[2]

معاشی طور پر اولاد کی پرورش ان کے لیے بہت بڑی آزمائش ہو گئی تھی کیونکہ آمدنی کم ہونے کی وجہ سے ان کے لیے مشکل ہو تا گیا کہ اتنے بچوں کی پرورش ہو سکے۔

مسٹر دہلوی کی "فیملی پلاننگ" میں بھی ایسا ہی طنزیہ انداز ہے۔

اے مرے لخت جگر نور نظر جان پدر
پیدا ہونے کی تجھے کیسے اجازت دے دوں؟
ہو نہ اولاد پسند اس کو وہ ہے کون بشر
باغ عالم کا تو شیریں ہے یہی ایک ثمر
کیا کروں کم ہے بہت آمدنی میری مگر
پیدا ہونے کی تجھے کیسے اجازت دے دوں؟[3]

مسٹر دہلوی کی ظرافت نگاری کے حوالے سے سرفراز شاہد لکھتے ہیں۔

> مسٹر دہلوی طنز و مزاح کے میدان میں کسی حد تک منفرد اسلوب کے مالک ہیں۔ کلام میں طنز کا عنصر زیادہ گہرا ہے۔۔۔ اپنے اشعار میں ہمارے معاشرے کی کمزوریوں پر شگفتہ انداز طنز کیا ہے۔ بعض مقامات پر حکیمانہ عمق بھی موجود ہے۔ جس کی وجہ سے کلام کہیں کہیں سنجیدہ رنگ اختیار کر جاتا ہے۔[4]

ابتدائی دور میں سماجی، معاشی اور معاشرتی مسائل میں بتدریج اضافے کی بنیادی وجوہات یہی آبادی میں اضافہ اور مہنگائی اہم عنصر تھا۔ جس کی وجہ سے جتنی تیزی سے آبادی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اتنی ہی تیزی کے ساتھ معاشی مسائل بڑھتے چلے جارہے تھے۔

دلاور فگار کی نظم "اولاد کا پرمٹ" اسی بات کی طرف طنزیہ انداز میں اشارہ کررہی ہے کہ وقت کی نزاکت کو مدنظر رکھتے ہوئے اولاد کو پیدا کرنے کے لیے بھی اس کا پرمٹ لیا جائے۔

ملک میں بچوں کی کھیتی ہو رہی ہے آج کل
ماہر تخلیق ہے اس ملک کا ہر نیشنل
مختلف رہرو ہیں لیکن ایک ہے راہِ عمل
کوئی سنگل بچّہ پیدا کرتا ہے کوئی ڈبل
چونکہ پاکستان کی مٹی بہت زرخیز ہے
اسی لیے رفتارِ پیدائش بھی خاصی تیز ہے[5]

پاکستان بننے کے کچھ عرصہ بعد پے در پے مارشل لاء نے لوگوں کے لیے معاشی، معاشرتی اور سماجی طور پر بہت سے مسائل ابھارے۔ جس کی وجہ سے سماج میں شکست وریخت، مایوسی، نفسا نفسی اور آپا دھاپی کے جذبات امڈ پڑے۔ یہاں ساٹھ کی دہائی تک صنعتی انقلاب اور سائنس میں ہونے والی ایجادات نے معاشی طور پر تھوڑا بہت مستحکم کیا۔ وہاں انسان کی زندگی اتنی مصروف ہوگئی کہ وہ احساس تنہائی کا شکار ہوتا چلا گیا۔ جس کا اثر اس کی گھریلو زندگی میں بھی نظر آنے لگا۔ صنعتی اور مشینی دور میں طبقاتی کشمکش کو بھی فروغ دیا۔ جس کی بدولت جاگیر درانہ طبقہ اپنی گرفت مزید مضبوط کرتا چلا گیا اور غریب طبقہ اسی گرداب میں پھنستا چلا گیا۔ حکمران طبقے نے انھیں اس سے آزاد کرانے کے لیے اپنا منشور بھی دیا لیکن اس پر عمل درآمد نہیں کرا سکے۔ آئے روز کے ہنگاموں اور ہڑتالوں نے غریب انسان کی زندگی کو اجیرن بنا دیا۔ اقتدار کی تبدیلی اور رسہ کشی اسی کے ساتھ ساتھ 1965 کی جنگ جیسے واقعات نے عوام کی سماجی، معاشرتی اور معاشی زندگی پر دور رس اثرات مرتب کئے۔ جس کی وجہ سے انتشار، بحران، مایوسی، برہمی اور بیگانگی جیسے رویوں نے معاشرے میں پنپنا شروع کر دیا۔ جس کی عکاسی اس دور کے طنزیہ ومزاحیہ شعراء نے معاشرتی، اعتدالیوں اور ناہمواریوں کی صورت میں کی۔

قیام پاکستان کے بعد جن سماجی، معاشی اور معاشرتی مسائل کا سامنا تھا۔ ساٹھ کی دہائی میں بھی عوام ان سے نبرد آزما رہی۔ جیسے رشوت، مہنگائی، چوری وغیرہ لیکن اس کے ساتھ ساتھ گھریلو ناچاکی اور خانگی زندگی میں مہنگائی اور اس سے منسلک دیگر مسائل تیزی سے ابھر کر سامنے آئے۔ جس کی وجہ سے شعراء نے طنز و تضحیک کا نشانہ "بیگمات" کو بنایا۔ اور راہ فرار حاصل کرنے کے لیے "دوسری شادی" جیسے موضوعات بھی اس دور میں نظر آنے لگے۔ اس کے ساتھ ساتھ بجلی جیسے بحران سے حکمرانِ وقت نبرد آزمانہ ہو سکے۔ غریب عوام کو مہنگائی اور غربت کے ساتھ ساتھ بجلی جیسے معاشی مسائل کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ "بجلی اور مچھر" کے موضوع پر چچا غلام رسول کی نظم مزاحیہ انداز میں اس اس دور کی کی عکاسی کرتی ہے۔

کیا بتائیں واپڈا کا کتنا اچھا ہے نظام
آندھی ہو لاہور میں ڈنگہ میں پڑ جاتی ہے شام
رات کی تاریکی میں اکثر چلی جاتی ہے یہ
ڈانگ لے کر جاتے ہیں تو تب کہیں آتی ہے یہ
بل کسی صورت ہزاروں سے نہ نیچے آئے گا
دھوپ میں ہو کر کھڑا اصارف جمع کروائے گا[6]

مہنگائی نے سماجی اور معاشرتی رویوں کو بھی متاثر کیا۔ محبت اور ازدواجی زندگی کے راستے میں کھڑی رکاوٹوں کو طنز و مزاح لکھنے والوں نے نشانہء تضحیک بنایا۔ چونچال سیالکوٹی کے اشعار ایسی کشمکش کی عکاسی کرتے ہیں

فاقہ مستی، کثرت اولاد، بیکاری و قرض
کیا زمانہ تھا جب ان چیزوں کی سپلائی نہ تھی
ایک لیلیٰ تھی اس کو بھی نہ حاصل کر سکا
قیس کے وقتوں میں اس درجہ تو مہنگائی نہ تھی[7]

1970 سے 1990 تک کے زمانے میں سیاسی، معاشی، معاشرتی اور سماجی طور پر بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ جس نے ہر شعبہ زندگی پر اپنے اثرات مرتب کیے۔ مشرقی اور مغربی پاکستان کا دو ٹکڑوں میں بٹ جانا

مارشل لاء اور اس کے بعد جمہوریت کا تھوڑا سا عرصہ اور پھر طویل مارشل لاء ان تمام حالات وافکار نے ملک کو معاشی، معاشرتی اور اقتصادی طور پر بہت پیچھے دھکیل دیا کیونکہ پاکستان بننے کے کچھ عرصے بعد 1965 اور 1971 کی جنگ میں رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ جس سے نت نئے مسائل میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ عوام الناس کے اندر مایوسی، قنوطیت اور بیزاری کے جذبات ابھرنے لگے۔ مذہبی انتہا پسندی، بے روزگاری اور مہنگائی نے معاشرے کی دیواروں کو کھوکھلا کرنا شروع کر دیا۔ کثرت اولاد اور کثرت ازدواج جیسے مسائل جنم لینے لگے۔ یہ تمام مسائل تقریبا قیام پاکستان کے بعد بھی درپیش تھے اور اتنا عرصہ گزر جانے کے باوجود یوں کے توں موجود تھے۔ بنیادی وجہ سیاسی طور پر مستحکم نہ ہونا تھا۔ جس کا اثر مہنگائی، کم آمدنی، کثرت اولاد، دو سری شادی کی خواہش، بیروزگاری، مایوسی کی صورت میں بھگتنا پڑ رہا تھا۔ ان تمام معاشی، معاشرتی اور سماجی بے اعتدالیوں کو اس دور کے شعراء نے کبھی طنزیہ اور کبھی مزاحیہ انداز میں بیان کرنے کی سعی کی۔ یہ مسائل اور موضوعات تقریباً ہر دور میں ہی موجود تھے لیکن حالات و واقعات کے ساتھ اس میں شدت آتی چلی گئی ۔مہنگائی میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا۔ جس کا جواز حکمران طبقہ عالمی مارکیٹ میں پٹرولیم کی قیمتوں میں اضافہ کی صورت میں دیتی کیونکہ جس کے براہ راست اثرات عوام کی روز مرّہ زندگی پر بھی پڑ رہے تھے۔ امیر طبقہ تو اس جمِ عضیر کو برداشت کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ لیکن غریب طبقہ تو مہنگائی کے اس اژدھے کو برداشت نہیں کر سکا بلکہ یہ اژدھا اس کو مختلف صورتوں میں نگلتا ہی چلا گیا۔

مہنگائی کے باعث انسان حقیقی خوشیوں سے محروم ہوتا چلا گیا۔ اولاد کی پیدائش سب کے لیے بجائے خوشی کا باعث بننے کے مایوسی اور افسردگی کا باعث بننے لگا۔ کم آمدنی اور کثرت اولاد نے میاں بیوی کی زندگی میں پیچیدگیاں پیدا کر دیں۔ ماجد صدیقی "غوں غاں" قطعہ میں اس کی عکاسی کرتے ہیں۔

باپ بھی گم صم ہے تعداد کے بڑھنے سے
ماں بھی اس تشویش پہ رونے لگتی ہے
ہر تازہ کیلنڈر کے لٹکانے پر
گھر میں تازہ غوں غاں ہونے لگتی ہے [8]

بجلی, گیس اور پانی کے بل جو ہر مہینے میں عوام کو مزید ہراساں کرنے کے لیے آتے ہیں۔ جن کو دیکھ کر معاشی مسائل میں دھنسے ہوئے غریب بچارے کی چیخیں نکل جاتی ہیں۔ اس سلسلے میں بلبل کاشمیری کا قطعہ " لفافہ " مزاح کے پیرائے میں غریب بیچارے کی بپتا بیان کر رہا ہے۔

لفافہ خوبصورت اور دلکش تھا جو کل پہنچا
وہ قرطاسِ حسیں، دل سے لگا لینے کے قابل تھا
میں سمجھا تھا مری مریم نے مجھ کو یاد فرمایا
لیک کر جب اُسے کھولا تو دیکھا گیس کا بل تھا[9]

سماجی ناہمواریوں سے جنم لینے والی گھریلو چپقلش کو بھی شعراء نے اپنے اپنے اسلوب اور اندازِ بیان میں بیان کیا۔ طٰہٰ خان کی نظم " طعام خانہ " میاں بیوی کے درمیان میں ہونے والی اِسی لڑائی کو مزاحیہ انداز میں ظاہر کر تی ہے۔

جھڑک کے بولیں کے شوہر ہو تم کہ باورچی
کہ تم ہمیشہ جھگڑتے ہو مجھ سے کھانے میں
پکی پکائی تمھیں مل رہی ہے شکر کرو
پکا کے کون کھلاتا ہے اس زمانے میں
ہوا یہ خیر سے انجام اس لڑائی کا
دعائیں مانگ رہا ہوں پہنچ کے تھانے میں[10]

پیار و محبت کے جذبات جو زمانہ طالب علمی میں پروان چڑھتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہاں مخلوط تعلیمی سلسلے میں لڑکے لڑکیاں اکٹھے پڑھتے ہیں۔ وہاں پیار و محبت محض دل لگی تک محدود ہوتا ہے۔ جبکہ اس کے بر عکس حقیقت یہ ہوتی ہے کہ لڑکے اُس لڑکی سے شادی کرتے ہیں۔ جو ماں باپ ان کے لیے منتخب کرتے ہیں۔ اگر ایسے لڑکے لڑکیوں کی شادی ہو بھی جائے تو میاں بیوی کی یہ محبت جلد ہی شک میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ دونوں

ایک دوسرے پر اعتراضات کرتے نہیں تھکتے۔ محبت کا یہ مزہ شادی سے پہلے ہی ہوتا ہے اس کی عکاسی ڈاکٹر انعام الحق جاوید کچھ اس طرح کرتے ہیں۔

محبت ماں سے اور بیوی سے جس کو پیار ہوتا ہے

گزارہ ایسے شوہر کا ذرا دشوار ہوتا ہے

محبت کا مزہ ہوتا ہے شادی کے ارادے تک

اور اس کے بعد جو ہوتا ہے سب بے کار ہوتا ہے[11]

بیسویں صدی کی آخری دہائی اور اکیسویں صدی کی دو دہائیوں کو اگر دیکھا جائے تو اس میں بھی حالات دگرگوں دکھائی دیتے ہیں۔ مارشل لاء سے تو بیسویں صدی کی آخری دہائی میں نجات مل گئی لیکن کوئی بھی جمہوری حکومت اپنے قدم مستحکم نہ رکھ سکی۔ سیاسی قیادتیں ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچنے میں لگی رہیں۔ عالمی قوتیں بھی پاکستان کی سرزمین کو اپنے فائدے کے لیے استعمال کرتی رہیں۔ جس کی وجہ سے پاکستان سیاسی، سماجی، معاشرتی اور معاشی لحاظ سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔ پاکستان میں اکیسویں صدی کی پہلی دہائی میں جو دہشت گردی کی لہر ابھر کے سامنے آئی۔ اس نے ملک کو معاشی، معاشرتی بحران میں مبتلا کر دیا۔ سیاسی حکومت کے غیر مستحکم ہونے کی وجہ سے ایک بار پھر کمان فوج کے ہاتھ میں چلی گئی۔ ایک طرف دہشت گردی دوسری طرف فوج کی قیادت جس کی وجہ سے عوام ان تمام حالات سے براہِ راست متاثر ہوئی۔ ملک میں غیر یقینی اور بے چینی کی کیفیت عام ہو گئی۔ عوام کے روٹی کپڑا اور مکاں کے مسائل جوں کے توں موجود رہے۔ زرعی ملک ہونے کے باوجود بارشوں کے پانی کو ذخیرہ کرنے کے اسباب نہیں بنائے گئے۔ جس کی وجہ سے پندرہ سال تک ملک میں خشک سالی رہی۔ جس کے براہ راست اثرات غریب عوام کو بھگتنا پڑے کیونکہ حکمران طبقہ اس معاشی بحران سے نمٹنے کے لیے کاغذی کاروائی تو بہت کرتا رہا لیکن عملی طور پر کوئی بھی اس کے بارے میں سنجیدہ نظر نہیں آیا۔ سیاسی طور پر ایک فائدہ یہ ہوا ہے کہ پچھلے تیرہ سال سے ماشل لاء کے جو بادل عوام کے سر پر منڈلاتے رہتے تھے۔ اب وہ نہیں رہے کیونکہ تیرہ سالوں سے جمہوریت کا راج ہے لیکن ہر نیا

حکمران اپنے 5 سالہ دور پورے کر کے چلا جاتا ہے۔ عوام بیچاری ان صاحبِ اقتدار کی رسہ کشی میں پستی چلی جاتی ہے۔

مہنگائی، بے روزگاری، کثرت اولاد، خاندانی منصوبہ بندی، بجلی، گیس کے بلوں، میاں بیوی کے درمیان گھریلو ناچاقی اور رشوت جیسے مسائل جو ختم ہونے کا نام نہیں لیتے بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ اِن میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دور جدید کی نئی چیزوں جیسے موبائل، انٹرنیٹ وغیرہ بھی طنز و مزاح لکھنے والوں کے لیے مواد مہیا کر رہے ہیں۔ بیسویں صدی میں نت نئے موضوعات میں وسعت پیدا ہوتی گئی۔ شادی بیاہ کی تقریبات اور لڑکے والوں کی ڈیمانڈیں، مخلوط تعلیمی سرگرمیاں، آمدنی کم بجٹ زیادہ، بیوٹی پارلروں کی بہتات جس کی بدولت معاشرہ بے راہ روی کا شکار ہوتا چلا جا رہا ہے۔ سائنسی ایجادات بالخصوص موبائل اور کمپیوٹر نے انسان کو تنہائی اور مایوسی کا شکار کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے غربت کی چکی میں پسنے والے خودکشی کرنے پر مجبور ہیں۔ ان تمام معاشی اور سماجی حالات و واقعات کو چاہے بیسویں صدی ہو، چاہے اکیسویں صدی ترقی پذیر ممالک کا غریب باشندہ اس سے نبرد آزما ہو رہا ہے۔ عوام ان کے خلاف سراپا احتجاج ہیں لیکن کوئی اِن کی سنتا نہیں ہے۔

ہمارے ظرافت نگار اپنے طنز و مزاح کی بدولت اپنا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ معاشرے کی اِن سلگتی ہوئی چنگاریوں کو جو کسی بھی گھر کی چار دیواری کو بھڑکا سکتی ہیں۔ اور اس میں تباہی و بربادی کرنے کے کا سبب بن رہی ہیں۔ ہلکے پھلکے انداز میں بیان کر کے قاری کے چہروں پر کبھی مسکراہٹ اور کبھی سنجیدگی کے عناصر کو غالب کرنے کا باعث بن رہے ہیں۔

جس طرح ہر سال بجٹ عوام کے لیے وہ خوشی نہیں لے کر آتا جو اسے لے کر آنی چاہیے کیونکہ جس تناسب سے مہنگائی میں اضافہ ہوتا ہے اس تناسب سے تنخواہ میں اضافہ نہیں کیا جاتا۔ جس کا اثر تمام ضروریات زندگی پر پڑتا ہے۔ دال روٹی میں بھی گزر بسر کسی گھر کے لوگوں کے لیے ناگفتہ بہ ہو جاتا ہے۔

فرزانہ سحاب مرزا کا قطعہ اسی مہنگائی کی کیفیت کو ظاہر کرتا ہے۔

کیا لطف کیا مزہ ہے خیالی پلاؤ میں

راکٹ میں اڑ رہی ہوں کہ بیٹھی ہوں ناؤ میں

مہنگائی کی بہار ہے اپنے عروج پر

اب بک رہی ہے دال بھی مرغی کے بھاؤ میں[12]

اکیسویں صدی میں دنیا کہاں سے کہاں تک پہنچ چکی ہے۔ پاکستان جیسے ملک میں ابھی تک بجلی جیسے بحران پر بھی قابو نہیں پایا جا سکا۔ اہل اقتدار اس کی طرف توجہ دینے اور اس کا مستقل لائحہ عمل بنانے سے قاصر ہیں جبکہ اس کا بوجھ سراسر غریب عوام کو بجلی کے بلوں یا بجلی کا کنکشن کاٹ کر ادا کرنا پڑ رہا ہے۔ اہل ثروت لوگ جو بجلی کے بل کسی طرح ادا نہیں کرتے ان کو حکمران نے کھلی چھوٹ دے رکھی ہے۔ جس کی وجہ سے عوام سراپا احتجاج ہیں۔

لوڈشیڈنگ، واپڈا اور بجلی کے بلوں نے جس طرح آج کل کے نوجوانوں کا جینا دو بھر کر دیا ہے۔ خالد عرفان کی نظم "لوڈشیڈنگ میں سہاگ رات" اسی طنز و مزاح کا مُرقّع ہے۔

دُلھا ابھی تھا منتظرِ منظرِ جمال

آیا نہ واپڈا کو کنوارے کا کچھ خیال

دونوں کے درمیان جفا کار بن گیا

یہ واپڈا سماج کی دیوار بن گیا[13]

رشوت خور افسر، بیوی اور کثرت اولاد کو ایک ہی قطعہ میں رفیق مغل نے بیان کر کے طنز و تمسخر کی فضا پیدا کی ہے۔

افسر اچھا وہی جو کھاؤ

بیوی پیاری جو دل لبھاؤ ہو

ڈھیر اولاد کا ہے کیا کرنا

پتر ایک ہو مگر کماؤ ہو[14]

جیسے جیسے معاشرے میں عورت کو شعور آتا گیا،اس کے گھر کی فضاء بدلتی چلی گئی۔وہ عورت جو گھر سے باہر نہیں نکلتی تھی اب مرد کے شانہ بشانہ مرد کے سب کاموں میں پیش پیش ہے۔اس کے برعکس شوہر عورت کے آگے مظلوم دکھائی دیتا ہے۔کیونکہ بیوی اب وہ بیوی نہیں رہی جو مرد کی ہاں میں ہاں ملاتی ہے بلکہ اس کے آ گے کسی کی نہیں چلتی۔مرزا عاصی اختر غالب کے مصرعے کی پیروڈی کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"بات پر واں زبان کٹتی ہے"
بن کے شوہر رہا کرے کوئی
گھر کے آئین میں یہ لکھا ہے
"وہ کہیں اور سنا کرے کوئی"[15]

مخلوط ذریعہ ءتعلیم ہمارے معاشرے کی جڑوں کو جس طرح کھوکھلا کر رہی ہے۔جس نے گھریلو زندگی سب سے زیادہ متاثر کیا ہے۔پیار و محبت کے معاملات بعض اوقات رشتے کو مضبوط کرنے کے بجائے توڑنے کا باعث بن جاتے ہیں۔ازدواجی زندگی کے انہی پیچ و خم کو مجید سالک مزاح کا نشانہ یوں بنارہے ہیں۔

تھے سٹوڈنٹ ڈاکٹر دونوں
پیار کی ان میں رسم وراہ چلی
عشق ان کا تو پانچ سال چلا
شادی مشکل سے ایک ماہ چلی[16]

لیاقت علی لیاقت معاملات قلب و نظر کی بے اعتدالیوں کے حوالے سے قطعہ "چھیڑ خانی" میں اِن شوہروں کا تذکرہ مزاحیہ انداز میں کر رہے ہیں۔جو اپنی بیوی کے ہوتے ہوئے دوسری عورتوں کو چھیڑتے ہیں لیکن آگے وہاں کا منظر ہی کچھ اور ہوتا ہے۔جو سب کے لیے لمحہ ءفکریہ ہے۔اکبر الٰہ آبادی کے مصرعے کی تضمین کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"پردے میں نظر آئی تھیں کل چند بیبیاں"
دیکھا قریب سے تو طبیعت مچل گئی

چھیڑا ہی تھا کہ برقعہ الٹ کر وہ چیخ اٹھی

"تو چھیڑ عورتوں کو میں اب ماں کے گھر چلی"[17]

زمانے نے جتنی ترقی کی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہماری اقدار و روایات بھی بدلتی چلی جارہی ہیں۔ خاتون خانہ جو گھریلو امور میں طاق سمجھی جاتی ہیں۔ اب اس دور میں مرد و زن میں یہ تخصیص ختم ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ بلکہ زیادہ تر شوہر حضرات یہ امور سرانجام دیتے ہیں اسی حوالے سے نسیم سحر کہتے ہیں۔

کوئی پیدا ہو بیگم کی رقیبہ

بھلا اپنا کہاں ایسا نصیبہ

کچن کی ذمہ داری اس پہ آئی

ہوئی جس شخص کی بیگم ادیبہ[18]

شادی جیسے نازک رشتے کو جس طرح سودا بازی کا دھندا بنادیا ہے جس کی وجہ سے ماں باپ بیچارے لڑکے والوں کی ڈیمانڈ پوری کرتے نہیں تھکتے۔ شادی بیاہ میں ہونے والی رسومات اور ان پر بے جا اخراجات کے ساتھ ساتھ لڑکے والوں کے مطالبات لڑکی والوں کا جینا دوبھر کر دیتے ہیں۔ والدین اپنی ساری جمع پونجی بھی لگانے کے باوجود لڑکے کے گھر والوں کے معیار پر پورا نہیں اترتے۔ سعدیہ حریم کی نظم "شادی" ایسے ہی سماجی مسئلے کی طرف عکاسی کرتی ہے۔ جس میں ان تمام حالات و واقعات کو مزاحیہ انداز میں دکھا کر ہمیں سوچنے پر مجبور کیا ہے۔

آج کل ہیں سخت مشکل میں بچارے والدین

اب نہ نیند آتی ہے راتوں کو نہ حاصل دن کو چین

صرف بیوی ہی نہیں درکار وی سی آر ہو

ساتھ میں فرنشڈ بنگلہ ہو، فریج ہو، کار ہو

لڑکی والوں کے لیے یہ خانہ بربادی ہوئی

اور سچ پوچھیں تو لڑکے کی فقط شادی ہوئی

شادیاں کرتے ہیں "اسٹیٹس" بنانے کے لیے

اپنے ملک پاک سے "اسٹیٹس" جانے کے لیے[19]

جس میں سعدیہ حریم نے اسٹیٹس اور اسٹیٹس کو ذو معنی استعمال کیا ہے۔

افضل پارس میاں بیوی کے درمیان میں ہونے والی ناچاقی کو طنز و ظرافت کا موضوع بناتے نظر آتے ہیں۔ موجودہ زمانے میں بیگم بھی خاوند کے مدمقابل آتی ہے۔ شوہر بیچارہ بیوی کے آگے سانس نہیں لے سکتا۔ اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ گھریلو ناچاقی اور ہونے والی اَن بَن میں تُند و تیزی کی وجہ سے "بیگم" کو بے۔ غم" کر کے لکھتے ہیں۔

آنا جانا سانسوں کا ہوا اس پر ہی موقوف نہیں

زندہ ہو، پر دم نہ ہو تو اس کو بے دم کہتے ہیں

جس پر اکثر آفت ٹوٹے اس کا نام شوہر ہے

جس کو ایک بھی غم نہ ہو اس کو بیگم کہتے ہیں[20]

معاشی، معاشرتی اور سماجی جائزہ لینے کے بعد اس دور میں اردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں استعمال ہونے والے معاشرتی معاملات کا اعادہ کرتے ہیں۔

ب۔ معاشرتی معاملات:

i۔ ضرورت رشتہ:

ماں باپ کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ان کے بچوں کی اچھی جگہ شادی ہو جائے۔اس مقصد کے لیے بیٹے ابھی سن بلوغت کو نہیں پہنچتے کہ مائیں ان کے لیے رشتہ تلاش کرنا شروع کر دیتی ہیں۔بیٹے کے سر پر سہرا پہننے کے خواب دیکھتی ہیں۔ہمارے معاشرے میں جیسے جیسے زمانہ بدلتا گیا ایسے ایسے یہ انقلاب بھی آیا کہ پہلے ماں باپ کے کہنے پر بچے شادی کرتے تھے۔اب آہستہ آہستہ اولاد کے رشتے کے لیے ضرورت رشتہ کا اشتہار دیا جانے لگا۔ اس سلسلے میں ماں باپ ضرورت رشتہ کے دفاتر کے چکر لگاتے نہیں تھکتے۔چاہے لڑکی والے ہو چاہے لڑکے والے ان کی خواہش ہوتی ہے کہ لڑکا شکل کا اچھا ہو یا نہ ہو کماتا خوب ہو۔ایک دو گاڑیاں اور بنگلہ ہو اسی طرح لڑکے والے ایسی لڑکی کی تلاش میں ہوتے ہیں۔ جو اپنے ساتھ بے شمار جہیز لے کر آئے چاہے لڑکی کی شکل اور تعلیم کچھ بھی ہو۔

حیدر حسنین جلیبی ایسی ہی ”بیوی کی تلاش“ کے حوالے سے بیانیہ انداز میں اپنی نظم میں کہتے ہیں۔جس میں لڑکے کی اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ میں اب سوچ رہا ہوں کہ شادی کر لوں۔اُس کے لیے اس کو لڑکی کیسی

چاہیے وہ ملاحظہ ہو۔

دیکھنے میں لگ رہا ہوں بیس کا
ہو گیا ہوں اس برس چالیس کا
سوچتا ہوں عقد کر کے دیکھ لوں
ایک دن مرنا ہے مر کے دیکھ لوں
بیوی لانی ہے مجھے وہ چھانٹ کر
رکھ سکوں گھر میں جسے ڈانٹ کر
جسم اس کا بعد میں پھولے نہیں

جب چلے سیدھی رہے جھولے نہیں

جیب اس کے باپ کی خالی نہ ہو

باپ ماں کالے ہوں وہ کالی نہ ہو

کم سے کم سر کے تو سیدھے بال ہوں

آنکھیں نیلی اور کالے لال ہوں

ہر طرف سے چاہے ہیوی ویٹ ہو

عمر کم ہو، کم زباں، کم پیٹ ہو

بہنیں چاہے جتنی ہوں بھائی نہ ہو

ریڈیو ٹی وی پہ وہ آئی نہ ہو

بیوی اس صورت کی مجھ کو چاہیے

ہو نظر میں کوئی تو فرمایئے[21]

شاعر ایسی بیوی کا خواہش مند ہے۔ جو بھاری بھرکم نہ ہو لیکن اس کے ماں باپ بھاری آسامی والے ہوں۔ رنگت اس کی کالی نہ ہو شادی کے بعد اس کا پیٹ نہ بڑھے۔ شاعر ہمارے معاشرے میں شادی کرنے والوں کی خواہش کی عکاسی مزاحیہ انداز میں کر رہا ہے ایسی بیوی چاہیے جو ہر لحاظ سے پرفیکٹ ہو۔

جب لڑکی والے کسی کے گھر رشتہ دیکھنے جاتے ہیں اور لڑکی کے والدین لڑکے کی نوکری کے بارے میں پوچھتے ہیں تو لڑکے کی والدہ لڑکے کی نوکری کے حوالے سے بڑے فخر سے بیان کرتی ہیں کہ ہمارے لڑکے کو ملازمت کی ضرورت نہیں۔ اسرار اشفاق اس کی توجیع مزاحیہ انداز میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

صاحب زادے کرتے کیا ہیں؟ لڑکی والوں نے پوچھا

"جب دیکھا فارغ پھرتے ہیں یا پیتے تمبا کو ہیں!"

لڑکے کی اماں یہ بولیں۔۔۔۔۔کام کرے اس کی جوتی

”دو بھائی بھتہ لیتے ہیں، ابا خیر سے ڈاکو"[22]

جن کے گھر والے لوٹ مار کرتے ہوں انھیں ملازمت کی کیا ضرورت۔یعنی ہمارے ہاں رشتے کے لیے لڑکے کی نوکری نہیں اس کی تنخواہ یا اس کا مال واسباب دیکھا جاتا ہے چاہے لڑکا ڈاکو ہی کیوں نہ ہو۔

دلاور فگار نے ایک لڑکے کے رشتے کے سلسلے میں جو نقشہ کھینچا ہے۔ جس کی عمر پچاس ساٹھ سال ہے۔اس کا نین نقشہ جس طرح ہے۔اس کو دیکھ کر بے اختیار ہنسی آجاتی ہے جیسے شاعر نے لڑکا کہاں ہے کہ وہ خوبصورت ہے۔

ایک لڑکا ہے اصیل نسل نما خاندان

عمر ہے لڑکے کی ففٹی سکسٹی کے درمیاں

آنکھ کی ایک شمع روشن، دوسری تھوڑی سی گل

مختصر یہ ہے کہ لڑکا ہے بہت ہی بیوٹی فل

پی کے ماللحم جب ملتا ہے داڑھی پر خضاب

اس کے چہرے پر نظر آتے ہیں آثار شباب

بر بنائے مصلحت یا بر بنائے انتقام

آج تک کنوارہ ہے یہ وحدت پرستوں کا امام

سوچتا ہے اب کے سہرا باندھ لے یہ نونہال

پیر نا بالغ کو آیا ہے شادی کا خیال[23]

دلاور فگار نے اس پچاس سالہ لڑکے کے لیے اُس لڑکی کی خواہش کا اظہار کیا ہے جو ہر لڑکے کی خواہش ہوتی ہے کہ چاند کا ٹکڑا ہو اور خود اس کے پاس ڈگری نہ ہو لیکن لڑکی کے پاس ڈگری ضرور ہونی چاہیے

اس کو لڑکی چاہیے، لڑکی جو آوارہ نہ ہو

در حقیقت چاند ہو، مصنوعی سیارہ نہ ہو

جامعہ کی کوئی بھی ڈگری ہو اس کے ہاتھ میں

کوئی ڈپلومہ نہ لائی ہو سند کے ساتھ میں[24]

بشیر احمد شمیم نے بھی اسی موضوع پر طبع آزمائی کی ہے۔ جس کا عنوان "ایک لڑکی چاہیے" جس میں شاعر نے 50، 60 سال کے لڑکے کا تذکرہ کیا ہے جس کی ایک بیوی مر چکی ہے دو بیویاں حیات ہیں اس کے علاوہ بچوں کی شادیاں ہو چکی ہیں۔ اُسے بوڑھے ماں باپ کی خدمت گزاری کے لیے بی اے پاس لڑکی چاہیے۔ جو ہر فن مولا ہو مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں کہ اگر یہ شرائط منظور ہیں تو لڑکے والے رجوع کریں ورنہ ہمارے معاشرے میں جس طرح لڑکیاں بوڑھی ہو جاتی ہیں رشتہ نہیں ملتا کہیں اس رشتہ سے بھی ہاتھ نہ دھونے پڑیں۔

آج کل ہے رشتہء دختر عذاب ذہین وجاں

لڑکیاں سب کو نظر آتی ہیں اک کوہ گراں

ایک خوشخبری برائے سرپرست دختراں

عقد ثانی کے لیے تیار ہے اک نوجواں[25]

شاعر آگے چل کر اُس کی مزید ڈیمانڈ کا تذکرہ کرتا ہے

اس جواں کی اب ذرا ڈیمانڈ بھی سن لیجئے

ایک لڑکی چاہیے کم عقل، کم سن، کم زباں

کم سے کم بی اے تو ہو، لڑکی اگر ایم اے نہیں

خوش سلیقہ، باہنر ہو، نرم دل ہو، مہرباں

کھانے انگریزی پکانے جانتی ہو، لازمی

ہر فرنچ، ہر چائینیز ڈش کی ہو، ماہر جانِ جاں

رات دن خدمت گزاری کے لیے تیار ہو

کیونکہ ہیں فالج زدہ ابّا، ضعیف العمر اماں[26]

ضرورت رشتہ والوں نے جس لڑکے کے لیے ڈیمانڈ کی ہے اس کی پہلی تین شادیاں ہو چکی ہیں۔ آگے سے ان کے بچوں کی بھی شادیاں ہو چکی ہیں۔ اس کو شادی صرف اپنے ماں باپ کی خدمت گزاری کے لیے کرنی ہے۔ اور ہمارے معاشرے میں لڑکی کے والدین کتنے مجبور ہوتے ہیں اس حوالے سے بشیر احمد شمیم معاشرے کی دکھتی رگ پر طنز کرتے ہوئے بیانہ انداز میں یوں بیان کر رہے ہیں۔

اب ذرا تفصیل سے لڑکے کا بھی سن لیجئے

عمر لڑکے کی ففٹی سکسٹی کے درمیاں

پہلی بیوی کو تھی ٹی بی، مر چکی ہے خیر سے

ہیں خدا کے فضل سے زندہ ابھی دو بیویاں

پانچ کم سن بیٹیاں، بیٹے ہیں زیرِ پرورش

چھ جواں لڑکے ہیں، جن کی ہو چکی ہیں شادیاں

یہ شرائط ہوں اگر منظور، تو کیجئیے رجوع

ورنہ یہ رشتہ بھی ہاتھوں سے نکل جائے گا ہاں![27]

ii۔ فیملی پلاننگ:

بچے خدا کی نعمت ہوتے ہیں لیکن اِن بچوں کے درمیان میں وقفہ بہت ضروری ہے۔ کیونکہ یہ ایک عورت کی زندگی اور صحت کا سوال ہوتا ہے۔ ایسے والدین جو بیٹے کی تمنا میں بچے پیدا کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہ خیال نہیں کرتے کہ اس سے عورت کی زندگی پر کیا اثر پڑے گا۔ بچوں کی ایک فوج تیار کر لیتے ہیں۔ خاندان کی طرف سے بھی بیٹے کی خواہش کا دباؤ ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ ذہنی دباؤ میں آکر خاندانی منصوبہ بندی کے بجائے ایک کے بعد دوسرا بچہ پیدا کرتے چلے جاتے ہیں۔ اسی سلسلے میں مجید لاہوری نے جس گھر میں گیارہواں بیٹا پیدا ہوا تو طنزیہ انداز میں اسے کرکٹ ٹیم سے تشبیہ دی ہے۔

گھر ہوا تیرے گیارھواں بیٹا
اب تیری گھر کی ٹیم ہے پیارے [28]

کیونکہ کرکٹ ٹیم میں بھی گیارہ کھلاڑی ہوتے ہیں۔ اسی لیے اب تمھیں کسی کرکٹ ٹیم میں جانے کی ضرورت نہیں کیونکہ کرکٹ ٹیم تم نے گھر ہی میں بنالی ہے۔ "گیارہ" کا لفظ شاعر نے طنزاً استعمال کیا ہے کہ کرکٹ ٹیم تم نے گھر ہی میں بنالی ہے۔ آبادی میں اضافے کے سلسلے میں مختلف تنظیمیں آئے روز جلسے جلوس اور بل پیش کرتی رہتی ہیں لیکن لوگوں کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ خالد عرفان ہمارے معاشرے کی اس بے حسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

عبث ہے ان سے اک چڑیا کے بچے کی ولادت بھی
کہ ان فیشن زدہ گھر والیوں سے کچھ نہ ہو گا

یہ بچوں میں اضافہ کر رہے ہیں رات دن خالد
اپوزیشن کے ان بڑتالیوں سے کچھ نہیں ہو گا[29]

فیملی پلاننگ کی مختلف تنظیمیں اس سلسلے میں آئے روز کوئی نہ کوئی نیا شوشا چھوڑتی رہتی ہیں۔ جیسے "دو بچے خوشحال گھرانہ" اس کو خالد عرفان نے مزاحیہ انداز میں کہا ہے۔ کہ یہ بچے پیدا کرتے جارہے ہیں ان پر فیملی پلاننگ کا کوئی اثر نہیں ہے۔

نئی زندگی کا آغاز کرنا مرد اور عورت کا فطری عمل ہے۔ جب دو لوگ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو جاتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ ان کو اولاد جیسی نعمت سے بھی نوازتا ہے۔ لیکن عورت کو ہمارے معاشرے میں صرف بچہ پیدا کرنے والی مشین ہی سمجھا جاتا ہے۔ کچھ ہی سالوں میں بچوں کی فوج تیار ہو جاتی ہے۔

شاہد الوری "بہت نکلے میرے ارماں لیکن پھر بھی کم نکلے "تضمین کا استعمال دس بچوں کے باوجود ارمان پورے نہ ہونے کے سلسلے میں مزاحیہ انداز میں کرتے ہیں۔

تمنا ازدواجی زندگی کی ہوگئی پوری

توقع سے زیادہ راستے میں پیچ وخم نکلے

وہ دس بچوں کی اماں، نو برس میں ہو گئی شائد

"بہت نکلے میرے ارماں لیکن پھر بھی کم نکلے "[30]

یعنی اتنے بچے ہونے کے باوجود یہ حسرت ہونا کہ ارمان پورے نہیں ہوئے اچنبھے کی بات ہے۔ ہمارے معاشرے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ عورت کا کام بچے پیدا کرنا ہے۔ اسی حوالے سے چونچال سیالکوٹی مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں۔

ان کو صرف اسی کام میں الجھائے رکھنا غلط ہے

ہم نے مانا بچے جننا کار مستورات ہے[31]

سید ضمیر جعفری اپنی نظم " دین و سیاست " میں شادی کو ہمارے مذہب کا ایک اہم فریضہ سرانجام دیتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمارے معاشرے میں پائی جانے والی اس خرابی کی بھی نشاندہی کرتے ہیں کہ آج کل کے سائنسی دور میں عورت مرد کے شانہ بشانہ کام کرتی ہے۔ اپنی ڈائٹ کا خیال رکھتی ہے۔ شادی تو کر لیتی ہے لیکن اپنی جسمانی ساخت کو برقرار رکھنے کے لیے اولاد پیدا کرنا ضروری نہیں سمجھتی۔

اسی کی طرف سید ضمیر جعفری نے طنزاً اشارہ کیا ہے۔

بیاہ کرنا تھا ضروری جو کیا خوب کیا

اب وہ بچے بھی جنائے ہمیں منظور نہیں[32]

ہمارے معاشرے میں دو یا دو سے زیادہ بچوں والوں کو اچھا نہیں سمجھا جاتا کیونکہ ہمارے معاشرے میں معاشی مسائل بہت زیادہ ہیں۔ آج کل کے دور میں دو بچوں کو پالنا بھی بہت مشکل ہے۔ اس لیے فیملی پلاننگ والے دو سے زیادہ بچوں کی مذمت کرتے ہیں۔ لیکن سید سلیمان گیلانی اس کی نفی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں سو سے زیادہ کروں گا کسی کی نہیں مانوں گا۔

اولاد کی کثرت پہ ہے، سو سو یہاں قدغن

میں سو سے زیادہ تو بہر طور کروں گا[33]

فیملی پلاننگ اور بہبود آبادی پر مرزا حیدر عباس اپنے قطعہ میں طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم پر یہ الزام غلط ہے کہ ہماری اولاد زیادہ ہے۔ ہم تو بہبود آبادی کی خواہش کو مد نظر رکھتے ہوئے دو سے زیادہ بچے پیدا نہیں کیے یہ الگ بات ہے کہ بیویاں چار ہیں۔

ہے غلط بہبود آبادی کا ہم پر اعتراض

گرچہ ہم لگتے نہیں لیکن بڑے ہوشیار ہیں

دو کا اوسط ہم نے رکھا ہے ابھی تک برقرار ہے

آٹھ بچے ہیں تو کیا ہے بیویاں بھی تو چار ہیں[34]

اسی موضوع کو مجذوب چشتی نے لفظی ہیر پھیر کے ساتھ شعر میں ردو بدل کر کے مزاحیہ انداز میں کہا ہے۔ لفظوں کی ہیر پھیر سے زبان زدعام شعر کو بیان کیا ہے کہ 3 سالوں میں پانچ بچے ہوگئے اگر اس کو محبت کی ابتداء کہا جاتا ہے تو شاعر مزاحیہ انداز میں کہتا ہے پھر آنے والے وقت میں محبت کی انتہا کیا ہو گی

مرے گھر میں ہوئے پانچ بچے تین سالوں میں

محبت کی اگر یہ ابتداء ہے انتہا کیا ہے[35]

دلاور فگار نے علامہ اقبال کی نظم "جواب شکوہ" کی پیروڈی فیملی پلاننگ کے حوالے سے کی ہے۔ جس میں انہوں نے نام "جواب شکوہ" ہی لکھا ہے لیکن دلاور فگار اس انداز میں احساس دلا رہے ہیں کہ حکومت فیملی پلاننگ کے لیے تحریک چلاتی رہتی ہے لیکن لوگ اس پر عمل نہیں کرتے بلکہ اس کو بھی خاندانی روایت سمجھتے ہوئے اس میں اضافہ کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہ نہیں دیکھتے کہ وقت کا تقاضا یہ ہے آبادی پر کنٹرول کیا جائے لیکن یہ نادان اس کے خلاف ہی اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اسی حوالے سے دلاور فگار "جواب شکوہ" میں کہتے ہیں۔

پاپولیشن ہے کہ بڑھتی ہی چلی جاتی ہے
بارہ بچوں کا تو والد یہی خیراتی ہے
سات پشتوں سے روایت یہ چلی آتی ہے
گو حکومت اسے ہر طرح سے سمجھاتی ہے
اس نے تحریک چلا دی ہے پلاننگ کے خلاف
شاہد عقل نے اوڑھا ہے حماقت کا لحاف[36]

فیملی پلاننگ کے موضوع پر ہی دلاور فگار نئی منصوبہ بندی کے حوالے سے طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ کہا جاتا ہے کہ بچے کم پیدا کیے جائیں۔ دس سال میں ایک بچہ تو وہ مزاحیہ انداز میں پھر کہتے ہیں کہ ہمیں یہ بتلادیں کہ اتنے برس ہم کیا کریں۔

بچے کم پیدا ہو یہ تجویز اچھی ہے مگر
دس برس میں ایک بچہ کچھ خدا سے ڈریں
آپ کا یہ مشورہ بھی ہے سر آنکھوں پر مگر
بتایا جائے اتنے سال تک ہم کیا کریں[37]

سیّد ضمیر جعفری فیملی پلاننگ کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار مزاحیہ انداز میں کرتے ہوئے کہتے ہیں اتنی اولاد ہو گئی ہے کہ ایسے لگتا ہے کہ جیسے نسل انسانی کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اس طرح اولاد کی کثرت کو شمار کرنا محال ہے۔

جہاں تک کثرت اولاد نے پہنچا دیا ہے اس کو
وہاں تک بندہ پرور نسل انسانی نہیں جاتی[38]

نذیر احمد شیخ نے " فیملی پلاننگ " پر جو قطعہ لکھا ہے جس میں ایک صاحب کے آٹھ بچے ہیں لیکن دوسرے حضرت سمجھے ساٹھ۔، اس کو مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں کہ میری منکوحہ مجھ پر ممنوعہ ہو گئی ہے۔

فرصت میں جنجو عن سے جنجوعہ
پوچھا کرتے بچوں کا مجموعہ
اک دن سن کر آٹھ
حضرت سمجھے ساٹھ
اس دن سے منکوحہ ہے ممنوعہ[39]

سیّد ضمیر جعفری اپنے قطعہ میں طنزاً کہتے ہیں کہ بیٹے کی آرزو میں بیٹیاں پیدا ہوتی جاتی ہیں۔ بچوں کی قطار لگ جاتی ہے لیکن کھانے کو نہیں ملتا۔ اسی مناسبت سے "پیدا کرو" عنوان رکھا ہے۔ جس میں لفظ پیدا کرو کو ایہام گوئی کے حوالے سے استعمال کیا ہے۔ جس طرح تم بچے پیدا کیے جا رہے ہو اسی تناسب سے خوراک کا انتظام بھی کرو۔

شوق سے لخت جگر، نور نظر پیدا کرو
ظالمو! تھوڑی سی گندم بھی مگر پیدا کرو[40]

ایک بیٹے کے بعد دوسرے بیٹے کی تمنا فطری عمل ہے لیکن اگر ایک بیٹا ہی نکما نکل آئے۔ تو اس کے لیے ضروری ہے کہ دوسری اولاد پیدا کی جائے تا کہ وقت ضرورت کام آئے۔ اسی حوالے سے ڈاکٹر انعام الحق اس کو مزاحیہ انداز میں نصیحت کر رہے ہیں کہ تمھاری طرح وہ شاعر نکل آیا تو کیا کرو گے ابھی بھی وقت ہے سوچ لو۔

کل کو شاعر جو یہ نکل آیا

کیا کرے گا پھر اے میرے ہمسر

وقت گزرا نہیں ہے کچھ کر لے

ایک بیٹا پر اکتفا مت[41]

کثرت اولاد کی وجہ سے گھر جب بچوں کی دنیا بن جاتا ہے اور وہ بھی اس کے گھر جو خود بہبود آبادی کا نمائندہ ہے۔ لوگوں کو کم بچے خوشحال گھرانے کی ترغیب دیتا ہے لیکن گھر میں بچوں کی فوج ہوتی ہے۔ جب اس کی حالت زار کے بارے میں پوچھا گیا تو جو جواب دیتا ہے۔ اس کو سرفراز شاہد نے علامہ اقبال کے مصرعے کی تضمین "اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے" کی صورت میں بیان کیا۔

اس کا گھر بچوں کی دنیا بن چکا ہے خیر سے

وہ جو خود بہبود آبادی کی کے کارندوں میں ہے

ماجرا پوچھا تو بولے حکم ہے اقبال کا

"اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے"[42]

علامہ اقبال نے کہا ہے کہ اپنی دنیا آپ پیدا کرو میں اقبال کے اس مصرعے پر عمل پیرا ہوں۔

اولاد کے اضافے کا سارا بوجھ والد بیچارے پر ہی آتا ہے۔ جیسے جیسے اولاد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اس کی پریشانی بڑھتی جاتی ہے۔ بیٹے کی آرزو میں بیٹیاں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ اسی معاشرے کی بے حسی کی طرف ڈاکٹر انعام الحق جاوید طنزیہ انداز میں کہتے ہیں ۔

مارا گیا ہے کثرتِ اولاد کے طفیل

شوہر بیچارہ اک ستم ایجاد کے طفیل[43]

شاہد الوری نے بچوں کی ٹیم کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جو فیملی پلاننگ کے نقشِ قدم پر چلتے نہیں ان کے گھر میں بچوں کی فوج جمع ہو جاتی ہے۔ پوری ٹیم بن جاتی ہے اسی حوالے سے وہ مشہور مصرعہ "ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے" کی پیروڈی کثرتِ اولاد میں استعمال کی ہے کہ دنیا میں ہم نے بہت سے کام کرنے تھے بڑے کام کے آدمی تھے لیکن اولاد کی ٹیم ہونے کی وجہ سے ہم کام کرنے سے قاصر ہیں۔ طنزیہ کہتے ہیں ۔

جن کے بچوں کی ہو گھر میں ایک ٹیم

چین میں ہیں مستحق انعام کے

کثرتِ اولاد نے مارا ہمیں

"ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے"[44]

ہمارے ہاں بہبود آبادی اور فیملی پلاننگ والے بچے دو ہی اچھے پر جس طرح بحث و تکرار کرتے ہیں۔ نئے منصوبے بنائے جاتے ہیں۔ بچے کی ولادت کو اہم مسئلہ بنا رکھا ہے۔ جیسے دنیا میں کوئی کام ہی نہیں یعنی کسی گھر میں بچے پیدا ہونے پر خوشی منائی جاتی ہے۔ کبھی اس کو پیدا ہونے سے روکا جاتا ہے کہ آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے بچے پیدا ہونے یا نہ ہونے کو مسئلہ کشمیر بنا دیا ہے۔ سرفراز شاہد اس حوالے سے مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں۔

بنا رکھا ہے بچے کی ولادت مسئلہ ہم نے

کبھی ہونے پر خوش ہیں اور کبھی ہونے نہیں دیتے[45]

منصوبہ بندی کے حوالے سے جتنی پلاننگ کی جاتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں اس کے برعکس سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ ساری پلاننگ ختم ہو جاتی ہے "چراغ تلے اندھیرے والی

بات " جتنی پابندی لگائی جاتی ہے۔اس کے برعکس ہوتا ہے حکومت پابندیاں لگاتی ہے ۔اتنی ہی آبادی میں اضافہ ہوتا ہے۔اسی حوالے سے مزاحیہ انداز میں ڈاکٹر انعام الحق جاوید کہتے ہیں۔

اِدھر نا کے پہ ناکا چل رہا ہے،اُدھر ڈاکے پہ ڈاکہ چل رہا ہے

اِدھر منصوبہ بندی کے ہیں چرچے،اُدھر کاکے پہ کاکا چل رہا ہے [46]

اولاد کے زیادہ ہونے کا طعنہ ہمیشہ بیوی ہی کو سہنا پڑتا ہے۔بیویاں ہر وقت زیادہ اولاد ہو جانے پر خاوند کو برا بھلا کہتی رہتی ہیں کہ آپ کی وجہ سے یہ سب اضافہ ہوا۔اسی حوالے سے سرفراز شاہد نے احمد ندیم قاسمی کی لَے میں پیروڈی کی ہے۔

کیوں کوستی ہو کثرت اولاد پر مجھے

سارا قصور اس میں تمھاری رضا کا تھا[47]

خاوند اس کے جواب میں کہہ رہے ہیں کہ سارا قصور میرا نہیں بلکہ تمھاری رضامندی بھی اس میں شامل تھی۔

آج کل خوشحال گھرانہ اسے سمجھا جاتا ہے جس کے کم بچے ہوں "کم بچے خوشحال گھرانہ " اس کی انور مسعود نے مزاحیہ انداز میں پیروڈی کی ہے۔جو خوشحال گھرانہ کا نقشہ پیش کر رہی ہے جس میں اولاد پیدا نہ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ کے غم کا شریک کار کوئی نہ ہو۔اگر آپ بیمار ہو جائیں تو کوئی اس کی دیکھ بھال کرنے والا نہ ہو اگر مر جائیں تو کوئی گریہ وزاری کرنے والا نہ ہو۔

شعبہ ضبط ولادت کا یہ مقصد ہے فقط

دل گرفتہ،غمزدہ،آزردہ جاں،کوئی نہ ہو

پڑیئے گر بیمار تو ،کوئی نہ ہو تیمار دار

اور اگر مر جایئے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو[48]

افضل پارس نے منصوبہ بندی کے لیے استعمال ہونے والے لفظ "چابی" کو مزاحیہ انداز میں موضوع بحث بنایا ہے۔اس منصوبے پر اسی صورت میں عمل کیا جاسکتا ہے کہ اس منصوبے میں بندے شامل ہوں لیکن "بندی" کو شامل نہ کیا جائے۔

حاوی ہو گا اک دن تب تو اس منصوبہ بندی پر
بچے کم خوشحال گھرانے پر تو خود کو مائل کر
یہ منصوبہ تب ہے ممکن گر ہوں بندے سارے ہی
اس منصوبے میں تو پیارے "بندی" کو نہ شامل کر[49]

فیض احمد فیض کی غزل "جو غم ملا اسے غم جاناں بنادیا" کی پیروڈی سرفراز شاہد نے فیملی پلاننگ کے سلسلے میں کی۔ جس میں سرفراز شاہد نے "پلان" ذومعنی استعمال کیا ہے جسے انگریزی زبان میں لکھا ہے۔

رہے سوچتے مری جان ہم، کریں فیملی کو "پلان" ہم
اسی فکر نے ہمیں ڈیڑھ سال میں دو سے چار بنادیا[50]

انور مسعود نے نے مشہور مصرعے "تمھاری داستان تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں" کی تمت بالخیر" کے قطعہ میں منصوبہ آبادی کے حوالے سے پیروڈی کی ہے۔ مضحکہ خیز انداز میں کہتے ہیں کہ تم نے مغربی دنیا کی تقلید میں اس منصوبے پر عمل کرنا شروع کیا ہے وہاں مغربی ممالک کا حال دیکھو وہاں اس کی وجہ سے بوڑھوں کی کثرت ہو گئی ہے۔ ہم نے بھی اس پر عمل کیا تو ہماری داستاں بھی نہیں ہو گی داستانوں میں۔ ہمارا صفحہ ہستی سے نام مٹ جائے گا۔نوجوان نسل ناپید ہو جائے گی۔

ہے اب بچوں کی قلت پر پریشاں مغربی دنیا
وہاں بوڑھوں کی کثرت ہو گئی ہے پیر خانوں میں
عمل بہبود آبادی یہ کرکے دیکھ لو تم بھی
" تمھاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں "[51]

سر فراز شاہد نے خاندانی بہبود کے ادارے کے نام ہی کو ہدف تنقید بناتے ہوئے طنزیہ انداز میں کہا ہے کہ جو کام پردے میں رہ کر کیا جاتا ہے۔ آج کل وہ سب کے سامنے زیر بحث لایا جاتا ہے۔ آبادی پر کنٹرول کرنا اور ضبط تولید فرد کا معاملہ ہے لیکن پردے کی بات کے حوالے سے بے پردگی پیدا کی جارہی ہے۔ ادارے کا نام "پردا" رکھا گیا ہے۔

پاپولیشن ہے موضوع تحقیق
ضبط تولید فکر فردا ہے
کام بے پردگی کے ہیں سارے
اور ادارے کا کام "پردا" ہے[52]

خاندانی منصوبہ بندی پر جس طرح عمل کیا جارہا ہے۔ اس حوالے سے بچے بھی فکر مند ہیں کیونکہ ان کو اس دنیا میں آنے سے روکنے کے لیے منصوبہ بنائے جارہے ہیں۔ اسی سلسلے میں بچے اس خاندانی منصوبہ بندی کے محکمے کو اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھ رہے ہیں اور مزاحیہ انداز میں "انور مسعود" نے ان کی ترجمانی قطعہ "بڑ بولا" میں کی ہے۔

کل ایک بچوں کی مجلس میں کہا اک شوخ بچّے نے
ہماری تاک میں دشمن بڑے ہشیار بیٹھے ہیں۔
عزیزو، ساتھیو، منصوبہ بندی کے زمانے میں
"غنیمت ہے کہ ہم صورت یہاں دو چار بیٹھے ہیں"[53]

ہم چند ایک بھی زندہ ہیں تو ہماری بہت خوش قسمتی ہے کیونکہ محکمہ منصوبہ بندی والے ہماری جان کے درپے ہو چکے ہیں۔ بیٹا اور بیٹی اللہ تعالی کی دین ہے لیکن ہمارے معاشرے کا یہ مزاج بن چکا ہے کہ ہماری اسلامی روایات کے برعکس بیٹے کو زیادہ فوقیت دی جاتی ہے۔ ایک بیٹے کی چاہ میں کئی بیٹیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ سسرال والوں کی طرف سے دباؤ ڈالا جاتا ہے کہ اولاد نرینہ ہونی چاہیے۔ ہمارے سماج میں مرد کی برتری

اسی طرح حاوی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس اسلامی معاشرے کی بنیاد رکھی۔ جس میں عورت کو بلند مقام اور مرتبہ دیا گیا۔ اس کے قدموں تلے جنت رکھی گئی اس پر عمل پیرا ہونے کی بجائے ہم ہندوانہ رسم ورواج پر عمل پیرا ہیں۔ آج بھی ہماری سوچ یہی ہے کہ بیٹی کی نسبت بیٹے کو فوقیت دیتے ہیں جس کی وجہ سے مزاروں، درگاہوں میں جا کر اولاد نرینہ کی دعا مانگتے نظر آتے ہیں۔ سید ضمیر جعفری نے ایک قطعہ "اولاد نرینہ" میں ہماری اس ذہنیت کی طرف طنزاً اشارہ کیا ہے۔

ہے ذہن پہ طاری ابھی مردوں کی فضیلت
اس سمت اشارہ کرے ہر ایک قرینہ
درگاہ میں یاد آیا نہ مکہ نہ مدینہ
بس پیر سے مانگی گئی اولاد نرینہ[54]

آبادی میں جس طرح اضافہ ہو رہا ہے جس کی وجہ سے زمین زہر آلود ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ہر طرف آبادی میں اضافے کی وجہ سے سے فضائی آلودگی بڑھتی جا رہی ہے۔ زمین میں رہنے والوں کے لیے جینا دوبھر ہوتا چلا جا رہا ہے ۔اسی لیے ان کی آبادی میں اضافے کے ساتھ ساتھ خوراک میں قلت ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے اس بڑھتے ہوئے اژدھے کو روکا جائے۔ خطرناک حد تک اس کی شرح میں اضافہ ہونے کی طرف افضل پارس نے قطعہ "نکو-نک" میں طنزاً کہا ہے

بال کھولے بین کرتے پھر رہی ہے چار سو
جو اس ہوائے زہر کا بھی ہو سکے تو غم کرو
اس زمین پہ رہنے والو! اس زمیں کے واسطے
کچھ خدا کا خوف ہے تو بچے کم پیدا کرو[55]

جو لوگ منصوبہ آبادی کے اس پلان کو یہ سمجھ کر کہ وقفہ بہت ضروری ہے کے لیے منصوبے بناتے ہیں اور ہر دفعہ بیٹے کی خواہش میں یہ کہتے ہیں کہ یہ آخری بچہ ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی تعداد میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے۔لیاقت علی لیاقت نے " آخری بچہ " قطعہ میں ایسے ہی میاں بیوی کے درمیان ہونے والی منصوبہ بندی کی بحث کو مضحکہ خیز انداز میں بیان کیاہے کہ یہ خبر بھی ہمارے دشمنوں نے اڑائی ہو گی کہ آخری بچہ ہے۔ ہم تو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کریں گے۔ منصوبہ بندی والوں کا بیڑہ غرق ہو جن کے نت نئے منصوبوں نے ہمارا جینا دشوار کر دیا ہے۔

کون کہتا ہے خبر یہ آخری بچے کی ہے

یہ ہوائی بھی اڑائی دشمنوں نے بھائی ہے

کیوں نہ ستیاناس ہو منصوبہ بندی والوں کا

ہم توwelcomeکریں گے جو بھی نعمت آئی ہے[56]

گورنمنٹ جو بھی منصوبہ بناتی ہے کہ آبادی میں کنٹرول کیا جائے کہ عوام کو سہولیات میسر ہوں۔ ان کا رہن سہن ٹھیک ہو۔ لیکن اس کے برعکس اس کا نتیجہ نکلتا ہے کہ آبادی میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے ۔ چھوٹے چھوٹے گھر ہیں۔ کھانے کو کچھ نہیں لیکن اولاد ان گنت۔ اس حوالے سے افضل پارس طنزیہ انداز میں اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ تمھیں اس پر غصہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کے برعکس اس کے فائدے دیکھو۔اس کے لیے وہ " دلائل " میں لکھتے ہیں۔

جیسے جیسے لوگ ہمارے اچھے ہوتے جاتے ہیں

اک اک گھر میں 20,20 پیدا بچے ہوتے جاتے ہیں

غصے میں تم کیوں ہو پارس دیکھ کے مہنگے سوٹوں کو

یہ بھی دیکھو کتنے سستے کچھے ہوتے جاتے ہیں[57]

مہنگے کپڑوں کی طرف مت دیکھو بلکہ یہ دیکھو بچوں کے کے انڈرویئر کتنے سستے ہو گئے ہیں اس حوالے سے زندگی کا روشن پہلو دیکھو۔

افضل پارس نے اقبال کے مصرعے "بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا" کی تضمین استعمال کر کے " غیر پیداواری اخراجات" قطعہ میں پیروڈی کی ہے۔ خدا تعالیٰ کی رضا میں تو راضی نہیں ہوتا بیٹا پیدا کرنے کے سلسلے میں۔ تمھارے گھر میں مسلسل بیٹیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ لیکن تم خدا کی حکمت کو پھر بھی نہیں سمجھتا کہ تمھارے اخراجات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ تم نے اقبال کا یہ مصرعہ تو سنا ہوگا "بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا"

سدا دل میں رکھے گا خدا کا ہی جو ڈر پیدا
تو ممکن ہے تیرے گھر میں بھی ہو کوئی پسر پیدا
اسی جذبے سے کرتا جا مسلسل لڑکیاں پیدا
"بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا"[58]

آبادی میں اضافہ کی منظر کشی جو فیملی پلاننگ کے تمام منصوبوں پر پانی پھرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ جس کی منظر کشی لیاقت علی لیاقت نے "ساتھ" قطعہ میں مزاحیہ انداز میں کی ہے کہ میں نے بیگم کے ساتھ ایسا نبھایا ہے کہ ہر سال اللہ کی طرف سے معجزہ ہوتا گیا اور چند ہی سالوں میں ہماری اپنی کرکٹ ٹیم ہو گی۔

بیگم کا ساتھ میں تو نبھاتا چلا گیا
ہر سال معجزہ بھی دکھاتا چلا گیا

بیگم نے چند سال نبھایا جو پیچ پہ ساتھ
کرکٹ کی پوری ٹیم بناتا چلا گیا[59]

زندگی بھر ساتھ نبھانے کے بجائے شاعر نے مزاحیہ انداز میں آبادی میں اضافے کا باعث بننے کا ساتھ ایسا نبھا یا کہ پوری ٹیم تیار ہو گئی۔

افضل پارس نے بھی اسی موضوع کے حوالے سے "لال بیگ -مات" کے قطعہ میں ان شوہروں کا نقشہ طنزیہ انداز میں بیان کیا ہے۔ جو دن رات فارغ ہوتے ہیں۔ انھیں اور کوئی کام نہیں ہوتا۔ ہر وقت بیوی کی جی حضوری میں لگے رہتے ہیں۔ وہی فارغ البال معاشرے میں آبادی کے اضافے کا باعث بنتے ہیں۔ افضل پارس اس حوالے سے طنز کرتے ہیں کہ یہ شوہر بھی آبادی کنٹرول نہیں ہونے دیتے۔

جو بیوی کے ڈر سے اس کی امدادی بن جاتے ہیں
وہ دربار میں بیوی کے، تب فریادی بن جاتے ہیں
دن اور رات فراغت میں جب ایک ہی جیسے لچھن ہوں
تیرے جیسے پھر تو وجہء آبادی بن جاتے ہیں[60]

لیاقت علی لیاقت نے اپنے مزاحیہ انداز میں فقیر کی طرف سے دی جانے والی دعا کو یہ کہہ کر اسے بدلنے کو کہا کہ میرے گھر میں پہلے ہی درجن بچوں کی ٹیم ہے۔ مجھے مزید بچوں کی دعا نہ دو اس حوالے سے شاعر نے قطعہ "دعا" میں اس باپ کی حالت کو مزاحیہ انداز میں بیان کیا ہے۔ جو اولاد کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے اور اگر کوئی فقیر یہ دعا دے کہ اللہ تمھیں درجن بچوں سے نواز دے تو اس شخص کی کیا حالت ہو گی۔

مجھے ایک فقیر نے دی ہے دعا
اللہ تجھے درجن بچوں سے نوازے

ہے بچوں کی ایک ٹیم پہلے ہی گھر میں
میرے حق میں بابا نہ ایسی دعا کر[61]

لوگ تو ویسے ہی فقیروں سے دعائیں لیتے ہیں لیکن شاعر نے مزاحیہ انداز میں فقیر کو بچوں کی دعا دینے کی وجہ سے اسے منع کر دیا کہ مجھے درجن بچوں کی دعا نہ دو یہ میرے لیے بد دعا سے کم نہیں۔

بچوں کی پے در پے آمد نے گھر والوں کی پریشانی میں اضافہ کر دیا ہے۔ ایسے ہی ایک باپ سے جب ان کی

زیادتی کے بارے میں پوچھا گیا تو وہ مزاحیہ انداز میں کہتا ہے کہ مجھ سے گھر کی چابی گم ہو گئی ہے۔

سرور جالندھری نے اپنے قطعہ "چابی" میں "چابی" لفظ کو ایہام گوئی کے حوالے سے استعمال کر کے مزاح کی چاشنی پیدا کی ہے۔

چلے آتے ہیں بچے منہ اُٹھائے

زیادہ گھر کی نفری ہوگئی ہے

سبب اس کا جو گھر والے سے پوچھا

وہ بولا مجھ سے چابی کھو گئی ہے[62]

رخسانہ نازی بھی ایسی عورت کی درد بھری کہانی مزاحیہ انداز میں بیان کر رہی ہیں۔ جو بچوں کی کثرت پر روتی پیٹتی رہتی ہے۔ خاوند کو غصّہ ہوتی ہے۔ شاعرہ مزاحیہ انداز میں کہتی ہیں کہ ہر بچہ اللہ کی مرضی سے دنیا میں آتا ہے۔ ایسے میں چابی، کیسٹ اور سبز ستارہ کی علامتیں استعمال کر کے مزاح کیا ہے کہ اِن سب چیزوں کی اس کے آگے نہیں چلتی۔

روتی پیٹتی رہتی ہے ہر روشن آراء کیا ہو گا

تھک کر گھر آتا ہے شوہر بچارہ کیا ہو گا

اللہ کی مرضی سے آتا ہے ہر بچہ دنیا میں

اس موقع پر چابی، کیسٹ، سبز ستارہ کیا ہو گا[63]

ج۔شادی کی صورتیں:

i۔عقد ثانی:

ہمارے مذہب میں ویسے تو دوسرا نکاح کرنے کی اجازت ہے اس کو معیوب نہیں سمجھا جاتا کیونکہ معاشرے میں جس طرح عورتوں کی تعداد مردوں کی نسبت زیادہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمانے میں بھی جب جنگیں زیادہ ہوتی تھیں۔ عورتیں بیوہ ہو جاتی تھیں تو بیوہ سے نکاح کرنے کی ترغیب کی جاتی تھی تاکہ معاشرے میں بگاڑ پیدا نہ ہو لیکن ہم نے ہندوانہ رسم و رواج کو اپنا لیا ہے۔ اس کی وجہ سے معاشرے میں دوسری شادی کرنے والے کو عجیب سمجھا جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہمارے شعراء نے بھی اس موضوع پر بے شمار نظمیں اور غزلیں تحریر کی ہیں جس میں دوسری شادی کرنے والوں کی کیا حالت ہوتی ہے اگر پہلی بیوی موجود ہے تو وہ خاوند کے ساتھ کیسا سلوک کرتی ہے۔اسی طرح مرد کی فطرت میں ہے کہ گھر میں بیوی کے ہو تے ہوئے دوسرے کی بیوی یا بہن اچھی لگتی ہے۔دوسری شادی کرنے کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں۔اس حوالے سے دیکھا جائے تو اس کی کئی قسمیں ہیں کوئی اس لیے کرنا چاہتا ہے کہ اسے اپنی بیوی پسند نہیں کوئی اس لیے کرنا چاہتا ہے کہ اس کی اولاد نہیں ہے۔

نذیر احمد شیخ نے "عقد ثانی" کے موضوع پر پیروڈی کے انداز میں ایک نظم لکھی ہے۔جو علامہ اقبال کی مشہور نظم "حقیقت حسن" کی پیروڈی ہے۔جس میں الفاظ کی ہیر پھیر سے وہی اندازِ تخاطب اختیار کیا گیا ہے۔

میاں سے بیوی اک روز یہ سوال کیا
مرے سوا بھی کسی کا کبھی خیال آیا؟
ملا جواب کہ اب قحبہ خانہ ہے دنیا

فریبِ قلب و نظر ہے دنیا
حرام ہم پہ ہے بیگم مگر نمود اس کی
تمھیں وہ ہو کہ محبت حلال ہے جس کی
کہیں قریب تھا یہ گفتگو نضر نے سنی
زبانی اس کے محلے کے ہر بشر نے سنی
سنی میاں سے سنائی گئی پڑوسن کو
غرض وہ بات بتادی کسی نے سوتن کو
پھلائے سوت نے غصے میں گال شلغم سے
پٹخ کے توڑ دی ہانڈی زمین پر دھم سے
گلی سے شام کو روتا ہوا کہار گیا
میاں جو سامنے آیا تو کھا کے مر گیا[64]

میاں بیوی کے درمیان میں ہونے والی گفتگو پڑوسن کے ذریعے سوتن تک پہنچ جاتی ہے اور پھر وہ سوتن اپنے خاوند کی کیا دُرگت بناتی ہے۔ اس صورت واقعہ کو نذیر احمد شیخ نے اقبال کی پیروڈی کی شکل میں پیش کیا ہے۔

دلاور فگار دوسری شادی کے خواہش مند حضرات کے بارے میں کہتے ہیں کہ بچوں کی شادیاں ہو جانے کے بعد بھی یہ حسرت ہوتی ہے کہ اب اپنی بھی دوسری شادی کر لی جائے۔

شادیاں بچوں کی میں سب کر چکا
صرف اپنا عقد ثانی اور ہے[65]

سارے فرائض سے فارغ ہو جانے کے بعد اپنا دوسرا نکاح کرنے کی خواہش ہمارے معاشرے میں تمام مردوں کے اندر موجود ہے۔

اعجاز گیلانی چوتھا نکاح ہو جانے کے بعد اس شوہر کی دعا مزاحیہ انداز میں بیان کر رہے ہیں۔ جو اس بات کی آرزو کرتا ہے کہ میں رنڈوا ہو جاؤں کوئی بات نہیں لیکن تمھیں بیوہ نہیں ہونا چاہیے۔

متاع عقد چہارم! میری دعا ہے یہی
خدا کبھی تجھے اس دکھ سے آشنا نہ کرے
اگر ہو جاؤں میں رنڈوا تو کوئی بات نہیں
ہو جائے بیوہ تو ایسا مگر خدا نہ کرے[66]

اس میں انہوں نے زبان زدِ عام مصرعے "خدا کبھی تجھے کسی طوفان سے آشنا نہ کرے" کی تحریف نگاری "کر کے طوفان" کی جگہ "دکھ "کا لفظ استعمال کر کے مزاحیہ رنگ بھرا ہے۔

خالد عرفان نے "میں خیال ہوں کسی اور کا مجھے سوچتا کوئی اور ہے" کی لَے میں مزاحیہ پیروڈی کی ہے۔اس غزل میں اچانک دوسرے نکاح کے ہو جانے کا تذکرہ کچھ اس انداز میں کرتے ہیں کہ میری اہلیہ کو بھی اس کی خبر نہیں کہ

کسی تجربے کی تلاش میں مرا عقد ثانوی ہو گیا
مری اہلیہ کو خبر نہیں مری اہلیہ کوئی اور ہے[67]

بچوں کی شادی کرنے کے بعد باپ اپنا نکاح کرنے کا سوچتا ہے اس کے لیے اپنے آپ کو جوان کرتا ہے یہاں تک کہ اپنے سر کے بال سیاہ کر لیتا ہے بڑھاپے میں جوان اولاد کے ہوتے ہوئے جب اولاد پیدا ہوتی ہے تو مبشر خورشید نے اس کو مزاحیہ انداز میں لکھا ہے۔

سر سیہ سارے کا سارا پھر دوبارہ ہو گیا
باپ بچوں کو بیاہ کر پھر کنوارا ہو گیا
نام امی کا قمر اور باپ کا ہے آفتاب
آج ان کے گھر میں اک پید استارا ہو گیا[68]

سرفراز شاہد پہلی شادی کے بعد دوسری شادی کو چکن سے تشبیہ دے رہے ہیں جب سبزی کے بعد چکن کھایا جائے تو جو کیفیت ہوتی ہے ایسے ہی پہلی شادی کے بعد دوسری شادی کی ہوتی ہے۔

عقد ثانی کا مزا پوچھا تو بولے شیخ جی

ایسے لگتا ہے چکن چکھا ہے ترکاری کے بعد[69]

انسان خوب سے خوب تر کی تلاش میں سر گرداں ہوتا ہے جو حسن پرست مرد ہوتے ہیں ایک پر اکتفا نہیں کرتے ان کا کام ہی شادیاں کرنا ہوتا ہے طنزیہ انداز میں سرفراز شاہد کہتے ہیں۔

بیویاں چار ہیں اور پھر بھی حسینوں سے شغف

بھائی تو بیٹھ کے آرام سے گھر بار چلا[70]

ای ڈی اظہر نے پیروڈی کے حربے کو استعمال کرتے ہوئے "کمر باندھے ہوئے سب تیار بیٹھے ہیں" کہ مصرعے میں ردوبدل کر کے دوسری شادی کی خواہش مند حضرات کے جذبات کی عکاسی کی ہے۔ ساری غزل دوسری شادی کی آرزو رکھنے والے لوگوں کے دل کی ترجمانی کرتی ہے۔

کراچی میں کمر باندھے ہوئے سب یار بیٹھے ہیں

جو بیاہے جا چکے اک بار پھر تیار بیٹھے ہیں

جسے دیکھو وہی ہے دوسری بیوی کے چکر میں

غنیمت ہے موجود جو یہاں دو چار بیٹھے ہیں

نہ چھیڑ اے شیخ ہم یونہی بھلے چل راہ لگ اپنی

تجھے تو بیویاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

نہ کرلیں چار جب تک شیخ جی کیوں دم لگے لینے

وہ دو کر کے بھی کہتے ہیں کہ ہم بیکار بیٹھے ہیں[71]

ساری غزل کا قافیہ ردیف وہی ہے جو آتش کی غزل کا ہے لیکن اس کو دوسری شادی کی خواہش رکھنے والے لوگوں کے حوالے سے پیروڈی کر کے لکھا ہے۔

ڈاکٹر انعام الحق جاوید نے اس شوہر کی دلی کیفیت کو مزاحیہ انداز میں بیان کیا ہے جس کی دو بیویاں ہیں اور وہ

دونوں کو خوش رکھنے کے لیے کیا کیا جتن کرتا ہے ملاحظہ ہو۔

مجھ کو پیاری ایک جیسی تم بھی ہو اور وہ بھی ہے
میرے دل کی بے قراری تم بھی ہو اور وہ بھی ہے
کیا عجب ہے میں تو آدھا آدھا تم دونوں کا ہوں
اور مری ساری کی ساری تم بھی ہو اور وہ بھی ہے[72]

مشرق تو مشرق مغرب میں بھی دوسری تیسری شادی کی جاتی ہے لیکن ان کے ہاں شادیاں ہمارے جیسی نہیں ہوتی ہیں بلکہ مادہ پرستی کی دوڑ میں اس حد تک آگے نکل گئے ہیں۔ اسی کو ڈاکٹر انعام الحق جاوید نے طنزیہ انداز میں کہا ہے کہ دو سال میں اس کی پانچویں شادی ہے۔

یوں تو مغرب پورے کا پورا ہی مادہ پرست
کچھ زیادہ ہی ہے یہ جذبہ بلند اقبال میں
اور کیا دوں اس کی اب مادہ پرستی کا ثبوت
پانچویں شادی ہے اس کی خیر سے دو سال میں[73]

دوسری شادی کی خواہش ہر شوہر کے دل میں موجود ہوتی ہے ایک بیگم سے سے جلد ہی دل اکتا جاتا ہے اٹھتے بیٹھتے بیگم کو طعنے دیتا رہتا ہے کہ تم نے میرا جینا دو بھر کر دیا ہے اور دوسری شادی کی سبیل کرتا رہتا ہے۔ مرزا عاصی اختر بھی ایسے ہی شوہر کی خواہش کا اظہار کر رہے ہیں کہ مجھے اپنے ملک جانے کا ویزا مل جائے پھر وہاں جا کر میں دوسری شادی کر سکوں۔ "لطف درہم "قطعہ میں کہتے ہیں۔

بھیج مسقط کا اے خدا ویزا
لطف درہم کا ہم بھی فیل کریں
ایک درم ہم پہ نقد کا کھل جائے

دوسرے عقد کی سبیل کریں[74]

ہمارا مذہب جب جس طرح چار شادیوں کی اجازت دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ مردوں کو اسلام صرف چار شادیوں میں یاد رہتا ہے۔ یہاں اسلام کا ذکر آتا ہے ان مردوں کو اسلام میں دی جانے والی شادیوں کی گنجائش یاد آتی ہے۔ یہ ذہن میں نہیں رہتا کہ اسلام کن بنیادوں پر اتنی شادیوں کی اجازت دیتا ہے۔ عبیر ابو ذری بھی دو بیویوں کے شوہر کو اس بات پر اکسارہے ہیں کہ تم دو پر ہی قناعت نہ کرو۔ ہمارا مذہب دو اور کی بھی اجازت دیتا ہے۔ مزاحیہ انداز میں علامہ اقبال کے مصرعے "قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بُو پر" کی پیروڈی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تم ابھی سے گھبر اگئے ہمت کرو۔

قناعت نہ کر صرف دو بیویوں پر
شریعت میں دو بیویاں اور بھی ہیں
ابھی تو تجھے ایک چھینٹی لگی ہے
ابھی تو ترے امتحان اور بھی ہیں[75]

ڈاکٹر انعام الحق جاوید اپنے قطعہ "عقد لا ثانی" میں بھی کچھ اسی طرح کی حیرت کا اظہار کر رہے ہیں۔ مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں کہ کون یہ سمجھتا ہے کہ دوسری شادی کی حرکت عجیب و غریب ہے لیکن جس طرح ان کا بڑھاپے میں عقد ثانی ہوا ہے۔ وہ سب کے لیے اچنبھے کا باعث ہے جس کی وجہ سے عقد ثانی، عقد لا ثانی میں تبدیل ہو گیا ہے۔

کون کہتا ہے کہ حرکت غیر انسانی ہے یہ
پھر بھی یک دم آل پاکستان حیرانی ہے یہ
کیا بتاؤں خیر سے دادا ہیں وہ نانی ہے یہ
یہ عقد ثانی توبہ، توبہ عقد لا ثانی ہے یہ[76]

دو بیویوں کو برداشت کرنا اور ان کی فرمائشیں پوری کرنا بڑا دل گردے کا کام ہوتا ہے۔ آج کل کے زمانے میں ایک بیوی کی فرمائش پوری کرنا بہت مشکل ہے۔ مرزا عاصی اختر اپنے قطعہ " بھول جاتے ہیں " میں ایسے ہی شوہر کی دُرگت مزاحیہ انداز میں بنا رہے ہیں۔ جو عید کے موقع پر پر ایک کی فرمائش پوری کرتے کرتے دوسری کو گھبراہٹ میں گھر بھول جاتے ہیں۔

ہمیں تو اپنی دونوں بیویوں سے پیار ہے عاصی
مگر ہاں عید پر یہ بات اکثر بھول جاتے ہیں
بناتی ہے خریداری کی لمبی لسٹ ہے جب چھوٹی
بڑی والی کو گھبراہٹ میں گھر پر بھول جاتے ہیں[77]

وہ شوہر حضرات جو چھپ چھپا کر شادیاں کرتے ہیں۔ دوسروں کو معلوم نہ ہو سکے کہ انہوں نے دوسری شادی کی ہے۔ جس شہر میں جاتے ہیں وہاں شادی کر لیتے ہیں۔ اتنے دل پھینک واقع ہوئے ہیں کہ ہر جگہ ایک نئی دنیا بنا لیتے ہیں۔ اسی سلسلے کی عکاسی سرفراز شاہد مزاحیہ انداز میں یوں کرتے ہیں۔

کوٹھیاں دو ہیں بیویاں بھی دو
اک چھپانے کو اک دکھانے کو[78]

ایک جگہ یوں رقمطراز ہیں

نہیں شیخ کی ایک پنڈی میں زوجہ
کراچی میں دو بیویاں اور بھی ہیں[79]

ایسا شوہر جس کی دو بیویاں ہوں اس کی زندگی اس طرح سے وبالِ جان بن جاتی ہے۔ کبھی ایک بیوی اسے اپنی طرف کھینچتی ہے کبھی دوسری بیوی۔ گھر ان دونوں لڑاکا بیویوں کے درمیان میدانِ جنگ کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ ایسے شوہر کی جو حالتِ زار ہوتی ہے اس کی کیفیت کو محمد طہٰ خان نے مزاحیہ انداز میں لکھا ہے۔

جنگجو دو بیویوں کا ایک ہی شوہر ہوں میں
حق تو یہ ہے، کچھ یہاں ہے، کچھ وہاں ہے زندگی[80]

ڈاکٹر انعام الحق جاوید قطعہ "ختم شد" میں اس بزرگ کا قصّہ تمام کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ جس کی ساری زندگی شادیاں کرتے ہوئے گزر جاتی ہے لیکن اس کی جوانی ختم نہیں ہوتی۔ زندگی کے آخری سانسوں میں بھی تیسرا نکاح کر رہا ہوتا ہے۔ اس بابے پر طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں اس کے اس دنیا کے چلے جانے سے اس آنے والی چوتھی زنانی کا باب بند ہو جاتا ہے۔

ساٹھ پر آکر جوانی ختم شد

اور ستّر پر کہانی ختم شد

عقدِ ثالث کرکے بابا چل بسا

قصّہ ٔ چوتھی زنانی ختم شد[81]

ڈاکٹر مظہر عباس رضوی اپنی نظم "دیکھ کر" میں آج کل کے زمانے میں ماں باپ لڑکیوں کا رشتہ لڑکے کی ڈگری دیکھ کر نہیں کرتے کیونکہ آج کل کے زمانے میں ڈگریاں کام نہیں آتیں۔ جس طرح مہنگائی نے سب کے ہوش اڑا دیے ہیں۔ ماں باپ کی خواہشات بھی مادی ہوتی چلی جا رہی ہیں کہ لڑکا کماؤ ہو۔ ماں باپ یہاں تک نہیں دیکھتے کہ یہ مرد پہلے سے شادی شدہ ہے یا نہیں۔ ان پر طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

ڈگریوں کا ان پہ ہوتا ہی اثر کوئی نہیں

رشتہ دیتے ہیں فقط، اب تو کمائی دیکھ کر

شیخ صاحب خانہ عبرت نہ بن جائے یہ گھر

چار سے توبہ کریں، ایک سے پٹائی دیکھ کر[82]

لیاقت علی لیاقت کا قطعہ "بیویاں" اپنے اندر طنز و مزاح کی کلکاریاں لیے ہوئے ہے۔ جن کو ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کا جنون ہوتا ہے، پھر ان کی کبھی ایک سے درگت بنتی ہے، تو کبھی دوسری بیوی اس کو آنکھیں دکھاتی رہتی ہے۔ تیسری بیوی سونے پر سہاگہ شوہر کی ایسی پٹائی کرتی ہے کہ اس کو دن میں تارے دکھائی دیتے ہیں۔ جس میں انہوں نے "چپکے چپکے رات دن آنسو بہانا یاد ہے" غزل کی پیروڈی کی ہے۔

چپکے چپکے بیویوں کا بڑ بڑانا یاد ہے

اک نہیں تو دوجی کا آنکھیں دکھانا یاد ہے

ایک دن چپکے سے ہم آنکھیں چُرا کر چل دیئے
تیسری کا پاؤں میں "قینچی" لگانا یاد ہے[83]

مرزا عاصی اختر دو بیویوں کے حوالے سے زندگی جس کشمکش میں گزرتی ہے۔ شوہر ساری زندگی ان کی شکایتیں سنتے سنتے تنگ آجاتا ہے۔ سوکنیں ایک دوسرے کی جانی دشمن بن جاتی ہیں۔ ایسے میں شوہر دو بیویوں کے درمیان فٹبال بن جاتا ہے کبھی ایک بیوی اپنی طرف کھینچتی ہے تو کبھی دوسری۔

زندگی کن عداوتوں میں کٹی
سوکنوں کی شکایتوں میں کٹی[84]

چار بیویوں کی اجازت ہمارے مذہب اسلام میں ہی ہے۔ اس اصول کو مزاحیہ انداز میں جعفر رضوی اپنے قطعہ "چار بیویاں" میں کچھ اس طرح انداز سے بیان کرتے ہیں کہ ویسے تو غیر مذہب والے اسلام قبول نہیں کرتے لیکن اسلام کے اس اصول کے بارے میں معلوم ہوا تو فوراً ابشرف اسلام ہو گئے۔

مذہب کی خوبیاں اسے قائل نہ کر سکیں
بس ایک ہی اصول پہ قربان ہو گیا

جوں ہی سنا کہ چار بھی جائز ہیں بیویاں
فوراً وہ کلمہ پڑھ کے مسلمان ہو گیا[85]

انور مسعود دوسری شادی کی جو توضیع بیان کرتے ہیں۔ اس کو پڑھ کر بے اختیار ہونٹوں پر مسکراہٹ آجاتی ہے۔ اس دنیا سے جانے میں جو مسائل درپیش ہیں اگر وہ دوسری شادی کرلے تو پھر اس کی زندگی کا جو نقشہ ہو گا۔

توپھر وہ موت سے بھی نہیں گبھرائے گا۔اپنے قطعہ "ایک مشاعرہ میں" میں انور مسعود عقد ثانی کے فائدے مزاحیہ انداز میں بیان کر رہے ہیں۔

ابھی اپنی غزل پڑھ کر گئے ہیں حضرت انور
ردیف و قافیہ یہ تھا پیشانی سے مر جاتے
انھیں دقت بڑی درپیش تھی مرنے کے بارے میں
وہ کرتے عقد ثانی اور آسانی سے مر جاتے[86]

افضل پارس اپنے قطعہ "خصوصی پیکج" میں شوہر حضرات کو ان بیویوں سے نجات حاصل کرنے کے گُر بتا رہے ہیں۔ جنہوں نے ان کا جینا حرام کر رکھا ہے۔ ضروری تو نہیں کہ تم اسی ایک پر اکتفا کرو۔ مزاحیہ انداز میں اس
خصوصی مراعات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو اسلام نے مردوں کو دیا ہے۔

سکون غارت جو ہر لحظہ ہی کرتی ہے تمھارا یہ
اچانک کیا ہوئی نازل بلا، تیرے یہ سر کسی
جو کافر ہو، لکھا ہے، پھر تمھارا ایک ہی مرنا
مسلماں ہو، تو پھر پیارے "قناعت" ایک پر کیسی[87]

دوسری شادی کے یہاں فائدے ہیں وہاں نقصانات بھی ہیں۔ لیاقت علی لیاقت انھیں نقصانات کے حوالے سے طنزیہ انداز میں اپنے قطعہ "دوسری شادی" میں کہتے ہیں کہ لوگ اپنی عمر دیکھتے ہیں، نہ شکل بلکہ پوری کی پوری فوج دوسری شادی کے بہانے دیکھنے آجاتی ہے دوسری شادی کی آفر ہے تو بہترین لیکن بیگم کے ساتھ جو نئے بچے آئیں گے وہ میرا جینا دوبھر کر دیں گے۔

کیسے کیسے لوگ بیاہ اک اور کرانے آجاتے ہیں
ایک نہیں جی یہ تو پوری ٹیم دکھانے آجاتے ہیں
آفر اچھی لگتی ہے پر اس پہ لیاقت غور کرو

نئے بچوں کا کیا ہو گا جو شور مچانے آجاتے ہیں[88]

دو بیویوں کے درمیان میں ہونے والی ہاتھا پائی تمام محلے کے لوگ سنتے ہیں۔ سب کو بیٹھے بٹھائے ان کے گھر کے حالات سے آگاہی ہو جاتی ہے۔ خاوند خاموش تماشائی بنا دونوں کو لڑنے سے روکتا ہے۔ اپنے واسطے بھی دیتا ہے لیکن ان پر اس کی بات کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اسی کو مزاحیہ انداز میں مرزا عاصی اختر "تماشائی" قطعہ میں یوں لکھتے ہیں۔

اپنا شوہر ہے گر عزیز تمھیں
چھوڑ دو اب تو رزم آرائی
دیکھو اے سوکنانِ ہیبت ناک
کل محلہ ہوا تماشائی[89]

وہ مرد حضرات جن کو ایک کے بعد دوسری شادی کا چسکا لگا ہوا ہوتا ہے ابھی یہ حسرت لیے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس کی محبوبہ کے ساتھ شادی ہو جائے لیکن اس کے گھر والوں میں اس کا پوتا راضی نہیں ہوتا۔

امیر الاسلام ہاشمی نے ایسے ہی بوڑھا بوڑھی کی دوسری شادی کے لیے مچلنے والی آرزوؤں کا تذکرہ مزاحیہ انداز میں "کشمکش" قطعہ میں کیا ہے۔

کبھی کی ہو چکی ہوتی ہیں ہماری اور اک شادی
ہمارے درمیاں حائل جو اک پاجی نہیں ہوتا

وہ لڑکی اب بھی راضی ہے مگر شادی کرے کیسے
کہ اس لڑکی کا جو پوتا ہے، وہ راضی نہیں ہوتا[90]

پوتا پوتی ہو جانے کے باوجود اب بھی اس سے شادی کرنے کی خواہش ہے لیکن ظالم سماج "پوتا" اس شادی کو ہونے نہیں دیتا۔

انعام الحق جاوید ایک کے بعد دوسری شادی کے خواہش مند حضرات کو اس بات کا عندیہ دے رہے ہیں کہ اب چوتھی شادی نہیں ہونے والی۔ اس قطعہ میں "مسّرت اور فردوس" کو ذو معنی حوالے سے استعمال کیا ہے۔ جس سے زیرِ لب تبسّم کی فضاء پیدا ہوتی ہے۔

چوتھی شادی کی اجازت نہیں ملنے والی

اب کوئی اور مسّرت نہیں ملنے والی

جتنی آسانی سے حاصل ہوئی فردوس تجھے

اتنی آسانی جنّت نہیں ملنے والی[91]

شاہد الوری تو ایک شادی سے ہی گھبرا گئے ہیں۔ اس نے اُن کا جینا دوبھر کر دیا ہے۔ دوسری شادی کا خیال ہی اُن کے لیے وبالِ جان ہے۔ محاورے کا استعمال کر کے شعر میں مزاح پیدا کیا ہے۔

ایک شادی سے ہی میں بھر پایا

دوسری کا مجھے خیال کہاں

عقدِ ثالث جناب شیخ کریں

میں کہاں اور یہ وبال کہاں[92]

ii۔ محبوبہ سے شادی:

ازدواجی زندگی میں بیوی سے شادی ہو جانے کے باوجود خاوند کو ہمیشہ اس بات کا قلّق رہتا ہے کہ اُس کی شادی اس کی محبوبہ سے نہیں ہو سکی۔ محبوبہ سے شادی نہ ہونے کا غم اس کو ساری زندگی تڑپاتا رہتا ہے۔ اِسی حسرت کو شعراء نے اپنی بیوی ہونے کے باوجود دوسروں کی بیویوں کے اندر خوبیوں کو تلاش کرتے یا بیان کرتے

ہوئے تحریر کیا ہے۔ جس کے لیے کبھی وہ اپنی بیوی کا موازنہ دوسری عورت سے کرتے ہیں۔ کبھی اس کا موازنہ محبوبہ سے کیا جاتا ہے۔ جس کے ذریعے اپنی دبی ہوئی خواہشات کا اظہار کیا جاتا ہے گھریلو ناچاقی کا بڑا سبب بھی یہی محبوبہ اور اس کے حسن و جمال کے تذکرے ہیں۔ جس کو شعراء نے نہایت زیرک نگاہی سے دیکھنے کے بعد اپنے قلم سے اس کے بارے میں موشگافیاں کی ہیں۔ زیادہ تر تذکرہ محبوبہ کا ملتا ہے۔ کیونکہ طنز و مزاح میں زیادہ تر طبقہ مرد حضرات پر مشتمل ہے۔ وہ اپنی بیویوں کے ذریعے ناکام محبت کا رونا روتے نظر آتے ہیں۔ اس طرح وہ ذہنی آسودگی حاصل کرتے ہیں۔ انھیں طمانیت کا احساس ہوتا ہے۔ درپردہ اپنی بیو یوں کے ذریعے معاشرے کی دیگر عورتوں کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔

جس طرح شاعری میں عاشق، محبوب اور رقیب کا تذکرہ ہمیں ملتا ہے۔ اسی طرح حقیقی زندگی میں بھی جب انسان کی وہاں شادی ہو جاتی ہے۔ یہاں آپ کی خواہش نہیں ہوتی تو خاوند ساری زندگی اپنے سینے میں اسی حسرت کو چھپائے پھرتا ہے کہ اس کی محبوبہ نہیں مل سکی۔ اسی طرح حقیقی زندگی میں جب عورت کی شادی ہو جاتی ہے۔ تو وہ بھی اپنی اس خواہش کا تذکرہ کسی سے نہیں کرتی لیکن محبوب کی یاد دونوں کو تڑپاتی ہے۔ لیاقت علی لیاقت اپنے قطعہ "محبوب" میں مزاحیہ انداز میں محاورات کا استعمال کر کے محبوب کے عقّد کا قصہ سنا رہے ہیں۔

محبوب میرے ہاتھوں کے طوطے اڑا گیا
اور اپنے عقّدِ خاص کا قصہ سنا گیا
مجھ سے کہا کہ ضد نہ کرو مثلِ بچگاں
اور ساتھ مشکوٰۃ کا نسخہ تھما گیا[93]

محبوب کو ملنے کے لیے طرح طرح کی کوشش کرنی پڑتی ہے۔ گھر والوں کے سامنے حیل و حجت کرنی پڑتی ہے۔ گھر والوں سے چھپ چھپا کے محبوب کے گھر اگر پہنچ بھی جاتے ہیں۔ تو اس کے گھر والے اسے ملنے نہیں دیتے۔ اسی کیفیت کو خالد مسعود خان نے پنجابی الفاظ کا استعمال کر کے مزاحیہ انداز میں لکھا ہے۔

یہ المیہ ہے کہ اس کو ملنے میں جب کبھی لُک لُکا کے پہنچا

تو اس کی دادی دَمّے کی ماری ہمیشہ ہی اس وقت کھنگی[94]

محبوب ہمیشہ اپنے عاشق پر ظلم و ستم روا رکھتا ہے۔ اس کے ساتھ مخلص نہیں ہوتا۔ اسی طرح کی محبوبہ کے حوالے سے افضل پارس "ہارس ٹریڈنگ" قطعہ میں اظہار خیال کر رہے ہیں کہ وہ ایسی سفاک ہے۔ پل بھر میں مردوں کو مُردہ کر دیتی ہے۔ اس کے وار سے کوئی نہیں بچ سکا طنزاً کہتے ہیں۔

وہ ہے اک سفاک سی عورت جس پر تم ہو لٹّو
مخلص وہ نہ ہوگی چاہے پیش کرو تم گردہ
اس کے وار سے تم بھی دیکھو کوشش کر کے بچنا
وہ تو پل میں کر دیتی ہے مردوں کو بھی مُردہ[95]

وقت کے ساتھ ساتھ جیسے جیسے زمانے میں نت نئی تبدیلیاں آرہی ہیں۔ اسی طرح محبت کے طور طریقے بھی بدلتے جا رہے ہیں۔ وہ زمانہ گیا جب محبوبہ کے خط کا انتظار کیا جاتا تھا۔ دنیا ایک گلوبل ولیج بن چکی ہے۔ جس کی بدولت محبوبہ کا خط منٹوں میں پہنچ جاتا ہے۔ محبوبہ سے گھر بیٹھے ملاقات ہو جاتی ہے اس کی تصویر موبائل میں ہوتی ہے۔ ایک بٹن دبایا اور اس کو دیکھ لیا۔ سر فراز شاہد بھی "ویب سائٹ" میں آج کل کے محبوب کا مزاحیہ انداز میں کارنامہ بتا رہے ہیں۔

میں نہیں اب نامہ بر کا منتظر
ان کی جب ای میل آئی دیکھ لی
اب تو انٹرنیٹ میں ہے تصویرِ یار
یونہی ویب سائٹ ملائی دیکھ لی[96]

اپنی بیگم کے ہوتے ہوئے محبوب کی گلی کے چکر لگاتے رہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کی جو درگت بنتی ہے۔ اس کو ارشد محمود ناشاد نے مضحکہ خیز انداز میں بیان کیا ہے۔

کوئے جاناں میں جو جاتے ہیں بہت
جوتیاں سر پر وہ کھاتے ہیں بہت

رعب نوکر پر جماتے ہیں بہت
مار بیگم سے جو کھاتے ہیں بہت[97]

عاشق کے لیے سب سے بڑا زخم یہ ہوتا ہے کہ جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ وہی اس کی محبت کا جواب محبت سے نہیں دیتا بلکہ اگر وہ اس کو عید پر عید کارڈ لکھ بھیجتا ہے۔ اس کے جذبات کے ساتھ اس طرح کھیل جاتا ہے کہ کارڈ پر اسے بھائی جان لکھ دیتا ہے۔ سرفراز شاہد نے ایسے ہی محبوب کی طرف سے بھیجے جانے والے کارڈ کا تذکرہ اپنے قطعہ "القاب" میں مزاحیہ انداز میں کیا ہے۔

اب کے پھر عید کارڈ میں اس نے
لفظ اک بے دھیان لکھا ہے
پھر میری عید کرکری کر دی
پھر مجھے بھائی جان لکھا ہے[98]

اکیسویں صدی میں انٹرنیٹ کی آمد کے ساتھ ہی محبوبہ سے ملاقات کے طریقے بھی بدل گئے ہیں۔ پہلے محبوبہ سے ملنے کے لیے اس کی گلی کے چکر لگائے جاتے تھے۔ شعراء حضرات بھی اپنی شاعری میں عاشق کے محبوبہ کی گلی کے چکر لگاتے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ آج کل شعراء حضرات بھی محبوبہ کی گلی کے بجائے انٹرنیٹ پر ہی محبوبہ سے ملاقات کرتے نظر آتے ہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ چیٹنگ کرتے ہیں اور جب ملاقات کی جاتی ہے۔ تو پھر اصل حقیقت طشت ازبام ہوتی ہے۔ لیاقت علی لیاقت بھی ایسی ہی ملاقات کا تذکرہ مزاحیہ انداز میں انٹرنیٹ قطعہ میں کر رہے ہیں۔ جب محبوبہ کو اصلی شکل میں دیکھ کر ہکّا بکّا رہ گیا۔

انٹرنیٹ پہ روز میں اپنے دلبر سے چیٹنگ کرتا
چیٹنگ کے دوران وہ دلبر بے شک سگھڑا نکلا
اک دن دلبر نے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا
وہ جب سامنے آیا تو میرا ہی پھپھڑا نکلا[99]

سرفراز شاہد بھی "نیو میلینیم" قطعہ میں آنے والی تبدیلیوں کے حوالے سے مزاحیہ انداز میں محبوبہ کے ملنے کا تذکرہ کر رہے ہیں۔ اس مادی دور میں محبوبہ سے محبت بھی مادی ہو چکی ہے۔ ایک دوسرے کو ای۔ میل کے

ذریعے پیغام بھیجا جاتا ہے۔ ترقی کی اس دوڑ میں انسان جذبات اور احساسات سے عاری ہو تا چلا جا رہا ہے

ای میل بھیج دی ہے اس نے ملا کے نظریں
محبوب کا نرالا انداز ہو چکا ہے
ہوں گی محبتیں بھی اب کمپیوٹرانہ
اکیسویں صدی کا آغاز ہو چکا ہے[100]

جو شوہر بیوی کے ہوتے ہوئے محبوبہ کے ساتھ ہر وقت گھومتے رہتے ہیں۔ کبھی کہاں جاتے ہیں تو کبھی کہاں۔ دل میں حسرت وارمان لے کر وہ اس کے ساتھ ساتھ ہوتے ہیں۔ اسی حوالے سے افضل پارس نے اسے "آتش گیر مادہ" قطعہ میں آتش گیر مواد سے تشبیہ دی ہے کہ وہ بیوی کے ہوتے ہوئے ایسا ہی آتش گیر مادہ لے کر گھوم رہا ہے۔ جو کسی وقت بھی پھٹ سکتا ہے مزاحیہ انداز میں تضمین کا استعمال کیا ہے۔

دل میں ادھورے سینکڑوں ارماں لیے ہوئے
اِک آگ سی ہے ساتھ وہ ناداں لیے ہوئے
وہ جا رہا ہے روز ہی بلّو کے ساتھ جو
"تو پھر رہا ہے موت کا ساماں لئے ہوئے"[101]

ضیاء الحق قاسمی محبوبہ کی قسم بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مال ومتاع کسی کو متاثر کرنے کے لیے بہت بڑی چیز ہے۔ یہاں تک کہ شاعر محبوبہ کے حوالے سے طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کی بدولت محبوب دروازے تک آجاتا ہے۔ یہ ہمارے معاشرے کی بے حسی ہے دولت کی چمک دمک محبوب کو اس کے دروازے تک لے آتی ہے۔

دولت بھی عجیب چیز ہے اس دور میں بھیا

محبوب بھی آتا ہے لب بام فٹافٹ[102]

عبیر ابوزری نے علامہ اقبال کی نظم "ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں"" ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں "کے مصرعے کو پیروڈی کے انداز میں عاشق اور محبوبہ کے حوالے سے سے تحریر کیا ہے۔ جس میں اسے حوصلہ دیا جارہاہے کہ ابھی منزل بہت آگے ہے۔ اگر وہ تمھارے ساتھ نہیں آتی تو فکر کی بات نہیں۔ بہت سی حسینائیں آنکھیں بچھائے ہوئی ہیں۔

"ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں"
پرے سے پرے سے پرا اں اور بھی ہیں
ابھی تو تجھے ایک پھینٹی لگی ہے
ابھی تو ترے امتحاں اور بھی ہیں
وہ اک نار ہی تو جلاتی نہیں ہے
محلے میں چنگاریاں اور بھی ہیں
وہ کھڑکی نہیں کھولتی تو نہ کھولے
نظر میں میرے باریاں اور بھی ہیں[103]

عبیر ابوزری نے محبوبہ کو چنگاری کی مانند قرار دیا ہے۔ جو جلاتی ہے اور جلا کر بھسم کر دیتی ہے اگر وہ نہیں ملتی تو اور بہت سی چنگاریاں موجود ہیں۔

سر فراز شاہد نے محبوبہ کے نہ ملنے پر ہو بہو اس کی فوٹو سٹیٹ بنانے کی دھمکی دی ہے۔ فوٹو اسٹیٹ محبوبہ میں مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں کہ تم اگر نہ ملی تو میں تمھارے خلیے سے ایک حسینہ کلون کرلوں گا۔ جو ہو بہو تمھاری کاپی ہو گی۔ وہ ہنسے گی تم کو رلائے گی۔ پھر تمھیں نیند کہاں آئے گی۔

تو نے ٹھکرا دیا ہمیں جاناں
ہم بھی ایسی تیری خبر لیں گے

بائیو ٹیکنیک کی مدد سے ہم
اپنا دامن خوشی سے بھر لیں گے
یعنی تیرے بدن کے خلیے سے
ایک حسینہ کلون کرلیں گے
وہ حسینہ جو خوش ادا ہو گی
زندگی میں بہار لائے گی
جاناں ِجاں تیری ہو بہو کاپی
میرے پہلو میں مسکرائے گی
وہ ہنسے گی تجھے رُلائے گی
پھر تجھے نیند کیسے آئے گی[104]

شاعر نے سائنٹیفک ٹیکنیک کا ذکر کیا ہے۔ موجودہ زمانے میں اگر تم نہیں ملتی تو بائیو ٹیکنیک کے ذریعے ہم تم جیسی حسینہ پیدا کریں گے۔ جو تمھاری کاپی ہو گی۔

نیاز سواتی موجودہ زمانے کی محبوباؤں کا تذکرہ کرتے ہوئے مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں کہ محبوبہ کا کام ہی ناز برادری اٹھوانا ہے۔ پہلے بھی ناز نخرے دکھایا کرتی تھی۔ اب بھی یہی کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ نئے دوستوں سے بھی اس کی دوستی جاری ہے۔

ادھر تو ناز برادری جو پہلے تھی سو اب بھی ہے
ادھر محبوبہ انکاری جو پہلے تھی، سو اب بھی ہے
نئے یاروں سے بھی اس شخص کی صاحب سلامت ہے
ہمارے ساتھ بھی یاری جو پہلے تھی، سو اب بھی ہے[105]

اطہر شاہ جیدی محبوبہ سے شادی نہ ہونے کا رنج اس انداز سے کرتے ہیں کہ سب سے بڑا غم یہی ہے کہ محبوبہ کی اولاد آپ کو ماموں کہے۔ ناکام عاشق ہر دکھ سہہ جاسکتا ہے لیکن محبوبہ کے بچوں کا ماموں کہنا بڑا معیوب لگتا ہے۔

ناکام محبت کا ہر اک دُکھ سہنا
ہر حال میں انجام سے ڈرتے رہنا
قدرت کا بڑا انتقام ہے جیدی
محبوبہ کی اولاد کا "ماموں" کہنا[106]

محبوب کو پانے کے لیے کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ اس کے ماں باپ کے آگے گھٹنے ٹیکنے پڑتے ہیں اور محبوبہ کا ابا اگر پہلوان ہو تو شادی کا امکان مشکل ہی دکھائی دیتا ہے۔ شاعر محبوبہ سے شادی نہ ہونے کی وجوہات کو مزاحیہ انداز میں کہتا ہے کہ ویسے تو ہماری شادی ہو جانی تھی۔ اس کا ابا پہلوان تھا، اس کی وجہ سے یہ ہوتے ہوتے
رہ گئی۔ ڈاکٹر اسامہ منیر لکھتے ہیں۔

اس کا ابّا ہی پہلوان تھا اچھا خاصا
ورنہ شادی کا تو امکان تھا اچھا خاصا
اماں سے پریشان نہ تھا میں ہی فقط
میرا ابا بھی پریشان تھا اچھا خاصا

اس کے بچے نہیں تھکتے مجھے ماموں کہتے
جس کی جانب میرا رجحان تھا اچھا خاصا[107]

شاہد الوری نے تو غالب کے مصرعے کی ہو بہو پیروڈی کی ہے کہ "کوئی امید بر نہیں آتی"

"کوئی امید بر نہیں آتی"

وعدہ کرتی ہے پر نہیں آتی

وصل کی ہم کو اس پری رو سے

کوئی صورت نظر نہیں آتی[108]

محبوبہ ملنے کے لیے وعدہ کرتی ہے لیکن نہیں آتی ہے۔ اس پری چہرہ سے ملاقات کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

محبوبہ سے ملنے کے لیے نئے طریقے اور راستے ایجاد ہو گئے ہیں۔ رؤف رحیم مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں کہ اب پرانے دور کی طرح محبوبہ سے ملنے کے لیے نامہ بر کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ

ہے ٹیلی فون گھر میں مری دلربا کے بھی

مجھ کو نامہ بر سے سروکار ہی نہیں[109]

ٹیلیفون نے محبوبہ سے ہر وقت ملنے کے اسباب بڑھا دیئے ہیں۔ اس کے لیے اب کسی قاصد کی محتاجی نہیں کرنی پڑتی۔

سر فراز شاہد ہیر اور رانجھا کی روایتی محبت کے بر عکس آج کل کی جدید ہیر اور رانجھا کا تذکرہ اس انداز سے کرتے ہیں۔ آج کل ہیر اور رانجھا ملتے ہیں تو چائے یا برگر پر ٹرخا دیتے ہیں۔ پھر بھی طرح آج کل کی ماڈل ہیر رانجھا کے لیے لنچ میں چُوری نہیں بنا کر لاتی۔

اب چائے سے کرتی ہے وہ رانجھے کی تواضع

خوراک جو ہوتی ہے ضروری نہیں لاتی

دونوں ہی کسی بار میں کھا لیتے ہیں برگر

اب ہیر کبھی لنچ میں چُوری نہیں لاتی[110]

iii۔ میم سے شادی:

ہمارے ہاں مشرق کی نسبت اس بات میں فخر محسوس کیا جاتا ہے کہ مغرب میں کسی ایسی لڑکی سے شادی کی جائے جو امیر ہو اس کی بدولت ہماری نوجوان نسل ایک تو باہر چلی جاتی ہے۔ ان کی بیوی وہاں کی نیشنیلٹی ہولڈر ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے اسے بھی باہر جانے کا ٹکٹ مل جائے گا۔ اس طرح ہمارے نوجوان بیرون ممالک کو یہ سمجھتے ہیں کہ وہاں چلے جانے سے ان کی قسمت کھل جائے گی۔ وہاں انھیں کچھ کام نہیں کرنا پڑے گا بلکہ کسی میم سے شادی کر لینے کے بعد ان کی زندگی عیش وسکون سے گزرے گی۔ اگر ایسا نہیں بھی

ہوتا تو یہی نوجوان جو اپنے ملک میں کام نہیں کرتے وہاں جوتے تک پالش کر رہے ہوتے ہیں۔ وہاں کی چکا چوند زندگی ہماری ازدواجی زندگی سے بالکل مختلف ہے۔ وہاں شادی سے پہلے ہی دونوں مل کر اکٹھے رہتے ہیں۔ جس میں وہ عار محسوس نہیں کرتے۔ جبکہ اس کے برعکس ہمارا مشرقی معاشرہ اس بات کے سخت خلاف ہے کہ لڑکا لڑکی شادی سے پہلے اکٹھا رہے۔ اسی حوالے سے اس معاشرت پر ڈاکٹر انعام الحق جاوید طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

مغرب میں قول و قرار ہو گئے شادی نہیں ہوئی
سب کاروبار ہو گئے شادی نہیں ہوئی
کتنا عجیب رواج ہے مغرب میں آج کل
بچے بھی چار ہو گئے شادی نہیں ہوئی[111]

وہاں شادی سے پہلے ہی سب کچھ ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کے چار بچے بھی ہو جاتے ہیں لیکن ان کی شادی نہیں ہوتی۔ شادی سے پہلے ہی شادی شدہ زندگی بسر کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اسی طرح "میم سے

شادی" میں ڈاکٹر انعام الحق جاوید لکھتے ہیں کہ اتنے سال اکٹھے رہنے کے باوجود نہ مجھے انگریزی آئی، نہ اس کو اردو آئی ہمارے سادہ لوح لوگ وہاں جا کر بھی اپنی حرکات و سکنات نہیں بدلتے۔ شاعر مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں۔

زمستانی ہوا میں گرچہ تھی شمشیر کی تیزی
"نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آداب سحر خیزی"
مگر چھ سال تک بنگلے میں اس کے ساتھ رہ کر بھی
نہ آئی اس کو اردو اور نہ آئی مجھ کو انگریزی[112]

ڈاکٹر انعام الحق جاوید میم سے شادی میں مزاحیہ انداز میں ایک حقیقت کا ادرک کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میم سے شادی یہاں فریب نظر ہے، وہاں اس سے شادی ہمیں سیدھا امریکہ کا ویزا لگواتی ہے۔ اس میں بظاہر کوئی ایسی بات نہیں لیکن شاعر طنزاً کہتا ہے۔ میں نے جس دوشیزہ کے لیے جال بچھایا ہے وہ کوئی مونالیزا نہیں ہے۔ عام سی لڑکی ہے لیکن اس کا فائدہ یہ ہے۔ اس کی بدولت میں سیدھا امریکہ چلا جاؤں گا۔ جو گھاٹے کا سودا نہیں ہے۔

میری نظر کے جال میں اب جو امریکی دوشیزہ ہے
اس سے شادی سیدھا سیدھا امریکہ کا ویزہ ہے
بے شک مجھ میں نہیں ہیں کوئی ہیرے موتی لگے ہوئے
وہ بھی تو اک عام شے ہے کونسی مونا لیزا ہے[113]

ہمارے نوجوان جو بظاہر اعلی تعلیم حاصل کرنے کے لیے باہر جاتے ہیں لیکن ماں باپ کو جو ڈر اور اندیشہ ہوتا ہے کہ وہاں سے میم لے کر آئیں گے۔ اسی حوالے سے ڈاکٹر انعام الحق جاوید طنزیہ انداز میں خدشے کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

وہ ڈگری کی بجائے میم لے کر لوٹ آیا ہے

ملا تھا داخلہ جس کو سمندر پار کالج میں[114]

ماں باپ جو ان کی تعلیم کے لیے تن من دھن لگا دیتے ہیں کہ بیٹے کو سمندر پار داخلہ مل جائے۔ بیٹے صاحب اس کے بجائے میم لے کر پاکستان لوٹ آتے ہیں تاکہ معاشی طور پہ مستحکم ہو سکیں۔

شادی کے چند ہی دنوں میں حالات طشت از بام ہو جاتے ہیں۔ اسی مناسبت سے ڈاکٹر انعام الحق جاوید نے " میم سے شادی" کے قطعہ میں انگریزی زبان کے الفاظ (Love, above, overاورdove) کو مزاح کے حوالے سے استعمال کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

میرج میں سے Love نکل گئی

over اینڈ above نکل گئی

شادی کو چھ روز ہوئے تھے

باز کے ہاتھ سے dove نکل گئی[115]

ڈاکٹر انعام الحق جاوید اپنے قطعہ " دیسی میم " میں اس بیگم کا ذکر کیا ہے جو مغربی ہے۔ جو مغرب کے رہن سہن میں پلی بڑھی ہے۔ شادی کر کے مشرقی ماحول میں آ تو گئی ہے لیکن کلچر مغرب کا ہی ہے۔ بن سنور کر باہر نکلتی ہے اور خاوند کو بھی بھرے بازار میں اس کا نام لے کر پکارتی ہے۔ جو ہماری مشرقی روایات کے خلاف ہے۔ اسی حوالے سے انعام الحق جاوید دیسی میم کا مزاحیہ انداز میں تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

چوک میں بھی شوہر کو نام سے پکارے گی

آج تک نہیں ہاری آج بھی نہ ہارے گی

تھی یہ مغربی عورت، آ بسی ہے مشرق میں

بن سنور کے نکلی ہے کام بھی سنوارے گی[116]

انگریزی میم سے شادی کرنے کے معاشی طور پر بہت سے فائدے ہوتے ہیں۔ اس سے شادی کرنے سے ملٹی پل ویزا لگ جاتا ہے۔ ایک تو شادی ہو جاتی ہے، دوسرا اس ملک کی نیشنیلٹی مل جاتی ہے۔ لڑکوں کا اصل

مسئلہ تو نیشنیلٹی حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اس کے لیے چاہیے وہ لولی، لنگڑی سے ہی شادی کیوں نہ کرلیں۔ چھ مہینے تو وہاں آسانی سے رہ سکتے ہیں لیکن شادی کر کے مستقل وہاں رُک سکتے ہیں۔ اسی حوالے سے ضیا الحق قاسمی "ہم کو امریکہ کا ویزہ" میں مزاحیہ انداز میں ان لڑکوں کا ذکر کر رہے ہیں۔ جو میم سے شادی کرتے ہیں اور دوہرے مزے لیتے ہیں۔

ہم کو امریکہ کا ویزہ ملٹی پل تو مل گیا
چھ مہینے رہ سکیں گے یہ اشارہ ہے ہمیں
اور رکنا ہو تو شادی کر کے رک سکتے ہیں ہم
لولی ، لنگڑی اور کانی گوارا ہے ہمیں[117]

اسی طرح کے خیالات کا اظہار ڈاکٹر انعام الحق جاوید نے اپنے قطعہ "امریکی شہریت" میں کیا ہے۔ جس میں وہ مزاحیہ انداز میں اس بات کا اظہار کر رہے ہیں۔ میں رنڈوا اور وہ امریکہ کی بیوہ ہے۔ جس کی وجہ سے مجھے امریکہ کی شہریت مل جائے گی اور اس کو مجھ جیسا شوہر مل جائے گا۔ ڈاکٹر انعام الحق جاوید نے مزاحیہ انداز میں "امریکہ کی شہریت" کے بجائے "امریکی شوہریت" کا ذو معنی لفظ اختیار کر کے مزاح پیدا کیا ہے

وہ امریکہ کی بیوہ ہے اور میں رنڈوا گاؤں کا
ایک محفل میں ہم دونوں کی نیت مل گئی
کیا بتاؤں چند لمحوں میں ہی کیا کچھ ہو گیا
مجھ کو شہریت تو اس کو شوہریت مل گئی[118]

بیرونِ ملک بظاہر جو نوکری کے سلسلے میں جاتے ہیں۔ اس انتظار میں ہوتے ہیں کہ ان کا ویزا لگ جائے۔ ویزا لگنے کی دیر ہے وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بیرونِ ملک روانہ ہو جاتے ہیں۔ وہاں کار اور بنگلہ کے ساتھ ساتھ بیوی بھی قسطوں میں مل جاتی ہے۔

iv۔ بیوہ سے شادی:

شوہر کے مر جانے کے بعد اس کی بیوی بیوہ ہو جاتی ہے۔ اکثر مرد حضرات کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ بیوی کے مر جانے کے بعد دوسری عورت سے شادی کر لیں۔ یہاں تک کہ وہ کسی بیوہ سے بھی شادی کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ اپنی محبوبہ کے لیے بھی دعا کرتے رہتے ہیں کہ وہ بیوہ ہو جائے اور میں اس سے شادی
کر لوں۔ اسی قسم کے جذبات کا اظہار دلاور فگار اپنے قطعہ "شادی سے پہلے بیوہ" میں مزاحیہ انداز میں کرتے ہیں

کوئی کہتا تھا یہ ہے بد نصیبی
اب اس کو چاہے کوئی کچھ بھی کہہ لے

میں جس لڑکی سے شادی چاہتا تھا
وہ بیوہ ہو گئی شادی سے پہلے[119]

بیوہ اور رنڈوا شادی کے خواہش مند دکھائی دیتے ہیں۔ جن کے بچے بھی ہیں لیکن وہ شادی کر کے ایک دوسرے کے بچوں کے ماں باپ کہلانا چاہتے ہیں۔ اس طرح ان کی خواہش پوری ہو جائے ازدواجی زندگی کے انہی پہلوؤں کو سید سلیمان گیلانی حرف زبان پر مزاحیہ انداز میں لاتے ہیں

میں ہوں رنڈوا، تو ہے بیوہ، کیا یہ ممکن ہے کہ اب
دونوں ہم آپس میں کچھ اس طرح سے کر لیں ملاپ
اس قدر نزدیک آجائیں کہ کہلانے لگیں
تو میرے بچوں کی اماں، میں تیرے بچوں کا باپ[120]

بیوہ اور رنڈوا ہو جانے کے بعد بھی عورت اور مرد کی خواہش ختم نہیں ہوتی بلکہ اپنے بچوں کی خاطر وہ آپس میں میں شادی کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ ان کے بچے ماں باپ کے سائے سے محروم نہ رہیں۔

ڈاکٹر انعام الحق ایسے شوہر کی خواہش کا اظہار بیگم کے منہ سے کروا رہے ہیں۔ جس نے چوتھی شادی کی ہے اور بیگم اس کو طنزیہ انداز میں کہتی ہے کہ مجھے تڑیاں نہ دیجیے۔ تین دفعہ رنڈوے ہو چکے ہیں۔ اب بیوہ ہونے کی میری باری ہے یعنی ہر دفعہ آپ کی خواہش پوری نہیں ہو گی۔ بعض بیویاں شوہر کے اس دنیا سے چلے جانے کی دعا کرتی ہیں تاکہ وہ بیوہ ہو جائیں۔

چوتھی بیوی نے یہ شوہر سے کہا
دیجیے تڑیاں نہ یوں ہی بے سبب

ہو چکے ہیں آپ رنڈوے تین بار
میری بیوہ ہونے کی باری ہے اب [121]

یعنی قدرت ہمیشہ مہربان نہیں رہتی اب میرے بجائے آپ نے اس دنیا سے جانا ہے۔ میں نہیں جانے والی۔ آپ اس خوش فہمی میں مت رہنا۔

اسی قسم کی خواہش کا اظہار اعجاز گیلانی اپنے قطعہ میں کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ جس میں وہ بھی چوتھی شادی کے بعد اس بات کے خواہش مند ہیں کہ اللہ تعالی تمھیں یہ دکھ نہ دکھائے کہ تم بیوہ ہو جاؤ۔ لیکن اگر میں ہو جاؤں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

متاعِ عقدِ چہارم میری دعا ہے یہی
خدا کبھی تجھے اس دکھ سے آشنا نہ کرے
اگر ہو جاؤں میں رنڈوا کوئی بات نہیں

ہو جائے بیوہ تو ایسا مگر خدا نہ کرے [122]

خاوند کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد بیوہ کس طرح اس کے درجن بچوں کو پالتی ہے ان کی نگہداشت کرتی ہے۔ وہ اس کے لیے کسی عذاب سے کم نہیں اسی حوالے سے نیاز سواتی اس بیوہ کی دکھ بھری داستان کو اپنے قطعہ میں طنزیہ انداز میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنے خاوند کو گلہ کرتے ہوئے کہتی ہے۔ اللہ کرے جس طرح میں اس دنیا میں جل رہی ہوں تمھاری قبر پر بھی اسی طرح آسمان سے آگ برستی رہے۔

مر گیا ہے چھوڑ کر تو ایک درجن نونہال

کیسے بیوہ ان یتیموں کی نگہبانی کرے

جس طرح جلتی ہوں میں تو بھی یوں ہی جلتا رہے

آسمان تیری لحد پر آتش فشانی کرے[123]

ایسی بیوی جس کا شوہر ہر وقت اس کی خدمت کرتا رہتا ہے۔ ایسی بیویاں اپنے خاوند کی اس حد تک خدمت کرنے سے بھی بے زار ہوتی ہیں۔ اپنے شوہر کی اس قدر خدمت کرنے پر وہ اپنے پہلے شوہر کا تذکرہ مزاحیہ انداز میں کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ میرا پہلا شوہر بھی ایسے ہی میری سیوا کرتا تھا۔ لگتا ہے تم بھی مجھے بیوہ کر کے ہی چھوڑو گے۔ اس کے لیے افضل پارس نے "آدم خور" کا لفظ استعمال کر کے مزاحیہ انداز میں قطعہ لکھا ہے کہ وہ اپنے پہلے شوہر کو کھا گئی اب اس کو بھی۔

میرے دل کی کشمش کو تو میوا کر کے چھوڑے گا

اور میری تو کتنی پیارے "سیوا" کر کے چھوڑے گا

یونہی خدمت کرتا تھا وہ میرا پہلا شوہر بھی

لگتا ہے کہ تو بھی مجھ کو بیوہ کر کے چھوڑے گا[124]

افضل پارس نے اسی طرح معاشرے میں پائے جانے والے معاشرتی ناسور کا ذکر ہے کہ ہمارے وطن کو بنے چھپن برس گزر چکے ہیں لیکن پانچ دفعہ "بیوہ" ہو چکا ہے۔ یہاں بیوہ کا لفظ ایہام کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ یہاں اس سے مراد "مارشل لاء" ہے۔ ہر کسی کی کی عزت نفس ہوتی ہے۔ پارلیمنٹ کی بھی عزت ہونی چاہیے۔ جب جی چاہا اسے طلاق دے دی حالانکہ ہمارے مذہب میں بیوہ کی بھی چار ماہ عدت ہوتی ہے۔

چھپن سال میں ہوگئی دیکھو پانچ دفعہ یہ بیوہ

کچھ نہ کچھ تو پارلیمنٹ کی عزت ہوتی ہے

جب بھی چاہے دے دیتا ہے تو طلاق کا نوٹس

بیوہ کی بھی چار مہینے کی عدت ہوتی ہے[125]

د۔ معاشی معاملات:

i۔ مہنگائی:

دو لوگ جب رشتہ ازدواج میں منسلک ہوتے ہیں۔ تو نئی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ جس میں وہ بھی پہلے گھر میں بحیثیت بہن بیٹی اور بھائی بیٹے کی زندگی بسر کر رہے ہوتے ہیں۔ شادی کے بعد وہ ایک نئے بندھن میں بندھ جاتے ہیں۔

اس نئے بندھن میں بندھ جانے کے بعد انھیں گھریلو زندگی کے پہیے کو چلانا ہوتا ہے۔ میاں بیوی چونکہ گاڑی کے دو پہیے ہوتے ہیں اس لیے انھیں زمانے کی کی سرد گرم موسم کا مل جل کر مقابلہ کرنا ہوتا ہے۔ ہر زمانے میں مہنگائی کے ہاتھوں تمام لوگ پریشان ہو رہے ہیں۔ اکثر اوقات تو اسی مہنگائی کی وجہ سے میاں بیوی میں طلاق ہو جاتی ہے کیونکہ وہ اس مہنگائی کو کو برداشت نہیں کر سکتے۔ جس کی وجہ سے ان میں تُو تُو میں میں ہوتی ہے۔ جو آخر کار اس رشتے کو کو کمزور کر دیتی ہے۔ جس کی وجہ سے ہنستا بستا گھر تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ مہنگائی کا موضوع ہر گھر کا موضوع ہے۔ جس کو شعراء نے کبھی بجٹ کے انداز میں کبھی روٹی، کپڑا اور مکان کا نعرہ بلند کرتے ہوئے، کبھی روز مرہ کی اشیائے خورد نوش، کبھی بجلی، گیس کے بلوں کی صورت میں موضوع بحث بنایا ہے یہ موضوعات کیونکہ ازدواجی زندگی کے اہم موضوعات ہیں جن کو مہنگائی کے حوالے سے بیان کیا جا رہا ہے۔

انور مسعود ایک کے بعد دوسرے بل کے آجانے پر طنزیہ انداز میں ہر مہینے میں آنے والے اِن بلوں کو" چوٹ" سے تشبیہ دیتے ہیں کہ یہ ایسی چوٹ ہے جو بظاہر نظر نہیں آتی "چوٹ" کا لفظ ایہام گوئی کے طور پر استعمال کیا ہے۔

جو چوٹ بھی لگی ہے وہ پہلی سے بڑھ کے تھی
ہر ضرب کربناک پہ میں تلملا اٹھا
پانی کا، سوئی گیس کا، بجلی کا فون کا
بل اتنے مل گئے ہیں کہ میں بلبلا اٹھا[126]

باقر وسیم بجٹ کے باعث جو قیمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔اس کی تپش کو جون کی گرمیوں سے مماثلت قرار دی ہے۔ جس کا سلسلہ جون میں بڑھ جاتا ہے کیونکہ جون میں گرمی بھی جوبن پر ہوتی ہے۔اسی لیے اِن بلوں میں اضافہ بھی اِسی تناسب سے بڑھ جاتا ہے۔جو جون تک جاری رہتا ہے لیکن بجٹ کے آنے کے بعد ہم "ٹھنڈے ٹھار" ہو جائیں گے۔ "ٹھنڈے ٹھار" کا لفظ ایہام گوئی کے طور پر استعمال کیا ہے۔یعنی بجٹ ہمارے دل و دماغ کو ٹھنڈا کر دے گا۔شاید طنزاً کہتا ہے کہ جون میں دوسری گرمی بجٹ کے آجانے سے ہوتی ہے۔

اس گرانی کی تپش محسوس ہو گی جون تک

جب بجٹ آیا تو ٹھنڈے ٹھار ہو جائیں گے ہم [127]

روحی کنجاہی نے تو بیوی اور مہنگائی دونوں کو سگی بہنیں قرار دیا ہے۔

ہماری بیوی اور مہنگائی دونوں ہیں سگی بہنیں

ہماری جیب کی اکثر صفائی ہوتی رہتی ہے [128]

جس طرح مہنگائی کی وجہ سے انسان کی جیب اکثر خالی رہتی ہے۔اسی طرح شاعر طنزیہ انداز میں بیوی اور مہنگائی میں موازنہ کر رہے ہیں کہ بیوی بھی شوہر کی جیب خالی کرتی رہتی ہے۔ سائل آزاد نے تو ہمارے معاشرے میں بجلی چوروں کا نقشہ بیان کر دیا ہے۔ بجلی چوری کرنے والوں کے اوچھے ہتھکنڈے بتائے ہیں کہ کیسے بجلی چوری کے سلسلے میں مٹھی گرم کی جاتی ہے۔ لیکن بل پھر بھی ہزاروں میں آتا ہے۔ بجلی تو بجلی پانی کے جو نلکے لگے ہیں۔ اُن میں پانی نہیں آتا۔ اس سلسلے میں مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں کہ میرا کام تو گھر میں نلکے لگوانا تھا لیکن پانی پہنچانا میونسپل کمیٹی کا کام ہے۔

بجلی والوں کی مٹھی کو کرکے گرم

کوئی بجلی چرائے تو میں کیا کروں

بولی بیگم اکڑ کر کہ پانی نہیں

کام ہمت سے لے کر یہ میں نے کہا

گھر میں نلکا لگانا میرا کام تھا

پانی اس میں نہ آئے تو میں کیا کروں[129]

عوام جس طرح مہنگائی سے نبرد آزما ہو رہی ہے جس کی وجہ سے غریب غریب سے غریب تر لیکن امیر امیر تر ہوتا چلا جارہا ہے۔ایسے میں حکمرانوں کو غریب عوام سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے۔

فاصل حمیدی ایسے حکمرانوں پر طنز کر رہے ہیں جو چین کی بانسری بجا رہے ہیں۔

قوم مہنگائی کی چکی سے پسی جاتی ہے

ایسے میں قوم کے سردار کی ایسی تیسی[130]

مجذوب چشتی نے علامہ اقبال کے مصرعے "مکامات آہ فغاں اور بھی ہیں" کو مزاحیہ انداز میں اپنے قطعہ میں استعمال کیا ہے۔محلے میں بہت سے گھروں کی میٹر ریڈنگ نہیں لی جاتی۔دوسرے لوگوں کا بجلی کا غلط بل آجاتا ہے۔اس پر وہ گریہ زاری کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

کسی نے نہ کی جن کی میٹر کی ریڈنگ

محلے میں ایسے مکاں اور بھی ہیں

غلط بل جو بجلی کا آیا تو کیا غم

"مکامات آہ فغاں اور بھی ہیں"[131]

ناظر ٹونکی مہنگائی میں کپڑا مہنگا ہو جانے کا رونا روتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔اپنے قطعہ مہنگائی میں طنزاً کہتے ہیں

ہو گیا کپڑا اگر مہنگا تو ہو

تم بھی استعمال اس کا چھوڑ دو

دوستو جب تک یہ مہنگائی ہے

چشم پوشی سے برابر کام لو[132]

گلزار بخاری "مہنگائی" نظم میں ازدواجی زندگی کا نقشہ کچھ اس طرح سے کھینچتے ہیں کہ بے اختیار ہنسی آجاتی ہے۔ مہنگائی نے کس طرح لوگوں کا جینا دوبھر کر رہا ہے۔

دنیا میں کسی شخص کو دانائی نے مارا

کچھ ڈوب گئے سوچ کی لہرائی نے مارا

اکثر کو خدوخال کی رعنائی نے مارا

مجنوں کو بیابان کی پہنائی نے مارا

فرہاد کو تیشے کی توانائی نے مارا

ہم جائیں کہاں ہم کو تو مہنگائی نے مارا

بیٹی کے لیے سرخی رخسار ندارد

بیٹے کو ملی شرٹ تو شلوار ندارد

اپنے لیے جوتے ہیں تو دستار ندارد

بیگم کا وہ خرچہ ہے کہ اظہار دارد

پھر اس کی جلاتی ہوئی گویائی نے مارا

ہم جائیں کہاں ہم کو تو مہنگائی نے مارا[133]

ڈاکٹر انعام الحق جاوید "مہنگائی" کے حوالے سے اس طرح طنزیہ انداز میں کہتے ہیں کہ مہنگائی نے آدمی کے دل پر ایسا اثر کیا ہے کہ جب مستقبل کے حوالے سے پلاننگ کی جاتی ہے۔ تو بڑھتی ہوئی مہنگائی کو دیکھ کر انسان دل کی بات بھول جاتا ہے۔

بجلی پانی گیس کے جس دم نرخ بڑھے

بھول گئی ہر شخص کو اپنے دل کی بات

پوچھی میں نے جس دم مستقبل کی بات

ڈر کر بولا ہے یہ کون سے "بل" کی بات[134]

عنایت علی خاں نے بل کو شریعت بل ہی بنا دیا جس کا نام سن کر لوگ بلبلا اٹھتے ہیں۔ عنایت علی خاں رعایت لفظی کا حربہ استعمال کرتے ہوئے کہتے ہیں

یہ شریعت کا نہیں گیس کا بل ہے بیگم
بلبلانے کی اجازت نہیں دی جائے گی[135]

دلاور فگار نے "بجلی کھول دی" کا لفظ ایہامِ گوئی کے حوالے سے استعمال کیا ہے کہ زمین والوں نے ہماری بجلی بند کر دی۔ لیکن آسمان والے کو ہم پر رحم آ گیا۔ وہاں سے بجلی کھول دی۔ اپنے قطعہ "بجلی کا انتقال" میں بجلی والوں پر احسان جتلاتے ہوئے طنزاً بجلی کم جلانے کا کہتے ہیں۔

ہم نے بجلی کم جلا کر کے ای ایس سی کے لیے
ایک قربانی جو تھی بے شک بڑی انمول دی
آسماں نے جب یہ دیکھا اور دشمن ہو گیا
ہم نے بجلی بند کر دی اس نے بجلی کھول دی[136]

پانی کا بل دینے کے باوجود جب ٹوٹیوں میں پانی نہیں آتا۔ تو سی ڈی اے کی کرم نوازی پر دل سے جو آہ نکلتی ہے۔ انعام الحق جاوید اپنے قطعہ "قلتِ آب" میں اس درد کی ٹھیس کو طنزاً محسوس کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

درد دل کے حامل اب جتنے آنکھ والے ہیں
آپ اپنے حصے کا چن رہے ہیں پلکوں سے
ٹوٹیوں کو کھولیں تو پانی کی بجائے اب
ہوک سی نکلتی ہے سی ڈی اے کے نلکوں سے[137]

بجٹ کی آمد آمد ہے۔ جس کی وجہ سے مہنگائی میں ہوشربا اضافہ ہو جاتا ہے۔ پٹرول کی قیمتیں بھی معاشرے میں بونچھال برپا کرنے کے لیے کافی ہیں۔ جس کی بدولت موٹر کار والوں کو بجٹ کی آمد سے پہلے ہوشیار رہنے کے لیے انعام الحق جاوید طنزاً کہہ رہے ہیں کہ

بڑھ رہی ہیں ایک دم سے قیمتیں پٹرول کی
کار والوں کو ذرا ہوشیار رہنا چاہیے
ہے بجٹ کی آمد آمد ہے پھر عوام الناس کو
صبر کرنے کی لیے تیار رہنا چاہیے[138]

سرفراز شاہد نے فیض احمد فیض کی غزل کے مصرعے "رہ یار ہم نے قدم قدم تجھے یادگار بنادیا" کی مزاحیہ انداز میں تضمین کر کے عاشقی کے بعد جب فکر معاش کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ تو محبوب کو غم جاناں کے بجائے غم روزگار کی فکر لاحق ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے عاشق کہیں پٹ جاتا ہے کہیں لڑ جاتا ہے۔

ہوا ختم سارا معاشقہ ،لگا روگ جب سے معاش کا
اسی فکر نے، غم یار کو ، غمِ روز گار بنا دیا
کہیں اڑ گئے، کہیں لڑ گئے، کہیں پٹ گئے، کہیں مٹ گئے
"رہِ یار ہم نے قدم قدم تجھے یاد گار بنا دیا"[139]

غریب بیچارہ مہنگائی کی وجہ سے رات کو سو نہیں سکتا۔ رات کو خواب میں بھی اُسے مہنگائی نظر آتی ہے۔ جس کی وجہ سے رات سے اس کے خون کی گردش تیز ہو جاتی ہے۔ مرزا عاصی اختر بھی مضحکہ خیز انداز میں بیان کر رہے ہیں۔

خوابوں میں رات بھر میرے مہنگائیاں رہیں
شب بھر فشار خون کی انگڑائیاں رہیں[140]

مہنگائی نے ہر شخص کا جینا دو بھر کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ روٹی دن بدن مہنگی سے مہنگی ہوتی چلی جارہی ہے ۔جتنی مہنگی ہو رہی ہے۔ اتنی ہی چھوٹی ہوتی جارہی ہے۔ اسی توازن سے انعام الحق جاوید خود اس کا موازنہ میاں بیوی سے کرتے ہوئے مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں۔ شوہر مہنگائی کی وجہ سے کمزور سے کمزور جبکہ بیوی موٹی سے موٹی ہوتی چلی جارہی ہے۔

ادھر مہنگی سے مہنگی اپنی روٹی ہوتی جارہی ہے
ادھر سے طرّہ یہ چھوٹی سے چھوٹی ہوتی جارہی ہے
ادھر شوہر ہے جو پتلے سے پتلا ہوتا جاتا ہے
ادھر بیگم ہے جو موٹی سے موٹی ہوتی جاتی ہے[141]

مہنگائی ایک ایسا اژدھا بن چکی ہے جو ہر کسی کو نگل رہی ہے۔ سرفراز شاہد نے مہنگائی کو ایسے "وائرس" سے تشبیہ دی ہے جس کو ڈاکٹر سمجھنے سے قاصر ہیں ۔ مہنگائی کا وائرس غریب بیچارے کو ڈستا چلا جارہا ہے لیکن ہمارے چارہ گر یعنی معالج اس کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

مسلسل ڈس رہا ہے وائرس ہم کو گرانی کا
مگر اس روگ کو کب اپنے چارہ گر سمجھتے ہیں[142]

ممتاز ارشد "باقی سب خیریت ہے" میں اِن حکمرانوں کی طرف طنزاً اشارہ کیا ہے۔ جو ہر طرف سب ٹھیک ہے کاراگ الاپ رہے ہیں۔ جبکہ غریب عوام بیچاری چیخ رہی ہے لیکن حکمران کے کانوں پہ جوں تک نہیں رینگتی

مہنگائی ہے بدامنی ہے رشوت بھی ہے زوروں پر
چیخ رہے ہیں لوگ بیچارے باقی سب خیریت ہے[143]

سید ضمیر جعفری نے اپنے قطعہ "عوام الناس" میں علامہ اقبال کی زبان زدعام مصرعے "خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے" کی پیروڈی کی ہے۔ انہوں نے مصرعے میں مہنگائی کو مد نظر رکھتے ہوئے

"رضا" کی جگہ "غذا" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ آٹا اتنا مہنگا ہو گیا ہے۔ عوام کی دسترس سے باہر ہے۔ غریب بیچارہ آٹا نہ کھائے تو پھر کیا غذا کھائے۔ اسی حوالے سے سوالیہ انداز میں کہتے ہیں

عوام الناس کی حیثیت عرضی بھلا کیا ہے
کہ ان سے کوئی پوچھے اے میاں تجھ کو ہوا کیا ہے
گرانی بالخصوص آٹے کی اس نوبت پر آ پہنچی
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری "غذا" کیا ہے[144]

لیاقت علی لیاقت کو عوام سے ہمدردی ہے۔ اسی حوالے سے "ہمدردی" قطعہ میں لوگوں کو مخاطب کر کے حکمرانوں پر طنز کر رہے ہیں۔ حکومت نے ہر مہینے صرف پٹرول ہی مہنگا کیا ہے باقی سب چیزیں تو سستی ہو رہی ہیں۔ اسی سلسلے میں مجھے قوم سے ہمدردی ہے۔ جو خواہ مخواہ ہی اپنی جان کو قربان کر رہی ہے۔ مہنگائی کے ہاتھوں لوگ مہنگائی سے تنگ آ کر جو "خود سوزی" کر رہے ہیں۔ اس کی طرف سوالیہ انداز میں طنز کیا ہے۔

لوگوں سستی ہو رہی ہیں سب ہی چیزیں آج کل
ہم نے تو پیٹرول ہی مہنگا کیا ہے ماہ بہ ماہ
قوم سے دلی محبت تا قیامت قائم ہے
کر رہے ہیں لوگ کیوں خود سوزیاں اب خواہ مخواہ[145]

سرفراز شاہد نے قوم کی سادگی کا حل یہ نکالا ہے۔ قوم کیونکہ سادگی پر عمل پیرا نہیں ہوتی لیکن بہت جلد اس کو اپنا لے گی۔ کیوں کہ جس تیزی کے ساتھ ساتھ مہنگائی بڑھ رہی ہے۔ اسی تیزی کے ساتھ قوم خود بخود وقت آنے پر سادہ ہو جائے گی "سادگی" قطعہ میں مہنگائی کے حوالے سے طنزیہ انداز میں سرفراز شاہد یہ کہتے ہیں کہ مہنگائی نے تو کم نہیں ہونا البتہ عوام سادہ ہو جائے گی۔

سادگی پر جو نہیں کرتی عمل جلد اس انداز کو اپنائے گی
یوں ہی بڑھتی اگر مہنگائی رہی قوم سادہ خود بخود ہو جائے گی[146]

ڈاکٹر انعام الحق جاوید نے اپنے قطعہ "آٹا اور مہنگائی" میں لفظ "بلیک" ذو معنی استعمال کیا ہے۔ لفظی ایہام گوئی کے ذریعے طنزیہ انداز میں بیان کیا ہے۔ جب مہنگائی بڑھتی ہے تو ہر چیز بلیک ہو جاتی ہے۔ بلیک کی اصطلاح اس صورت حال کے لیے استعمال کی جب چیز نایاب ہو جائے۔ تو دگنی قیمت کے ساتھ فروخت کی جاتی ہے۔ یہی آٹا بظاہر سفید ہے لیکن آج کل مہنگائی کی وجہ سے "بلیک" ہے۔

بھوک کا جب اٹیک ہوتا ہے آدمی فل کریک ہوتا ہے

رنگ آٹے کا تھا سفید کبھی آج کل یہ بلیک ہوتا ہے[147]

انور مسعود نے ہمارے ملک میں ہونے والی ترقی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مہنگائی جس تناسب سے بڑھ رہی ہے۔ عوام کا جینا دوبھر ہو گیا ہے۔ لیکن اس کے برعکس حکمران کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ ہماری معیشت بہت ترقی کر رہی ہے۔ اسی حوالے سے شاعر طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

یہ حالت ہو گئی خلقِ خدا کی کہ مہنگائی کے ہاتھوں مر رہی ہے

نرالی ہے معیشت بھی ہماری کہ یہ پھر بھی ترقی کر رہی ہے[148]

مرزا ادیب "عوامی شاعر" میں انور مسعود کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

اس کی شاعری میں عام باتوں کی عقب میں ایک لطیف طنز کی ہلکی سی لہر بھی رواں دواں رہتی ہے۔ اُس کا فنکارانہ کمال یہ ہے کہ اُس نے اس طنز کو اپنے اوپر حاوی ہونے نہیں دیا۔ اُسے اپنی فکر میں سمیٹ لیا ہے یا یوں کہیے کہ زہر پر شہد کی گہری تہہ لپیٹ دی ہے۔[149]

لیاقت علی لیاقت نے "مہنگائی" قطعہ کو طنزیہ انداز میں "بم" کہا ہے۔ جو کم ہونے کی بجائے بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ گرانی میں کمی نہیں ہو گی بلکہ ہماری عمر کم ہو جائے گی۔

وہ کہتے ہیں کہ یہ کم ہو رہی ہے

مگر مہنگائی تو "بم" ہو رہی ہے

گرانی میں کمی آئے نہ آئے

ہماری عمر تو کم ہو رہی ہے[150]

ڈاکٹر مظہر عباس رضوی نے "ضرب شدید" میں طنزیہ انداز میں اس مہنگائی کا ذکر کیا ہے جب روٹی چائے پی جاتی ہے۔

اور اس کو جب "ریال" میں ضرب دی جاتی ہے۔ تو وہ ایسی ضرب شدید ہوتی ہے۔ جس کا اثر ڈائریکٹ دل پر پڑتا ہے۔

اسّی روپے کا کھانا ہے، سولہ روپے کی چائے

مہنگائی نے یہاں پہ توڑی مری کمر

سولہ سے ایک ریّال کو دیتے ہیں جب ضرب

ضرب شدید لگتی ہے پھر اپنے قلب پر[151]

سر فراز شاہد مہنگائی کے زمانے میں دال روٹی پر گزر بسر کرنے کا مشورہ اس ملّتِ بیضا کو دے رہے ہیں۔ جس کی دسترس میں مرغی نہیں ہو سکتی وہ انڈا کیسے کھا سکتی ہے۔ "ملت بیضا" کے عنوان سے مزاحیہ انداز میں قطعہ لکھتے ہوئے کہتے ہیں۔

گزارا دال پر کرنا پڑے گا اس گرانی میں

کہ اس کی دسترس میں اب تو مرغی آ نہیں سکتی

مجھے تو قوم کے بارے میں یہ تشویش لاحق ہے

ہے کسی ملت بیضا جو انڈہ کھا نہیں سکتی[152]

ڈاکٹر انعام الحق جاوید مہنگائی کا رونا آنے والے مختلف بلوں کی صورت میں کر رہے ہیں۔ جس میں انعام الحق جاوید نے مزاحیہ انداز میں بجلی کے بل کو "بجلی گرنے سے" "سوئی گیس کے بل کو" "سوئی چبھنے سے" پانی کے بل کو" پانی پانی کر دینے سے "اور فون کے بل کو گھر ملنے سے تشبیہ دی ہے۔

بجلی کا بل ذہن پہ بجلی بن کے گرا ہے

آنکھ میں کوئی چبھوئی سوئی گیس کے بل نے

پانی کا بل کر گیا مجھ کو پانی پانی

فون کا بل جب آیا تو گھر لگ گیا ملنے[153]

سید ضمیر جعفری نے مہنگائی کو اکیسوی صدی سے بائیسویں صدی میں داخل کر دیا ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ مہنگائی میں بھی کیا کیا ڈرامائی تبدیلیاں آئی ہیں۔ عوام بیچارے اس مہنگائی کے ہاتھوں تنگ ہیں لیکن یہ اکیسویں سے بائیسویں صدی میں داخل ہو رہی ہے۔ لیکن اسے کچھ سمجھ بوجھ نہیں آئی۔

اس سال کے بجٹ میں کیا کیا نہیں ہے ممکن

اک کیفیت تو خاص "ڈرامائی" آگئی ہے

اکیسوی صدی کی دانائی آتے آتے

بائیسویں صدی کی مہنگائی آگئی ہے[154]

ڈاکٹر مظہر عباسی رضوی نے اپنے قطعہ "جھٹکا" میں مہنگائی کو "جھٹکے" سے تشبیہ دی ہے۔ لیکن اس کو الیکٹرک شاک کا جھٹکا نہیں کہا بلکہ بل کا جھٹکا کہا ہے۔ جس سے جسم میں ایک برقی روسی دوڑ جاتی ہے۔ اس سے کوئی شعلہ نہیں نکلتا بلکہ "شاک" لگتا ہے۔ یہاں "شاک" کا لفظ رعایت لفظی کے طور پر استعمال کیا ہے جس کا مطلب الیکٹرک شاک نہیں بلکہ "شاک" یعنی صدمہ پہنچنا ہے۔

جسم میں دوڑی تھی برقی رو مگر

اس سے نکلا تھا کوئی شعلہ نہیں

Shock پہنچا تھا ہمیں جس سے حضور

بل کا جھٹکا تھا وہ بجلی کا نہیں[155]

زاہد فخری میاں بیوی کے درمیان میں ہونے والی محبت کو مہنگائی اور محبت کے ترازو میں ناپ رہے ہیں۔ جس میں مزاحیہ انداز میں خاوند بیوی سے آسمان سے تارے توڑ لانے کا تو وعدہ کرتا ہے۔ لیکن اس مہنگائی کے دور میں وہ اسے سپنا ستارہ لون نہیں لا کر دے سکتا۔

میں اس مہنگائی میں تم سے محبت اب بھی کرتا ہوں
مگر گزرا زمانہ اب دوبارہ آ نہیں سکتا
ستارے توڑ کر لانے کا وعدہ اب بھی قائم ہے
مگر سپنا ستارہ لون میں اب لا نہیں سکتا[156]

رات اتنی تاریک اور لمبی ہو چکی ہے لیکن پھر بھی انسان کی نئی صبح کی آرزو ختم نہیں ہوئی۔ مہنگائی میں ہوشربا اضافہ ہو چکا ہے۔

لیکن پھر بھی اس سے ہماری کمر نہیں ٹوٹی، یعنی مہنگائی کے بوجھ کی وجہ سے ابھی تک ہماری کمر نے جواب نہیں دیا۔ اسی حوالے سے مزاحیہ انداز میں سید ضمیر جعفری "مہنگائی اور کمر" میں کہتے ہیں۔

رات تاریک و تار ہے لیکن
آرزوئے سحر نہیں ٹوٹی
کتنی بوجھل ہوئی ہے مہنگائی
پھر بھی اپنی کمر نہیں ٹوٹی[157]

ii۔ تنخواہ:

گھریلو زندگی چلانے کے لیے مہینے کے مہینے جو تنخواہ آتی ہے۔ اس پر میاں بیوی کا گزر بسر ہوتا ہے۔ کسی بھی ازدواجی زندگی میں سب سے پہلے شوہر کی تنخواہ دیکھی جاتی ہے۔ رشتہ ہونے سے پہلے لڑکے کی شکل اچھی ہو جا نہ ہو۔ اس کی تنخواہ اچھی ہونی چاہیے۔ ہمارے ہاں شادی کے لیے یہی معیار دیکھا جاتا ہے کہ لڑکا شریف ہے کہ نہیں۔ بلکہ اس کا بینک بیلنس کتنا ہے۔ اس کے پاس کار، بنگلہ وغیرہ ہے کہ نہیں اس لیے ہمارے

معاشرے میں تنخواہ پر گزارہ بہت مشکل ہوتا ہے۔اسی تنخواہ کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان میں جھگڑے ہوتے رہتے ہیں۔بیویاں خاوند کو آئے روز شاپنگ کا کہتی ہیں جبکہ شوہر مشکل سے گھر کا خرچہ چلاتا ہے۔

انعام الحق جاوید مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں کہ میری بیوی اسی وقت شاپنگ کا تقاضا کرتی ہے۔جب میرے پاس

پائی نہیں ہوتی۔

کرتا ہے اسی روز وہ شاپنگ کا تقاضا

جس زور مری جیب میں پائی نہیں ہوتی[158]

اسرار اشفاق جب بیوی کے ہاتھ میں تنخواہ رکھ دی جاتی ہے اور وہ باقی حساب مانگتی ہے۔تو اس وقت جو شوہر کی دُرگت بنتی ہے اس کو اپنے قطعہ "حساب کتاب" میں پیروڈی کے انداز میں لکھتے ہیں۔

ملی جو پہلی کو تنخواہ ریس میں ہاری

"گنوا کے آیا کہاں ہے مجھے جواب تو دے"

بیوی نے جل کر یہ کی ہے کس کی نذر؟

"تو پیسے گر نہیں دیتا نہ دے حساب تو دے"[159]

یعنی بیوی کو یہ فکر نہیں کہ تم نے تنخواہ نہیں دی بلکہ اس کو یہ فکر ہے کہ تم نے یہ پیسے کہاں پر خرچ کئے ہیں۔ اس کا حساب تمھیں دینا ہو گا۔

مرزا عاصی اختر بیوی کی لپ اسٹک پوڈر میں ساری تنخواہ کے ضائع ہو جانے کا گلہ شکوہ کر رہے ہیں۔آدمی سے زیادہ تنخواہ بیوی کے میک اپ پر صرف ہو جاتی ہے لیکن بیوی کے چہرے کی جھریاں ویسے کی ویسے کی ہیں۔

شاعر مرزا عاصی اختر مزاحیہ انداز میں اپنا دکھڑا رو رہے ہیں۔

تنخواہ اگرچہ ساری کریموں پہ اٹھ گئی

چہرے پہ رقص کرتی وہی جھائیاں رہیں[160]

بیوی کی دو تین فرمائشوں سے ہی خاوند کی تنخواہ پہلی کو ہی ختم ہو جاتی ہے۔بیوی کی فرمائشی لسٹ ختم ہونے کا نام نہیں لیتی۔اس حوالے سے سر فراز شاہد بیوی سے مخاطب ہو کر مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں۔

تنخواہ کا ہو جائے گا پل بھر میں کباڑا

بیگم تیری فرمائیشیں دو تین بہت ہیں[161]

اطہر شاہ خان جیدی اپنی بیوی کو آدھی تنخواہ دیتے ہیں۔اس کے حوالے سے طنزیہ انداز میں بیوی سے گلہ کر رہے ہیں کہ میری آدھی تنخواہ دینے کی وجہ سے وہ دال کو بھی بگھار آدھا دے رہی ہے۔وہ بھی حساب پورا کرتی ہے۔

یہ جو ہم بیوی کو آدھی تنخواہ دے رہے ہیں

تو دال کو بھی وہ دے رہی ہے بگھار آدھا[162]

سر فراز شاہد نے مرزا غالب کے مصرعے "آخر اس درد کی دوا کیا ہے" کی پیروڈی کی ہے۔ جس میں مہنگائی کو سر فراز شاہد نے درد سر کہاں ہے۔جو ایک ہفتے میں ہی ساری تنخواہ اڑا دیتی ہے۔مہنگائی ایسی درد سر ہو گئی ہے جس کی کوئی دوا نہیں ہے۔شاعر نے طنزیہ انداز میں اسے لا علاج مرض قرار دیا ہے۔ساری تنخواہ مہنگائی کی نظر ہو جاتی ہے۔

ایک ہفتے میں اڑ گئی ساری

میری تنخواہ میں بچا کیا ہے

درد سر ہو گئی ہے مہنگائی

"آخر اس درد کی دوا کیا ہے"[163]

لیاقت علی لیاقت قطعہ "گزارہ" میں تھوڑی سی تنخواہ کا گلہ شکوہ طنزیہ انداز میں کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ دنیا کی تلخ حقیقت ہے۔ پیسے نہ ہوں تو کوئی بھی شخص آپ سے بات کرنا گوارا نہیں کرتا ساری چمک پیسے ہی کی ہے۔

اس تھوڑی سی تنخواہ میں گزارا نہیں ہوتا

یوں زیست کا پاپڑ کرارہ نہیں ہوتا

یہ زندگی تو ہم نے بتائی ہے لیاقت

پیسے نہ ہوں تو کوئی بھی پیارا نہیں ہوتا[164]

iii۔ عید پہ خرچ:

خوشیاں انسان کی زندگی میں بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ خوشی کے یہ لمحات مختصر ہوتے ہیں لیکن ان کی قدر و قیمت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ ازدواجی زندگی میں آنے والی خوشیوں میں عید کی خوشیاں بھی بڑا معنی رکھتی ہیں۔ جس میں میاں بیوی اور سسرال والوں کے ساتھ ساتھ بچوں کی خریداری بھی کی جاتی ہے۔ جس میں بیچارہ شوہر سب کی فرمائش پوری کرتے ہوئے تھکتا ہے۔ ہر شخص خریداری کے ساتھ ساتھ اس سے عیدی لینے کے لیے بھی بیتاب ہوتا ہے کیونکہ کہ وہ گھر کا سربراہ ہوتا ہے۔ ضیاالحق قاسمی اسی طرح کے دکھی شوہر کی بپتا مزاحیہ انداز میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

عید آئی کہ آئی ہے میری شامت اعمال

ہر شخص طلب کرتا ہے انعام فٹافٹ[165]

بیویاں عید کے موقع پر شوہر سے کس طرح ان کی جیب خالی کرواتی ہیں۔ خریداری کرتے وقت تھکتی ہی نہیں ہیں۔ اس موقع پر دونوں بہت خوش ہوتے ہیں۔ سرفراز شاہد اسی حوالے سے دونوں کے تاثرات مزاحیہ انداز میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

عید پر مسرور ہیں دونوں میاں بیوی بہت

اک خریداری سے پہلے اک خریداری کے بعد[166]

عید پر میاں بیوی دونوں بہت خوش ہوتے ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ خریداری سے پہلے خاوند خوش ہوتا ہے اور خریداری کے بعد بیوی جو بہت زیادہ خریداری کے بعد خوشی سے پاگل ہو جاتی ہے۔ میاں بیوی کے درمیان عید پر پیسے خرچ ہو جانے کے بعد جو چپقلش ہوتی ہے۔ عیدی میں پیسے خرچ ہو جانے کے بعد بیوی خاوند سے گلہ شکوہ کرتے دکھائی دیتی ہے کہ اب باقی مہینہ کیسے گزرے گا۔ ایک پیسہ بھی تمھاری جیب میں نہیں ہے۔ اسی حوالے سے دلاور فگار نے "عید زکوۃ اور عیدیاں" کے عنوان سے نظم میں مزاحیہ انداز میں اس بات کو موضوع بحث بنایا ہے۔

مسز ہماری جو خاموش تھیں تماشائی
وہ اب یہ بولیں کہ کیا ختم ہوئی خیرات
اور عیدیوں سے بھی اب تم کو مل چکی ہے نجات
خوشی سے عید مناؤگے اب تو خالی ہات
زکوٰۃ عیدی تو دے دی ہے تم نے دو سو پچاس
اب ایک پیسہ نہیں جیب میں تمھارے پاس
تمھارے گیارہ جو بچوں کی ٹیم گھر میں ہے
تم ان کے باپ ہو کو ان کو بھی حق ہے عیدی کا
تمھارے بچوں کو کتنا قلق ہے عیدی کا[167]

دوسروں کو عیدی دے دے کر اس کے اپنے بچوں کے لیے بھی عیدی نہیں رہی۔ اسی حوالے سے بیگم طنز کرتے ہوئے کہتی ہے کہ تمھارے جو گیارہ بچوں کی ٹیم ہے۔ ان کے تم باپ ہو ان کو بھی تم سے عیدی لینے کا حق ہے۔ ان کی یہ خواہش کون پوری کرے گا؟

سید محمد جعفری نے بھی اپنی نظم "عید کی خریداری" میں میاں بیوی کو عید کی شاپنگ کرتے ہوئے مزاحیہ انداز میں دکھایا ہے۔ جس میں بیوی عید کی مناسبت سے اپنے لیے چیزیں خریدتی ہے۔ میاں بیچارہ بیوی کے ہمراہ صرف سامان اٹھانے والے کی حیثیت رکھتا ہے۔ سید محمد جعفری نے میاں کو خچّر سے تشبیہ دی ہے جو سامان اٹھانے کے کام آتا ہے۔

میاں بیوی چلے بازار کو بہر خریداری
مٹھائی، پھل، سویاں، عطر، جوتے، گوشت، ترکاری
جو شے بیوی نے لی آغوش میں، شوہر کے دے ماری
وہ بیچارہ تو خچر ہے، برائے بار برداری[168]

بیوی عید کی خریداری کے لیے شوہر کے لیے جو چیز پسند کرتی ہے۔ وہ جوتا ہے۔ جو ہوتا تو سب سے سستا ہے ۔جیسے بیگم امریکی امداد کی طرح میاں کی سات پشتوں پر پر احسان کرتے ہوئے لے کر دیتی ہے۔ جسے طنزاً شاعر یہ کہتا ہے کہ آخر کار وہ جوتا شوہر کو ہی مارنے کے کام آئے گا۔

لیا بیوی نے شوہر کے لیے، جوتا جو ارزاں ہے
وہ امریکی مدد کی طرح اس کے سر پہ احساں ہے
کہ اس سے فائدہ پہنچے گا اس کو جس کی دکان ہے
اور اس شوہر کا جوتا، خود اسی کے سر پر رقصاں ہے[169]

منّو بھائی نے سیّد محمد جعفری کی طنزیہ شاعری کے موضوعات کے حوالے سے کہا ہے۔

انکے طنز میں تلخی نہیں۔ علمیت بھی ہے اور شعور بھی۔ وہ افراد کی تحقیر نہیں کرتے۔۔ اپنے دور کے سیاسی، سماجی اور معاشرتی حالات پر کچھ اس انداز سے ہنستے ہیں کہ پڑھنے والا مزے لیتا اور ان کا ہمنوا ہو جاتا ہے۔[170]

غریب بیچارے تو عید کی خوشیاں بھی بھرپور طریقے سے ادا نہیں کر سکتے۔ ان غریبوں کو سارا سال کھانے کو نہیں ملتا۔ ان کے لیے عید کسی خوشی سے کم درجہ نہیں رکھ سکتی کیونکہ کہ عام حالات میں بھی گھر میں کھانے کے لالے پڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ صرف عید کا ہی موقع ہوتا ہے۔ جب ان کے ہاں گوشت ملتا ہے اور وہ بھی سال کے سال عید کے دن گوشت کی بوٹی کھاتے ہیں۔ گلزار بخاری اپنے نظم "مہنگائی" میں عید کے دن ملنے والی گوشت کی بوٹی کا تذکرہ طنزیہ انداز میں کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ غریب کو ڈبل روٹی تو کیا کھانے کو روٹی بھی نہیں ملتی۔ جس کے لیے وہ ترستے ہیں۔

تنگی کو پرکھنے کی یہاں کسوٹی نہیں ملتی
کیا ذکر ڈبل کا یہاں روٹی نہیں ملتی
جز عید ہمیں گوشت کی بوٹی نہیں ملتی
پتلون کہاں اب تو لنگوٹی نہیں ملتی[171]

دلاور فگار مزاحیہ انداز میں اس گھر کی منظر کشی کرتے ہیں۔ یہاں سارے پیسے عید کی خریداری میں لگا دیے جاتے ہیں۔ اب حالت یہ ہوگئی ہے کہ لوگوں کو زکوٰۃ دینے والے خود زکوٰۃ کے محتاج ہوگئے ہیں۔ اسی حوالے سے شاعر طنزاً کہتا ہے۔

نکل سے گھر سے کرو اپنی مفلسی کا علاج
زکوٰۃ مانگ کے لاؤ کہ روز عید ہے آج[172]

ایسی بیویاں جو عید کے روز بھی گھر کے کام کاج میں لگی رہتی ہیں۔ عید کا دن خوشیوں کا دن ہوتا ہے ۔جب سب مل بیٹھ کر اس دن کو یادگار بناتے ہیں لیکن اس دن بھی بیوی بیچاری سارے گھر کے لیے کھانا پکاتی ہی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ ساس بھی کام مکمل نہ ہونے کی وجہ سے لڑتی رہتی ہے۔ بیوی صبح سے شام تک ساس

سسر بچوں اور خاوند کی دیکھ بھال میں لگی رہتی ہے۔ انہی حالات کی عکاسی ساجدہ سخی نے اپنی غزل میں مزاحیہ انداز میں کچھ اس طرح پیش کی ہے۔

مجھ کو تو عید میں بھی فراغت کہاں ملی ہے
لڑتی رہی ہے ساس سویرے سے شام تک
بچوں کی دیکھ بھال بھرے گھر کا کام کاج
رہتی ہوں بدحواس سویرے سے شام تک[173]

وہ لوگ جو عید کو بڑے اہتمام کے ساتھ مناتے ہیں روزے رکھتے ہیں۔ روزوں کے دنوں میں انسان کا جو پیٹ خالی ہوتا ہے۔ سرفراز شاہد نے اسی حوالے سے عید کے بعد جو جیب خالی ہوتی ہے۔ اس سے مزاحیہ انداز میں تشبیہ دی ہے اپنے قطعہ " قبل از عید۔۔۔ بعد از عید" لکھتے ہیں۔

روزے رکھے ہیں کس دھڑلے سے
عید بھی ٹھاٹھ سے منالی ہے
عید سے قبل پیٹ خالی تھا
عید کے بعد جیب خالی ہوتی ہے[174]

وہ شوہر جو سب کے لیے ایک عید کی شاپنگ کرتا ہے لیکن اس بیچارے شوہر کی خود یہ حالت ہوتی ہے۔ اس کا ایک بھی جوڑا نہیں خریدا جاتا اسے پرانا جوڑا ہی پہننا پڑتا ہے۔ اسے کپڑے بھی دھلوانے کے لیے عید کی صبح دھوبی کی دکان پر بیٹھنا پڑتا ہے۔ مرزا عاصی اختر نے اس شوہر کی بے بسی کا نقشہ " صبح عید" میں مزاحیہ انداز میں کھینچا ہے۔

سویاں کھا کے جائیں گے مزے سے عید گاہوں میں

نئے کپڑے پہن کر لوگ جو بن ٹھن کے بیٹھے ہیں

ہمارا ایک بھی جوڑا نہ مل پایا نہ دھل پایا

تو صبح عید ہے اور در پہ ہم دھوبن کے بیٹھے ہیں[175]

شوہر اور قربانی کے بکرے میں کوئی فرق نہیں سمجھا جاتا۔ دونوں کا کام ہی قربان ہونا ہے۔ اسی نکتے کو سرفراز شاہد نے اپنے قطعہ "قربانی کا بکرا" میں بیک وقت موازنہ کر کے پیش کیا ہے۔

شادی کے بعد ہم کو عید البقر پر شاہد

سمجھا گیا یہ نکتہ اک نوجوان بکرا

اس دن یقین آیا دونوں ہی ایک سے ہیں

ہو بے زبان شوہر یا بے زبان بکرا[176]

سرفراز شاہد نے شوہر اور بکرے کو بے زبان سے تشبیہ دی ہے۔ جو کسی کے آگے بولتا نہیں ہے۔ چاہے وہ شوہر ہو جو بیوی کے سامنے بے زبان ہوتا ہے۔ چاہے وہ بکرا جو قربانی کے وقت کچھ کہہ نہیں سکتا دونوں کا کام قربان ہونا ہے خاموشی کے ساتھ۔

عید کے دنوں میں بازاروں میں خواتین کا زیادہ رش ہوتا ہے۔ رنگ برنگے آنچل زیب تن کئے ہوئے خواتین عید کی شاپنگ میں مصروف دکھائی دیتی ہیں۔ عید کے موقع پر روزے کی حالت میں ہونے کی وجہ سے مرد و زن کی نگاہیں ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں۔ اس حوالے سے مرزا عاصی اختر مزاحیہ انداز میں "عید کی شاپنگ" میں "احتیاط" کا ذو معنی لفظ کی صورت میں استعمال کرتے ہوئے تذکرہ کر رہے ہیں۔ شاپنگ میں بھی احتیاط کرنی چاہئے اور روزے کی حالت میں بھی احتیاط کرنی چاہیے۔

روزوں میں روز روز نکلتے ہو مہ وشو

آنچل گلابی جامنی شانوں پر ڈال کے

شاپنگ عید کی ہے تو لازم ہے احتیاط

روزے کہاں تلک کوئی رکھے سنبھال کے [177]

iv۔ جہیز:

جہیز جسے ہمارے مذہب میں بہت بڑی لعنت قرار دیا گیا ہے۔ اسی جہیز کی وجہ سے ہماری بچّیاں شادی کی عمر کو پہنچ جانے کے باوجود بھی کنواری بیٹھی رہ جاتی ہیں۔ غریب ماں باپ ساری زندگی بچّیوں کا جہیز اکٹھا کرنے میں صرف کر دیتے ہیں لیکن پھر بھی وہ لڑکے والوں کی ڈیمانڈ پر پورا نہیں اتر سکتے۔ لڑکیاں جہیز نہ ہونے کی وجہ سے ماں باپ کی دہلیز پر انتظار کرتی رہ جاتی ہیں۔ اپنے خوابوں کے شہزادے کا یہاں تک کہ ان کے بالوں میں چاندی آ جاتی ہے۔ ہم نے آج اپنے دین کی اقدار و روایات کو چھوڑ دیا

ہے۔ جس کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ ہمارے مذہبِ اسلام میں ہے لڑکا کفالت کرے اور لڑکی کے لیے ساز و سامان دے جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شادی ہوئی تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا تھا اپنی زرہ بیچ کر گھر کے لیے چیزیں خرید لیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لاڈلی بیٹی بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جہیز میں صرف چند ضروریات زندگی دیں تاکہ لڑکی والوں پر بوجھ نہ پڑے۔ لیکن ہم لوگوں نے اپنے نبی کی سنت کو کو چھوڑ کر ہندوانہ رسم و رواج کو اپنا لیا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ لعنت ہمارے معاشرے میں ایسا ناسور بن چکی ہے۔ جس کا قلع قمع کرنا ضروری ہے۔ ہمارے شعراء حضرات اپنے اپنے انداز میں کہیں مزاح اور کہیں طنز کے تیر برساتے ہوئے۔ اس موضوع پر تحریر کرتے ہیں کہ آج لڑکے والے یہ کہتے ہیں کہ ہم ڈیمانڈ نہیں کر رہے یہ تو

ماں باپ اپنی بیٹی کو دیں گے تاکہ اگلے گھر سکھی رہ سکے۔ دلاور فگار اسی چیز کی عکاسی مزاحیہ انداز میں کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ لڑکے والوں کو وہ لڑکی چاہیے جو کہ جہیز میں کم از کم کیش لائے تاکہ کہ لڑکا اس پر عیش کر سکے۔

لڑکی اپنی ساتھ لائے کم سے کم دو لاکھ کیش
تاکہ لڑکا بعد شادی کر سکے آرام و عیش[178]

سید ضمیر جعفری بھی ہمارے معاشرے کی بے حسی کی طرف طنزاً اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ دُلھن کی طرف کی شادی کے وقت رشتہ کروانے والا دُلھا کی طرف سے جو پیغام لے کر آیا۔ وہ ہمارے معاشرے میں شرافت کا معیار سمجھا جاتا ہے کہ لڑکی والے لڑکے کو گاڑی تو ضرور دیں گے یعنی بیٹی والوں کو کیسے کیسے مجبور کیا جاتا ہے اس پر طنز ہے۔

شرافت کی سند پیغامبر لایا تو کیا لایا
جو اچھے لوگ ہیں بیٹی کو موٹر کار دیتے ہیں[179]

ہمارے ہاں لڑکی والوں کو کہا جاتا ہے کہ آپ اپنی بچی کو خوشی خوشی جو کچھ دینا چاہتے ہیں ہمیں کوئی اعتراض نہیں انداز بیاں دیکھیں کہ اگر وہ جہیز نہیں لاتی تو کوئی غم نہیں اس کے نام ایک مکاں ہونا چاہیے۔
بشیر اللہ شمیم ماں باپ کی دکھتی رگ پر کس طرح طنز کر رہے ہیں۔

کچھ نہیں غم، گر نہ لائے ساتھ وہ زیادہ جہیز
ہاں مگر ہو نام، اس کے ایک عالی شان مکاں
کار ہو، بے شک سوزوکی، کار ہو پر کار ہو
اور اگر بے کار، ہو بے کار ہے شادی وہاں[180]

دوسرے شعر میں کار اور بے کار کے لفظ کو ذو معنی الفاظ میں استعمال کیا ہے کہ اگر بغیر کار کے ہے تو ہمارے لیے بے کار ہے۔

ڈاکٹر انعام الحق جاوید بھی آج کل کے نوجواں لڑکوں کی انہی خواہشات کا اظہار اپنے قطعہ "بابائے قوم" سے کرتے ہیں۔ جس میں بوڑھا ہو جانے کے باوجود اس کی یہ خواہش ختم نہیں ہوتی۔ کار، درکار اور اور مار کا قافیہ طنزاً استعمال کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

چاہیے بنگلہ، بیوی اور اک کار مجھے
اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں درکار مجھے
رعشہ پڑ گیا جسم کو جھٹکے لگتے ہیں
میرے مولایوں تو نہ دھکے مار مجھے[181]

مزاحیہ انداز میں میں بیوی، بنگلہ اور کار کی فرمائش بھی کر دی اور یہ بھی کہا کہ مجھے اس سے زیادہ کچھ درکار نہیں۔ خود وہ دھکا سٹارٹ ہے لیکن اللہ تعالی سے شکوہ کر رہے ہیں کہ مجھے اس طرح دھکے نہ مارو۔ ہمارے نوجوانوں نے شارٹ کٹ ڈھونڈ لیا ہے۔ لڑکی کے والدین جہیز میں جو سازوسامان دیں گے۔ اس کی وجہ سے ہمیں نوکری کرنے کی ضرورت نہیں۔ لڑکی کی تعلیم و تربیت کو نہیں دیکھا جاتا ہے بلکہ ہمارے معاشرے کا معیار بن چکا ہے کہ وہ جہیز میں کیا کچھ لائی ہے۔ جتنا جہیز لائے ہو گی اتنی اس کی قدر ہو گی۔ انعام الحق جاوید اسی جہیز کے حوالے سے مزاحیہ انداز میں لکھتے ہیں۔

مانگتے ہیں جو جہیز اس سے تو یہ کہتا ہے
حسن لڑکی میں نہیں لڑکی کے سامان میں ہے[182]

ہمارے معاشرے میں لڑکیوں کا جہیز اس کے سارے عیب چھپا دیتا ہے۔ لڑکی جب جہیز میں لاکھوں لے کر آتی ہے تو پورے خاندان میں اس کی آؤ بھگت کی جاتی ہے۔ سسرال والے اس کو سر پر بٹھاتے ہیں۔ اس کی عزت اس کی وجہ سے نہیں، آنے والے جہیز کی وجہ سے کی جاتی ہے۔ سرفراز شاہد اس بیٹی کے والد کو طنزیہ انداز میں کہہ رہے ہیں کہ اگر چاہتے ہو کہ تمھاری بیٹی سسرال میں راج کرے تو اس کے ساتھ دو تین ٹرک کے بھیجنا۔

شادی میں لے کے آئے گی جب دو ٹرک جہیز
بیٹی تمھاری راج کرے گی گھرانے میں[183]

مرزا عاصی اختر اس بیوی کا نقشہ پیش کر رہے ہیں جو جہیز میں بھینس لے کر آئی ہے۔ اس کا خاوند ساری زندگی ان بھینسوں کو چارہ دیتے ہوئے گزار دیتا ہے۔

لائی تھیں چار بھینس بھی بیگم جہیز میں
چارہ بناتے رہتے ہیں بیچارگی سے ہم[184]

یہاں نوزائید ملک کو یہاں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اسی طرح وہاں ہمارا طنز و مزاح لکھنے والا طبقہ بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ انھوں نے بھی طنز و مزاح کے روایتی موضوعات سے ہٹ کر نئے موضوعات کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ معاشرہ جن اصول و ضوابط پر گامزن ہوتا ہے۔ اس میں بہت سی معاشی اور معاشرتی مسائل در پیش آتے ہیں جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنی جڑیں مضبوط کرتے چلے جاتے ہیں۔ لیکن ان سے رہائی مشکل دکھائی دیتی ہے۔

انہی معاشی اور معاشرتی معاملات کو ہمارے شعراء نے وقت کی نزاکت کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی شاعری میں برتا۔ شادی جیسے موضوع کو ہمارے شعراء نے طنز و مزاح کے پیرائے میں اپنے اپنے انداز

میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ شادی کے لئے پہلا مرحلہ ضرورت رشتہ کا ہوتا ہے یعنی شادی کہاں کی جائے خاندان کیسا ہو، لوگ کیسے ہو، لڑکی کا رنگ وروپ کیسا ہو، لڑکا کماؤ پوت ہو وغیرہ۔ یہ ایسے معاشرتی معاملات ہیں جو زمانے کے ساتھ ساتھ تبدیل بھی ہوئے اور ان میں تغیر و تبدل بھی آیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ لوگوں کے رویوں اور خیالات میں جو تبدیلی آئی۔ اسی کو شعراء کرام نے الفاظ کے پیرا ہن میں طنز و مزاح کے لبادے میں بیان کیا ہے۔

اسی طرح کا موضوع "فیملی پلاننگ" ہے۔ جو شادی کے بعد اگلا مرحلہ ہے۔ جس میں لڑکے کی خواہش میں اولاد میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ کثرت اولاد اور فیملی پلاننگ جیسے موضوعات مڈل کلاس اور لوئر مڈل کلاس کے ہاں زیادہ دکھائی دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ طبقہ ابھی تک اپنی روایات میں جکڑا ہوا ہے۔ جس میں میاں بیوی کم اور گھر کے بڑے بزرگ زیادہ فیصلہ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں میاں بیوی کے علاوہ ساس، سسر اور نند کا جو کردار ہے اس کی بھی تصویر کشی کی ہے۔

تعلیم سے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں شعور تو آیا ہے جس کی وجہ سے ان کی سوچ میں جو تبدیلی آئی ہے اس کو بدلتے وقت کے ساتھ ساتھ شعراء نے بیان کرنے کی سعی کی ہے۔

دوسری شادی مرد کا شرعی حق ہے۔ اس شرعی حق کو طنز و ظرافت کے پیرائے میں کبھی میم سے شادی، کبھی محبوبہ سے شادی اور کبھی بیوہ سے شادی کی صورت میں بیان کر کے مرد کے سینے میں چھپی ہوئی اس حسرت کو بے نقاب کیا ہے جس سے مسرت و انبساط کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اور ان کے چھپے

ہوئے عزائم بھی بے نقاب کئے ہیں۔ جس کی بدولت کبھی وہ امیر ہونے کا سوچتے ہیں، کبھی بیرون ملک جانے کا خواب دیکھتے ہیں۔ جس میں غالب عنصر پر تعیش زندگی بسر کرنا ہوتا ہے۔اس طرح مرد کی اس فطرت کی عکاسی طنز و ظرافت کے مختلف حربے استعمال کر کے بیان کی گئی ہے۔

معاشرتی معاملات کے علاوہ دیگر معاشی معاملات کو بھی شعراء کرام زیر بحث لائے ہیں۔ جن میں اکثریت نے کبھی سسرال میں جہیز کم لانے پر لڑکی کی جو درگت بنتی ہے اس کو موضوع بحث بنایا ہے۔ جس میں کبھی بیوی شوہر سے مہنگائی اور کم تنخواہ کا گلہ شکوہ کرتی نظر آئی ہے۔ کبھی سسرال والے اس پر طنز کے نشتر چبھوتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جس میں ہمیشہ وہ اپنی بہو سے نالاں ہی رہتے ہیں۔

عید جیسی تہوار کو بھی شعراء نے طنز و مزاح کے انداز میں خریداری نہ کرنے پر میاں بیوی کے درمیان میں جو بحث و تکرار ہوتی ہے۔اس کو شعراء نے اپنے اسلوب و بیان میں چابکدستی سے بیان کیا ہے۔

جہیز، مہنگائی اور تنخواہ ایسے معاشی موضوعات ہیں جس کا براہ راست تعلق ازدواجی زندگی سے ہے۔ جس کے حوالے مختلف شعراء کرام نے اپنا مدعا مذاق ہی مذاق میں اور طنز کے نشتر چبھوتے ہوئے قاری تک مختلف طنز و مزاح کے حربے استعمال کرتے ہوئے پہنچایا ہے۔ جس میں وہ بہت حد تک کامیاب بھی ہو ئے ہیں۔ شاعر ہمارے معاشرے کا ایسا نباض ہے جو معاشرے میں رہتے ہوئے ان کے خلاف نبرد آزما بھی ہے اور برسرپیکار بھی۔ جو کسی بھی شاعر کا کل اثاثہ ہے۔

حوالہ جات

ا۔ قمر رئیس، ڈاکٹر، عصر حاضر میں اردو طنز و مزاح (مضمون)، مشمولہ: طنز و مزاح تاریخ، تنقید، انتخاب، مرتبہ: طاہر تونسوی، ڈاکٹر، سنگ میل، پبلی کیشنز، لاہور، بار اوّل 1985، ص127

2۔ شوکت تھانوی، قطعہ، کشتیِ زعفران، مرتبہ: انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، کلاسیک دی مال، لاہور، س۔ن۔ ص40۔39

3۔ مسٹر دہلوی، فیملی پلاننگ (نظم) مشمولہ: ظریف کلام، مرتبہ: اقرار حسین شیخ، فائن پبلی کیشنز، لاہور، اشاعت اوّل 2002، ص144

4۔ سرفراز شاہد، اردو کی مزاحیہ شاعری۔ اکادمی ادبیات پاکستان، لاہور، اشاعت دوم، 2007، ص167

5۔ دلاور فگار، کلیات دلاور فگار، فرید پبلیشرز، کراچی، س۔ن۔ ص78

6۔ غلام رسول چچا، چاچے کی پٹاری، روداد پبلی کیشنز، اسلام آباد 2003، ص20

7۔ چونچال سیالکوٹی، منقار، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2000، ص47

8۔ غوں غاں (قطعہ)، مشمولہ: اردو کی مزاحیہ شاعری، مرتبہ: سرفراز شاہد، اکادمی ادبیات پاکستان، 2007، ص252

9۔ بلبل کاشمیری، خندہ گل، مکتبہ نیرنگ خیال، راولپنڈی، 1987، ص17

10۔ طٰہٰ خان، بحوالہ، اردو کی مزاحیہ شاعری، مرتبہ: سرفراز شاہد، ص214

11۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، خوش کلامیاں، مکتبہ تخلیقات، لاہور، طبع سوم 1995، ص31

12۔ فرزانہ سحاب مرزا، قطعہ، مشمولہ: گلہائے تبسّم، مرتبہ: انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2005، ص335

13۔ خالد عرفان، لوڈشیڈنگ میں سہاگ رات (نظم)، مشمولہ: اردو کی مزاحیہ شاعری، مرتبہ: سرفراز شاہد، ص284

14۔ رفیق مغل، قطعہ، مشمولہ: گلہائے تبسّم، مرتبہ: انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، ص193

15۔ مرزا عاصی اختر، سنا کرے کوئی (قطعہ)، مشمولہ: گلہائے تبسّم، مرتبہ: انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، ص377

16۔ مجید سالک، قطعہ، مشمولہ: گلہائے تبسّم، مرتبہ: انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، ص156

17۔ لیاقت علی لیاقت، قطعہ، باقی تو سب ٹھیک ہے، الطاف ایجوکیشنل پبلیشرز اینڈ پرنٹر، لاہور، نومبر 2006، ص271

18۔ نسیم سحر، لائن کٹ گئی، روداد پبلی کیشنز، G-9/4، اسلام آباد، 2003، ص34

19۔ سعدیہ حریم، شادی (نظم)، مشمولہ: گلہائے تبسّم، مرتبہ: انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، ص216

20۔ افضل پارس، (بے غم) (قطعہ)، پپّو یار تنگ نہ کر، سجّاد پبلی کیشنز، لاہور، جون 2008، ص45

21۔ حیدر حسین جلیبی، بیوی کی تلاش (نظم)، مشمولہ: مشہور مزاحیہ شاعری، مرتبہ: ص116-117

22۔ اسرار اشفاق، قطعہ، مشمولہ مزاحیہ مشاعرہ، مرتبہ: شاکر حسین شاکر، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2003، ص17

23۔ دلاور فگار، ضرورت رشتہ (نظم)، کلیات دلاور فگار، فرید پبلیشرز، کراچی، س۔ن۔ ص18-19

24۔ دلاور فگار، ضرورت رشتہ (نظم)، کلیات دلاور فگار، فرید پبلیشرز، کراچی، س۔ن۔ ص79

25۔ بشیر اللہ شمیم، ایک لڑکی چاہیے (نظم)، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، مرتبہ: یوسف مثالی، مشتاق بک کارنز، لاہور، س۔ن۔ ص 73

26۔ بشیر اللہ شمیم، ایک لڑکی چاہیے (نظم)، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، مرتبہ: یوسف مثالی، مشتاق بک کارنز، لاہور، س۔ن۔ ص 73

27۔ بشیر اللہ شمیم، ایک لڑکی چاہیے (نظم)، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، مرتبہ: یوسف مثالی، مشتاق بک کارنز، لاہور، س۔ن۔ ص 74

28۔ مجید لاہوری، ایک لڑکی چاہیے (نظم)، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، مرتبہ: یوسف مثالی، مشتاق بک کارنز، لاہور، س۔ن۔ ص 75

29۔ خالد عرفان، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، مرتبہ: یوسف مثالی۔ مشتاق بک کارنر، لاہو، س۔ن۔ ص

30۔ شاہد الواری، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، مرتبہ: یوسف مثالی۔ مشتاق بک کارنر، لاہور، س۔ن۔ ص 181

31۔ چونچال سیالکوٹی، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، مرتبہ: یوسف مثالی۔ مشتاق بک کارنر، لاہو، س۔ن۔ ص 88

32۔ سید ضمیر جعفری، دین و سیاست، (نظم)، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، مرتبہ: یو سف مثالی۔ مشتاق بک کارنر، لاہو، س۔ن۔ ص 167

33۔ سید سلمان گیلانی، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، مرتبہ: یوسف مثالی۔ مشتاق بک کارنر، لاہو، س۔ن۔ ص 162

34۔ مرزا حیدر عباس، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، مرتبہ: یوسف مثالی۔ مشتاق بک کارنر، لاہو، س۔ن۔ ص 280

35۔ مجذوب چشتی، قطعہ، کشتِ زعفران، مرتبہ: انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، کلاسیک دی مال، لاہور، س۔ن۔ ص 79

36۔ دلاور فگار، جوابِ شکوہ (نظم)، کلیات دلاور فگار، فرید پبلی کیشنز، کراچی، س۔ن۔ ص 627

37۔ دلاور فگار، ایک نئی منصوبہ بندی، قطعہ، کلیات دلاور فگار، فرید پبلی کیشنز، کراچی، س۔ن۔ ص676

38۔ سید ضمیر جعفری، قطعہ، نشاط تماشا، فکاہی کلیات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1993، ص 475

39۔ نذیر احمد شیخ، قطعہ، مشمولہ: شاخِ تبسّم، مرتبہ: انور مسعود، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2000، ص63

40۔ سیّد ضمیر جعفری، قطعہ (پیدا کرو)، مشمولہ: شاخِ تبسّم، ص94

41۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، کوئے ظرافت، مطبع حاجی حنیف اینڈ سنز، لاہور، طبع اوّل 2002، ص105

42۔ سرفراز شاہد، قطعہ، گفتہ شگفتہ، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2002، ص65

43۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، تبسّم طرازیاں، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2009، ص38

44۔ شاہد الوری، ڈاکٹر، قطعہ، مشمولہ: مکمل مزاحیات، مرتبہ: معاذ حسن، علم و عرفان پبلیشرز، لاہور، 2000، ص198

45۔ سرفراز شاہد، قطعہ، (کلیات) ڈش انٹینا، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2000، ص66

46۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، مشمولہ: گلہائے تبسّم، مرتبہ: انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2005، ص150

47۔ سرفراز شاہد، قطعہ، (کلیات) ڈش انٹینا، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2000، ص129

48۔ انور مسعود، قطعہ، قطعہ کلامی، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 1999، ص71

49۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، سجّاد پبلی کیشنز، لاہور، جون 2008، ص105

50۔ سرفراز شاہد، غزل، (کلیات) ڈش انٹینا، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2000، ص141

51۔ انور مسعود، قطعہ، غنچہ پھر لگا کھلنے، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، اشاعت سوم، 1999، ص37

52۔ سرفراز شاہد، قطعہ، (کلیات) ڈش انٹینا، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2000، ص283

53۔ انور مسعود، قطعہ، قطعہ کلامی، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 1999، ص92

54۔ ضمیر جعفری، سیّد، قطعہ، مسدس بد حالی، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2001، ص149

55۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، سجّاد پبلی کیشنز، لاہور، جون 2008، ص16

56۔ لیاقت علی لیاقت، قطعہ، باقی تو سب ٹھیک ہے، الطاف ایجو کیشنل پبلیشرز اینڈ پرنٹر، لاہور، نومبر 2006، ص48

57۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، سجّاد پبلی کیشنز، لاہور، جون 2008، ص105

58۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، سجّاد پبلی کیشنز، لاہور، جون 2008، ص88

59۔ لیاقت علی لیاقت، قطعہ، باقی تو سب ٹھیک ہے، الطاف ایجو کیشنل پبلیشرز اینڈ پرنٹر، لاہور، نومبر 2006، ص217

60۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، سجّاد پبلی کیشنز، لاہور، جون 2008، ص109

61۔ لیاقت علی لیاقت، قطعہ، باقی تو سب ٹھیک ہے، الطاف ایجو کیشنل پبلیشرز اینڈ پرنٹر، لاہور، نومبر 2006، ص217

62۔ مسرور جالندھری، مشمولہ: کشتیٔ زعفران، مرتبہ: انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، کلاسیک دی مال، لاہور، س۔ن۔ ص106

63۔ رخسانہ نازی، کنوارا نہیں ملا، مون پبلی کیشنز، لاہور، اپریل 2007، ص109

64۔ نذیر احمد شیخ، عقد ثانی (نظم)، واہ رے شیخ نذیر، مرتبہ: سرفراز شاہد، بزم اکبر، اسلام آباد، 1998، ص189

65۔ دلاور فگار، غزل، کلیات دلاور فگار، ص653

66۔ اعجاز گیلانی، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، ص43

67۔ خالد عرفان، غزل، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، ص101

68۔ مبشر خورشید، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، ص264

69۔ سرفراز شاہد، قطعہ، مشمولہ: مشہور مزاحیہ شاعری، ص69

70۔ سرفراز شاہد، قطعہ، مشمولہ: مشہور مزاحیہ شاعری، ص85

71۔ ای ڈی اظہر، غزل

72۔ انعام الحق جاوید،ڈاکٹر، قطعہ، کوئے ظرافت، ص77

73۔ انعام الحق جاوید،ڈاکٹر، قطعہ، کوئے ظرافت، ص150

74۔ مرزا عاصی اختر، قطعہ، گُدگُدّی، ص102

75۔ عبیر ابو ذری، قطعہ، پاپڑ کرارے، الحمد پبلی کیشنز،لاہور، بار اوّل، سن1999، ص35

76۔ انعام الحق جاوید،ڈاکٹر، سوبٹاسو، ص116

77۔ مرزا عاصی اختر، قطعہ، گُدگُدّی، ص101

78۔ سرفراز شاہد، غزل،ڈش انٹینا، ص101

79۔ سرفراز شاہد، غزل،ڈش انٹینا، ص79

80۔ محمد طٰہٰ خان، قطعہ، مشمولہ: ابا کہاں سے لبھا تھا، ص103

81۔ انعام الحق جاوید،ڈاکٹر، قطعہ، تبسّم طرازیاں، ص56

82۔ مظہر عباس رضوی،ڈاکٹر، قطعہ، گڑبڑ گھٹالہ، ص105

83۔ لیاقت علی لیاقت، قطعہ، باقی تو سب ٹھیک ہے، ص72

84۔ مرزا عاصی اختر، قطعہ، گُدگُدّی، ص79

85۔ جعفر رضوی، قطعہ، مشمولہ:لاجواب مزاحیہ شاعری، ص219

86۔ انور مسعود، قطعہ، درپیش، ص32

87۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، ص61

88۔ لیاقت علی لیاقت، قطعہ، باقی تو سب ٹھیک ہے، ص37

89۔ مرزا عاصی اختر، قطعہ، گُدگُدّی، ص111

90۔ امیر الاسلام ہاشمی، قطعہ، مشمولہ:لاجواب مزاحیہ شاعری، ص167

91۔ انعام الحق جاوید، قطعہ، مشمولہ: کشتِ ئزعفران،، ص76

92۔ شاہد الوری، قطعہ، مشمولہ: کشتِ ئزعفران،، ص124

93۔ لیاقت علی لیاقت، قطعہ، باقی تو سب ٹھیک ہے، ص73

94۔ خالد مسعود خان، قطعہ، مشمولہ: ابّا کہاں سے لبھا تھا، ص58

95۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، ص73

96۔ سرفراز شاہد، قطعہ، گُفتہ شگُفتہ، ص69

97۔ ارشد محمد ناشاد، قطعہ، مشمولہ: گلہائے تبسّم، ص39

98۔ سرفراز شاہد، قطعہ، ڈش انٹینا، ص282

99۔ لیاقت علی لیاقت، قطعہ، باقی تو سب ٹھیک ہے، ص51

100۔ سرفراز شاہد، قطعہ، گُفتہ شگُفتہ، ص54

101۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، ص113

102۔ ضیاالحق قاسمی، قطعہ، مشمولہ: مشہور مزاحیہ شاعری۔ ص34

103۔ عبیر ابوذری، پاپڑ کرارے، ص35

104۔ سرفراز شاہد، فوٹو اسٹیٹ محبوبہ (نظم)، مشمولہ: مشہور مزاحیہ شاعری۔ ص70

105۔ نیاز سواتی، قطعہ، مشمولہ: مشہور مزاحیہ شاعری۔ ص105

106۔ اطہر شاہ خان جیدی، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ مشاعرہ، ص17

107۔ اسامہ منیر، ڈاکٹر، نظم، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، ص122

108۔ شاہد الوری، ڈاکٹر، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، ص181

109۔ روف رحیم، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، ص147

110۔ سرفراز شاہد، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، ص155

111۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، کوئے ظرافت، ص25

112۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، کوئے ظرافت، ص45

113۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، کوئے ظرافت، ص149

114۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، مشہور مزاحیہ شاعری، ص59

115۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، مشہور مزاحیہ شاعری، ص

116۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، سوبٹا سو، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2003، ص107

117۔ ضیاالحق قاسمی، قطعہ، مشمولہ: لاجواب مزاحیہ شاعری، مرتبہ: سید فیاض علی، رحمن بک ہاؤس، کراچی، س۔ن، ص118

118۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، سوبٹا سو، ص62

119۔ دلاور فگار، قطعہ، کلیات دلاور فگار، ص406

120۔ سید سلمان گیلانی، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، ص163

121۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، کوئے ظرافت، ص76

122۔ اعجاز گیلانی، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، ص43

123۔ نیاز سواتی، قطعہ، مشمولہ: مکمل مزاحیات، ص278

124۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، ص107

125۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، ص29

126۔ انور مسعود، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، مرتبہ: یوسف مثالی۔ مشتاق بک کارنر، لاہو، س۔ن۔ ص63

127۔ باقر وسیم، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، مرتبہ: یوسف مثالی۔ مشتاق بک کارنر ، لاہو، س۔ن۔ ص68

128۔ روحی کنجاہی، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، مرتبہ: یوسف مثالی۔ مشتاق بک کارنر، لاہو، س۔ن۔ ص146

129۔ سائل آزاد، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، مرتبہ: یوسف مثالی۔ مشتاق بک کارنر، لاہو، س۔ن۔ ص153

130۔ فاصل حمیدی، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، مرتبہ: یوسف مثالی۔ مشتاق بک کارنر، لاہو، س۔ن۔ ص242

131۔ مجذوب چشتی، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، مرتبہ: یوسف مثالی۔ مشتاق بک کارنر، لاہو، س۔ن۔ ص266

132۔ ناظر ٹونکی، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، مرتبہ: یوسف مثالی۔ مشتاق بک کارنر
،لاہو، س۔ن۔ ص302

133۔ گلزار بخاری، مہنگائی (نظم)، مشمولہ: کشتِ زعفران، مرتبہ: انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، کلاسیک دی
مال، لاہور، س۔ن، ص118

134۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، کوئے ظرافت، مطبع حاجی حنیف اینڈ سنز، لاہور، طبع اوّل
2002،64

135۔ عنایت علی خان، قطعہ، مشمولہ: مشہور مزاحیہ شاعری، مرتبہ: ارشد ملک، رُمیل ہاؤس آف
پبلی کیشنز، جون2007، ص99

136۔ دلاور فگار، قطعہ، کلیات دلاور فگار، فرید پبلی کیشنز، کراچی، س۔ن۔ ص367

137۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، کوئے ظرافت، مطبع حاجی حنیف اینڈ سنز، لاہور، طبع اوّل
2002، ص75

138۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، کوئے ظرافت، مطبع حاجی حنیف اینڈ سنز، لاہور، طبع اوّل
2002، ص75

139۔ سرفراز شاہد، غزل، گُفتہ شگُفتہ، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2002، ص45۔44

140۔ مرزا عاصی اختر، غزل، گُدگُدی، ایجوکیشنل پریس، کراچی، دسمبر، 2009، ص59

141۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، تبسّم طرازیاں، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2009، ص
109

142۔ سرفراز شاہد، قطعہ، (کلیات) ڈش انٹینا، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2000، ص123

143۔ ممتاز راشد، قطعہ، گلہائے تبسّم، ص393

144۔ سیّد ضمیر جعفری، قطعہ، مسدس بدحالی، ص149

145۔ لیاقت علی لیاقت، قطعہ، باقی تو سب ٹھیک ہے، ص111

146۔ سرفراز شاہد، قطعہ، (کلیات) ڈش انٹینا، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2000، ص260

147۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، تبسّم طرازیاں، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2009، ص25

148۔ انور مسعود، قطعہ، درپیش، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، س۔ن، ص76

149۔ مرزا ادیب، عوامی شاعر، مشمولہ: میلہ اکھیاں دا، انور مسعود، دوست کیشنز، اسلام آباد، 100 ایڈیشن، 1998، ص22

150۔ لیاقت علی لیاقت، قطعہ، باقی توسب ٹھیک ہے، ص104

151۔ مظہر عباس رضوی، ڈاکٹر، قطعہ، گڑبڑ گھٹالہ، بزمِ اکبر، اسلام آباد، اگست 2005، ص160

152۔ سرفراز شاہد، قطعہ، (کلیات)ڈش انٹینا، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2000، ص287

153۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، تبسّم طرازیاں، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2009، ص63

154۔ سیّد ضمیر جعفری، قطعہ، سرگوشیاں، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 1998، ص66

155۔ مظہر عباس رضوی، ڈاکٹر، قطعہ، گڑبڑ گھٹالہ، بزمِ اکبر، اسلام آباد، اگست 2005، ص148

156۔ زاہد فخری، قطعہ، گلہائے تبسّم، ص202

157۔ سیّد ضمیر جعفری، قطعہ، سرگوشیاں، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 1998، ص116

158۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، مشمولہ: مشہور مزاحیہ شاعری، ص58

159۔ اسرار اشفاق، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ مشاعرہ، ص14

160۔ مرزا عاصی اختر، غزل، گُدگُدی، ایجوکیشنل پریس، کراچی، دسمبر، 2009، ص59

161۔ سرفراز شاہد، قطعہ، (کلیات)ڈش انٹینا، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2000، ص65

162۔ اطہر شاہ خان جیدی، قطعہ، مشمولہ: مکمل مزاحیات، مرتبہ: معاذ حسن، علم و عرفان پبلیشرز، لاہور، 2000، ص246

163۔ سرفراز شاہد، قطعہ، (کلیات)ڈش انٹینا، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2000، ص260

164۔ لیاقت علی لیاقت، قطعہ، باقی توسب ٹھیک ہے، ص80

165۔ ضیا الحق قاسمی، غزل، مشمولہ: مشہور مزاحیہ شاعری، ص34

166۔ سرفراز شاہد، غزل، مشمولہ: مشہور مزاحیہ شاعری، ص69

167۔ دلاور فگار، عید، زکوۃ اور عیدیاں، (نظم)، کلیات دلاور فگار، ص641

168۔ سیّد محمد جعفری، عید کی خریداری (نظم)، کلیات سید محمد جعفری، سنگ میل پبلی کیشنز،

لاہور،2012،ص124

169۔ سیّد محمد جعفری، عید کی خریداری (نظم)، کلیات سید محمد جعفری، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور،2012،ص125

170۔ منّوبھائی، اُردو کی بہترین مزاحیہ شاعری، طہٰ پبلیشرز، لاہور،2008،ص87

171۔ گلزار بخاری، مہنگائی (نظم)، مشمولہ: کشتِ زعفران، مرتبہ: انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، کلاسیک دی مال، لاہور، س۔ن، ص118

172۔ دلاور فگار، عید، زکوٰۃ اور عیدیاں، (نظم)، کلیات دلاور فگار، ص642

173۔ ساجدہ سخی، غزل، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، ص152

174۔ سرفراز شاہد، قطعہ، گُفتہ شگُفتہ، ص76

175۔ مرزا عاصی اختر، قطعہ، گُدگُدّی، ص101

176۔ سرفراز شاہد، قطعہ، گُفتہ شگُفتہ، ص279

177۔ مرزا عاصی اختر، قطعہ، گُدگُدّی، ص103

178۔ دلاور فگار، ضرورت رشتہ، (نظم)، کلیات دلاور فگار، ص80

179۔ سید ضمیر جعفری، قطعہ، نشاط تماشا، فکاہی کلیات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور،1993، ص94

180۔ بشیر اللہ شمیم، ایک لڑکی چاہیے (نظم)، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، ص73

181۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، کوئے ظرافت، ص103

182۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، غزل، کوئے ظرافت، ص158

183۔ سرفراز شاہد، غزل، گُفتہ شگُفتہ، ص85

184۔ مرزا عاصی اختر، قطعہ، گُدگُدّی، ص103

باب سوم:

اردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں ازدواجی زندگی کی عکاسی

(عائلی تناظر میں)

الف۔ اردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری کا عائلی تناظر میں جائزہ:

کسی بھی خاندان کی ابتداء مرد اور عورت کے باہمی تعلق سے ہوتی ہے۔ جس سے زندگی کا سفر رواں دواں ہوتا ہے۔ انسان کی زندگی کی ارتقائی کڑیاں یونہی بنتی سنورتی چلی جاتی ہیں۔ اس دنیا کی ابتداء بھی

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہ السلام کے باہمی ملاپ سے ہوئی۔ اس طرح اس دنیا میں سب سے پہلا قائم ہونے والا رشتہ میاں بیوی ہی کا ہے۔ کسی بھی خاندان کی ابتدا مرد اور عورت کے باہمی مستحکم رشتے سے ہی وجود میں آتی ہے۔ اس طرح وسیع تر تناظر میں اس میں وہ تمام عناصر شامل ہیں جو مرد عورت کے ساتھ کسی نہ کسی طرح وابستہ ہیں۔ جب مرد عورت رشتہ ازدواج میں منسلک ہوتے ہیں تو ایک نئی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ ان دو رشتوں کی بدولت نئے رشتے اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اس طرح یہی مرد اور عورت والدین کا روپ دھار لیتے ہیں تو ان کی حیثیت، مقام اور مرتبہ بدل جاتا ہے۔ ان کے بچے ہو جاتے ہیں۔ اس طرح خون کے رشتے پھیلتے اور آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ جس سے ایک معاشرہ تخلیق پاتا ہے۔

خاندان ہی وہ ادارہ ہے جس سے انسانی رویے اور طرزِ عمل کا پتہ چلتا ہے۔ جس سے کسی معاشرے کی تربیت ہوتی ہے۔ خاندان کا آغاز و ارتقا ایک ایسا مسلسل عمل ہے جس سے ایک فرد دوسرے فرد کا سہارا بنتا ہے۔

عورت اور مرد کے تعاون سے ہی فرائض انسانی کی تکمیل ہوتی ہے۔ ان کے باہمی تعاون سے ایک خاندان ایک اکائی کی صورت میں اپنے فرائض سرانجام دیتا ہے۔ قرآن پاک میں مرد و عورت کو ایک دوسرے کے حقوق کا نگراں بنایا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے،

"تم عورتوں کا لباس ہو اور عورتیں تمھارا لباس ہیں۔"

دنیا کی تمام رونق اور چہل پہل ان مرد و زن کے باہمی تعاون کی ہی بدولت ہے۔ انھی کے وجود سے دنیا میں راحت و خوشی ملتی ہے۔ جو اخلاق و تمدن اور معاشرت کا سرچشمہ بنی ہوئی ہے۔ جس سے اس دنیا میں رنگا رنگی اور خوبصورتی ہے۔ ہمارا مذہب اسلام میں مرد اور عورت کا جو مقام اور مرتبہ ہے۔ اس سلسلے میں ان دونوں کے حقوق و فرائض کو متعین کر دیا گیا ہے۔ مرد جو گھر کا سربراہ ہے۔ جس کے ذمے عورت کے نان نفقہ کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اور عورت کا کام گھر اور بچوں کی نگہداشت کرنا۔ مرد کے ساتھ اس کے دکھ میں برابر کی شریک ہونا۔ لڑکی جب بیاہ کر اگلے گھر جاتی ہے تو اس کا مقام اور مرتبہ بھی بیٹی اور بہن سے بیوی اور بہو میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس حوالے سے اس پر ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں۔ جن سے عہدہ برآں ہونا اس عورت کے ذمے ہے۔ اسی طرح مرد بھی نئے رشتے بناتا ہے۔ وہ بھی بیٹے اور بھائی سے خاوند اور داماد کا درجہ

حاصل کرتا ہے۔ ان دونوں فریقین کے ارد گرد رہنے والے لوگوں کو اِن کو سمجھنے کا موقع دینا چاہیے۔ اس طرح ان دونوں کے ساتھ ساتھ نئے رشتے وجود میں آتے ہیں۔ جو ان کی زندگی میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔

سسر، ساس، نند، نندوئی، دیور، دیورانی، سالا، سالی، داماد وغیرہ۔ یہ تمام رشتے ان دو رشتوں کی بدولت معرض وجود میں آتے ہیں۔ ایک خاندان کی کامیابی کا راز ہی اس میں مضمّر ہے کہ ان رشتوں کی کامیابی اور بقا کے لیے کتنی کوششیں کی جاتی ہیں۔ ان رشتوں میں ہونے والی اونچ نیچ ان رشتوں میں دراڑ کا باعث بنتی ہے۔ اور بعض اوقات معاملات اس نہج پر پہنچ جاتے ہیں کہ ان کا ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ ان عائلی رشتوں کو سنوارنے اور بگاڑنے میں تمام لوگ اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں افراد

(میاں بیوی) دو مختلف خاندانوں کے باہم میل جول سے وجود میں آتے ہیں۔ اس لیے ان کے درمیان میں اختلاف رائے کا ہونا ایک فطری عمل ہے۔ لیکن اس اختلاف رائے کو ایک دوسرے کے درمیان انا کا مسئلہ نہیں بننے دینا چاہیے۔ معاملات میں ایک دوسرے کا لحاظ کرتے ہوئے ذہنی ہم آہنگی کے ساتھ سمجھانا چاہئے۔ تاکہ اتفاق رائے سے وہ مسئلہ حل ہو جائے۔ رشتوں کی خوبصورتیاں ان کو قائم و دائم رکھنے کی ضامن ہوتی ہیں۔

جس طرح کہا جاتا ہے کہاوت ہے کہ جہاں برتن ہوتے ہیں وہاں ان کے کھڑکنے کی آواز آتی ہے۔ اس طرح جس طرح ایک خاندان میں لوگ رہتے ہیں ان میں بھی یہ سلسلہ جاری وساری ہوتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی بات پر لڑائی جھگڑا اور رنجشیں ایک دوسرے سے دوری کا باعث بنتی ہیں۔ ہمارے طنز و مزاح لکھنے والوں نے عائلی زندگی میں موجود ناہمواریوں اور ناپائیداریوں کو اپنی شاعری میں بیان کیا۔ شاعر اپنا مواد کیونکہ اپنے ارد گرد بالخصوص معاشرے سے لیتا ہے۔ اور نہایت زیرک نگاہی سے چیزوں کو دیکھتا ہے۔ جس تک عام قاری کی نگاہ نہیں جاتی۔ اس کو اس طرح مزاحیہ انداز میں ہمارے سامنے پیش کرتا ہے کہ ہمیں اس چیز کا نیازاویہ نظر آتا ہے جو شاید ہماری نظروں سے اوجھل ہوتا ہے۔

طنز و مزاح لکھنے والوں نے گھریلو اور عائلی زندگی کے حوالے سے خاص طور پر میاں بیوی کے درمیان میں ذہنی ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ سے جو چپقلش ہوتی ہے۔ خاوند بیوی کے ہر کام میں نقص نکالتا ہے۔ معاشرے میں مرد کی حاکمیت ہے۔ اس لیے مرد ہمیشہ مظلوم اور بیوی کے ہاں میں ہاں ملانے والا دکھائی دیا جاتا ہے۔ جو سسرال اور بیوی کے آگے پیچھے گھومتے ہوئے نہیں تھکتا۔ ہمارے معاشرے میں "زن مرید" کہہ کر مخاطب کیا جاتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں عائلی زندگی میں میاں بیوی کے ساتھ ساس، نند اور دیگر رشتے بھی ہیں جو حقیقی زندگی میں اپنا جو رّول ادا کرتے ہیں۔ اس کی عکاسی ہماری طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں شعراء حضرات شعروں کے قالب میں ڈھال کر کرتے ہیں۔ دیکھا جائے تو تمام نسوانی کرداروں کو شعراء حضرات نے تند و تیز، لڑاکا اور ظالم دکھایا ہے۔ جس سے تمام دنیا کے رہنے والے لوگ پناہ مانگتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ زیادہ طنز و مزاح لکھنے والا طبقہ مرد حضرات پر مشتمل ہے۔ جو اپنی برتری اور حاکمیت کو واضح کرنے کے زعم میں خود کو مظلوم، بے بس اور بیوی کے ہاں میں ہاں ملانے والا دکھاتا ہے۔

ہمارے معاشرے کی راوایات واقدار جیسے جیسے بدلتی گئیں ہمارے اصول وضوابط بھی تبدیل ہوتے گئے۔ ایک وہ زمانہ تھا جب گھر میں ساس، سسر اور بہو ایک ہی چھت تلے زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک دوسرے کے بچوں کی تعلیم و تربیت اپنے بچے سمجھ کر کی جاتی تھی۔ گھروں میں ہونے والی نوک جھوک کو برداشت کیا جاتا تھا۔ لیکن جیسے جیسے تبدیلی آئی حالات وواقعات کے ساتھ ساتھ اس کا اثر گھریلو زندگی پر بھی پڑا۔ ایک چھت تلے رہنے والے اپنے لیے الگ چھت کی فرمائش کرنے لگے۔ ماں باپ اولاد کی تربیت ایسے کرنے لگے کہ بیٹیاں جو پہلے اگلے گھر کو اپنا گھر سمجھ کر صبح سے رات تک بے چوں چرا کام کرتی رہتی تھیں۔ اُن کے اندر مغرب کی دیکھا دیکھی اپنی آزادی کا خیال آیا۔ جس کی بدولت عورت گھر کی چار دیواری سے باہر نکلی۔ اس رنگین دنیا نے اس کو اپنے حقوق سے آگہی کا شعور دیا۔ جو ہمارا مذہب اسلام ہم سے پہلے ہی دے چکا تھا۔ لیکن اس نے گھریلو ذمہ داریوں کے ساتھ باہر کی ذمہ داری کو بھی اپنے نازک کندھوں پر اٹھایا ہوا ہے۔ اس طرح اولاد کی تربیت کے سلسلے میں بھی اس کے پاس وقت نہیں رہا۔ اس طرح پیار و محبت کی اس فضا میں گھر کا

ماحول ایسا منظر پیش کرتا ہے۔ جس میں جو کج ادائی اور ناہمواریاں ابھر کر سامنے آتی ہیں۔ جس میں کبھی ساس ،بہو سے گلہ شکوہ کرتی نظر آتی ہے۔ کبھی بھابھی نند سے بحث و تکرار میں الجھی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ کبھی بہنوئی سالے سے خائف تو کبھی سالی کے ساتھ ہنسی مذاق کی سی کیفیت ہوتی ہے۔ گوشت پوشت کے انہی انسانوں میں گھر کی فضا میں مضحک خیز پہلوؤں کو تلاش کرکے شعراء حضرات ہمیں چند لمحے کے لیے ہنسنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ جیسے راجہ مہدی علی خان رات گھر کو لیٹ آنے کی صورت میں دروازہ کھٹکھٹانے والے شوہر کی جو حالت بیان کر رہے ہیں اس کو پڑھ کر بے اختیار ہنسی آجاتی ہے۔ جس میں بیانیہ انداز میں وہ اپنا مدّعا بھی بیان کر رہے ہیں۔ نظم "دستکِ نیم شب" ۔

کھٹکٹاتا ہوں بہت دیر سے دروازہ کھول
اے مری روٹھی ہوئی بیوی ذرا منہ سے بول
شک نہ کر مجھ پہ میری جاں سے پیاری ممتاز
پڑھ رہا تھا کسی مسجد میں تہجد کی نماز
ایک ہی صف میں کھڑے تھے وہاں محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ وہاں تھا نہ کوئی بندہ نواز
میرے ہی گھر سے نہ کرہائے میرا بستر گول
کھٹکٹاتا ہوں محبت سے دروازہ کھول[1]

میاں اپنی کیفیت کو بیوی سے چھپاتا پھرتا ہے۔ اور ساتھ ساتھ بیان بھی کرتا چلا جاتا ہے۔علامہ اقبال کے مصرعے "ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز" کی پیروڈی بھی ہے۔

بقول وزیر آغا:

> راجہ مہدی علی خاں کی نظموں میں شادی سے قبل اور شادی کے بعد کی زندگی کے ایسے تمام پہلو پیش ہوئے ہیں جو نہ ہمواریوں کو جنم دے کر بہجت کے مواقع باہم پہنچاتے ہیں۔ [2]

لیاقت علی لیاقت نے میاں کی بے چارگی اور وقت کے ساتھ ساتھ زمانے کا ساتھ دیتے ہوئے شوہر کی بے بسی کو ایسے بیان کیا ہے۔

وہ زمانہ اور تھا اور یہ زمانہ اور ہے
بیویوں کا آج کل آنسو بہانہ اور ہے
میں "میاں اوں" بن کے بھی اس کے ہی قدموں میں رہا
پھر بھی اس کا ایک کے بعد اک بہانہ اور ہے[3]

امیر الاسلام ہاشمی "بیوی" قطعہ بیوی سے شادی اس دنیا میں نیکی کا بہانہ کرنے سے مترادف دے رہے ہیں۔ جس کی بدولت مجھے ایسے مال و متاع سے نوازا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے میں ساری زندگی پروانے کی طرح جلتا رہوں گا۔ جس میں علامہ اقبال کے مصرعے کی تضمین استعمال کرتے ہوئے طنز کرتے ہیں۔

چلی ہے بات جو گھر کی تو ہم بتاتے ہیں
یہ نیکی کرنے کا ہم کو بھی اک بہانہ ملا
خدا کی دین ہے بیوی کے روپ میں ہم کو
"متاعِ درد ملی ، سوزِ جاودانہ ملا[4]

انور مسعود نے ازدواجی زندگی میں میاں بیوی کے درمیان ہونے والے باتوں کو اپنی شاعری کا موضوع اس طرح بنایا ہے کہ بے اختیار لبوں پر مسکراہٹ آجاتی ہے۔ بقول ڈاکٹر انور سدید

> انور مسعود نے بات کو پھیلانے کے بجائے اسے سمیٹ کر مزاح پیدا کیا ہے۔ انور مسعود حقیقت کے معاشرتی غبارے میں اس فنی خوبی سے سوئی چبھوتے ہیں کہ حقیقت مسکرانے لگتی ہے۔ [5]

جیسے "غضب" قطعہ میں کہتے ہیں۔

میں نے بھی اپنے شوق کا اظہار کر دیا

کل رات مجھ پہ بے خواب نے کیسا غضب کیا
جو آپ کہہ رہی تھیں وہ سنتا تھا صرف میں
اور میں جو کہہ رہا تھا وہ بیوی نے سن لیا[6]

محمد طٰہٰ خان نے میاں بیوی کے لطیف احساسات و جذبات کو اپنی غزل میں اس طرح سمویا ہے کہ اس کی بدولت قاری اس کے ظاہری اور باطنی جملوں سے آشنا ہوتا چلا جاتا ہے۔ منظر نقوی اُن کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

> اُن کے اشعار ایک طرف سامع کو Entertainment مہیّا کرتے ہیں تو دوسری طرف سامع یا قاری کو کچھ سوچنے پر مجبور بھی کرتے ہیں۔ کسی بھی کامیاب تخلیق کے لیے وہ وقت حقیقی مسّرت رکھتا ہے جب وہ سوچ کے زاویوں کو نمایاں کرے۔ سوچ کے عمل کو رُکنے نہ دے بلکہ خوشی کے ورق میں لپٹی ہوئی غم کی کڑوی گولی کو ہنستے ہنستے نگلنے کی ترغیب دے۔ یہی طنز و مزاح کا کمال ہے۔ پروفیسر طٰہٰ خان کی شاعری میں طنز دل آزادی کا باعث نہیں بنتا بلکہ وہ طنز کے ہتھیاروں کو اصلاح احوال کے لیے استعمال کرتے ہیں۔[7]

اس سلسلے میں ان کی غزل عمدہ مثال ہے۔ ملاحظہ ہو

لڑی اس ٹھاٹ سے منکوحۂ کافر بیاں میری
فرشتے لکھتے لکھتے چھوڑ بھاگے داستاں میری
محلے بھر کی دیواروں پر سر ہی سر نظر آئے
مزے بچوں نے جس دم لوٹ لی طرزِ فغاں میری
عجب کچھ لطف رکھتا ہے جو کہتے ہیں میاں بیوی
کہ شادی ہوگئی لیکن کہاں تیری کہاں میری

مسلماں ہوں مگر یہ سوچ کر مزے سے ڈرتا ہوں
نجانے کس کے گھر جائے بلائے ناگہاں میری
وہی ہے اختلافِ باہمی کی انجمن اب تو
فقط شادی کے دن اس نے ملائی ہاں میں ہاں میری[8]

اسی طرح دلاور فگار نے بدلتی ہوئی روایات واقدار کی وجہ سے ازدواجی زندگی کا جو نقشہ تبدیل ہو گیا ہے۔ جس کی وجہ سے گھر کی فضاء جو منظر پیش کرتی ہے۔ اس کا موازنہ گھر اور دفتر سے کیا ہے کہ گھر میں رہنے والا شوہر کس قسم کا رویہ اختیار کرتا ہے اور باہر بحثیت باس اس کا رویہ کیسا ہے۔ بچوں کی بجائے مغربی ممالک کی طرح جانور یعنی "کتّے" کو گھر میں پالا ہوا ہے۔ گھر کے تمام لوگ اپنی زندگی کے ہنگاموں میں اس قدر مصروف ہیں کہ ایک دوسرے کے لیے وقت نہیں ہے۔ دلاور فگار کی نظم "دفتر اور ہم" اسی طرح طنز کے تیر چبھوتی ہے۔

اپنے بچوں سے جو گھبراتے ہیں گھر پر اور ہم
ورنہ خود ہی سوچئے صاحب کہ دفتر اور ہم!
ہے جگہ دل میں تو اِک گھر میں گزارا کرتے ہیں
آٹھ بچے ایک بیگم، تین نوکر اور ہم
گھر کی تہذیب اور ہے دفتر کا کلچر اور ہے
گھر کے اندر اور "ہم" ہیں گھر کے باہر اور "ہم"
بیوی بچے سب تو اپنے اپنے کاموں پر گئے

گھر میں اک کتّا ہے (امریکہ کا کلچر) اور ہم[9]

دلاور فگار کے طنز و مزاح کے حوالے سے احمد ندیم قاسمی یوں رقمراز ہیں:

دلاور فگار کے مزاح میں بے ساختگی اور جو ٹیلا پن اور نوکیلا پن ہے۔ وہ اُن کے فن کی پہچان ہے۔۔اُن کے مزاح کا باقاعدہ ایک گہرا پسِ منظر ہوتا ہے اور اگر پڑھنے والا بھی ان کے آس پاس کا پڑھا لکھا ہو تو وہ اس مزاح سے نہ صرف لطف اندوز ہوتا ہے بلکہ اپنی شخصیت میں ایک مثبت تبدیلی محسوس کرتا ہے۔[10]

مسٹر دہلوی نے ازدواجی زندگی میں جو شادی ہو جانے کے بعد جو تضاد اُبھر کر سامنے آتا ہے۔جب ایسے گھر سے بہو بیاہ کر لائی جاتی ہے۔ جس کا باپ امیر ہوتا ہے۔اُس کے گھر نوکروں کی ریل پیل ہوتی ہے۔ جو کسی کو

خاطر میں نہ لاتی۔اس کا شوہر بیچارہ اس کے اشاروں پر ناچتاہے۔اسی حوالے سے مسٹر دہلوی نے نظیر اکبرالہ آبادی کی مشہور زمانہ نظم "بنجارہ نامہ" کی پیروڈی میاں بیوی کے حوالے سے یوں کی ہے۔

سب ٹھاٹھ دھرا رہ جائے گا، جب لاد چلے گا بنجارا

ہاں تو، بڑے گھر کی بیگم، چلتاہے اشارے پر شوہر[11]

مسٹر دہلوی کی ظرافت نگاری کے سلسلے میں سرفراز شاہد لکھتے ہیں۔

مسٹر دہلوی طنز و مزاح کے میدان میں کسی حد تک منفرد اسلوب کے مالک ہیں۔کلام میں طنز کا عنصر زیادہ گہرا ہے۔۔اپنے اشعار میں ہمارے معاشرے کی کمزوریوں پہ شگفتہ طنز کیا

ہے۔ بعض مقامات پر حکیمانہ عمق بھی موجود ہے۔ جس کی وجہ سے کلام کہیں کہیں سنجیدہ رنگ اختیار کر جاتا ہے۔[12]

ہمارے معاشرے میں جس طرح ازدواجی زندگی میں میاں بیوی اور اُن سے منسلک رشتوں کے حوالے سے جو ناپائیداری کی کیفیت پیدا ہوتی رہتی ہے۔ انہی کیفیات کو طنز و مزاح لکھنے والوں نے اپنا موضوع بنایا ہے۔ محرّک معاشرے کی غلطیوں کی نشاندہی کرنا ہے۔ مزاحیہ بات کو لوگ سنجیدگی سے لیتے ہیں تو کہنے والے کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ بقول افضل پارس

> ازدواجی زندگی کا عمل دخل مزاحیہ شاعری سے نکال دیا جائے تو باقی مزاح ختم ہو جاتا ہے۔ ازدواجی زندگی میں بیوی کا کردار وہ واحد کردار ہے جو طنزیہ و مزاحیہ شاعری کو بے شمار موضوعات سے نوازتا ہے۔ کہتے ہیں سنجیدہ شاعری میں محبوبہ اثر انداز ہوتی اور مزاحیہ شاعری منکوحہ پر کی جاتی ہے۔ اصل حقیقت ہے بھی یہی کہ ہم بیوی کے ذریعے دیگر خواتین کی اِن غلطیوں کو سامنے لاتے ہیں۔ جو ناگواری کا سبب بن رہی ہوتی ہیں۔[13]

اس حوالے سے دیکھا جائے تو عائلی زندگی میں میاں بیوی اور اُن کے ارد گرد بکھرے رشتوں میں جو اَن بَن ہوتی رہتی ہے طنز و مزاح لکھنے والوں نے اُسے مختلف زاویوں سے دیکھا ہے اور بیان کیا ہے۔ موضوعات میں یکسانیت ہو سکتی ہے لیکن اُن کا اسلوب اِن سب سے منفرد اور یگانہ بناتا ہے۔ اب عائلی زندگی میں اِن مختلف موضوعات کا اعادہ کیا جاتا ہے۔

ب۔ عائلی رشتوں میں نوک جھونک:

i۔ ساس:

ازدواجی زندگی میں میاں بیوی کے بعد سب سے اہم رشتہ ساس کا ہوتا ہے۔ جو بہو کے آنے سے پہلے اپنے گھر میں مالکن ہوتی ہے۔ سارا حکم اس کا چلتا ہے۔ سسر تک اس سے ڈرتا ہے۔ گھر میں اپنے علاوہ وہ کسی کی شراکت کو برداشت نہیں کر سکتی۔ بہو کے آجانے کے بعد یہ بات اس سے برداشت کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ اس کے بیٹے پر بہو کا بھی حق ہے۔ یہی بات اکثر گھروں میں لڑائی جھگڑے کا باعث بنتی ہے۔ دیکھا جائے تو تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ ساس کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ آنے والی لڑکی (بہو) اپنا سب کچھ چھوڑ کر نئے گھر میں آئی ہے۔ اس کو اس بات کا موقع دینا چاہیے کہ نئے ماحول کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال سکے۔ تاکہ وہ بھی اپنے آپ کو اجنبی محسوس نہ کر سکے۔ بلکہ اسے ایسا محسوس ہو کہ وہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں آگئی ہے ۔اس کے لیے ضروری ہے کہ دونوں جانب سے دل کو کشادہ کیا جائے لیکن ہمارے معاشرے میں اس کے برعکس ساس کا امیج ایسا بن چکا ہے کہ ساس کا نام آتے ہی ذہن میں یہ خیال آتا ہے کے وہ ہر وقت بیٹے کے کان بھرتی رہتی ہے۔ جس کی وجہ سے دونوں فریقین میں تُوتُو میں میں ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر انعام الحق جاوید ساس اور بہو کا موازنہ اپنی نظم میں مزاحیہ انداز میں کچھ یوں پیش کرتے ہیں۔

گھر میں ہر سمت فوجداری ہے
بیوی ہلکی ہے ساس بھاری ہے[14]

شاعر نے مزاحیہ انداز میں ساس بہو کے درمیان میں ہونے والی لڑائی کو فوجیوں کی طرح کرفیو نافذ کرنے سے تشبیہ دی ہے۔ ساس کے لیے "فوجداری" کی علامت استعمال کی ہے مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں کہ گھر میں ایسی سختی اور تناؤ کی کیفیت طاری ہے۔ بیوی ساس کے مقابلے میں سہمی ہوئی ہے لیکن مدمقابل میں ساس چاہیے

۔جسامت میں بھاری ہے "بھاری" کا لفظ ذو معنی استعمال کیا ہے۔ وزن میں بھی بھاری ہو سکتی ہے اور مقابلے میں بھی بھاری۔ یہ ہماری روایتی ساس کا ہماری شاعری میں تذکرہ ہے۔

سید ضمیر جعفری نے "ایرانی بہو کا خیر مقدم" کے عنوان سے نظم لکھی ہے جس میں ساس اور بہو کے درمیان امن و آشتی کی فضا قائم رکھی ہے لیکن اس کے پیچھے گہرا طنز ہے کہ ساس اور بہو کے ہوتے ہوئے گھر کی فضا پر امن ہے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی زبان سے واقف نہیں ہیں جس کی وجہ سے گھر کا ماحول بڑا پر سکون اور فضا پر امن ہے۔

گھر میں ہے امن و آشتی دن رات
کہ نہیں ساس اور بہو میں بات
ساس بچاری ساس خُو ہی نہیں
دو بہ دو کیا ہو۔۔۔ گفتگو ہی نہیں[15]

داماد بھی ساس سے پناہ مانگتا ہے اور اس کوشش میں ہے اگر اسے ڈاکوؤں نے پکڑ لیا ہے۔ تو وہ وہی رہے تاکہ میرے گھر میں تو سکون رہے۔ سید فہیم الدین نے ایسے داماد کی معصومانہ خواہش کا اظہار کیا ہے۔

سال سے ہے ساس میری ڈاکوؤں کی قید میں
مانگتے ہیں وہ بڑا تاوان باقی خیر ہے[16]

ایک سال ہونے کو ہے ڈاکو میری ساس کا تاوان جو مانگ رہے ہیں وہ ہم نہیں دے رہے۔ ساس کی فکر نہیں ہے وہ وہاں خیر و عافیت سے ہے۔ کیونکہ اس کے گھر میں ہونے سے جو گھر کی فضاء ہوتی ہے اس لیے طنز کرتے

ہوئے کہتے ہیں کہ بہتر ہے کہ وہ ڈاکوؤں کی قید میں رہے۔ اپنی ماں کی قدر و قیمت ہے اور بیگم کی ماں کی اوقات کیا۔ اس کو جوہر سیوانی نے مزاحیہ انداز میں کہا ہے۔

غیروں کو جو عورت بڑی خناس لگے ہے
بیگم کی ارے ماں ہے میری ساس لگے ہے[17]

دوسروں کو جو عورت بڑی خناس دکھائی دیتی ہے درحقیقت میری بیگم کی ماں ہے اور مری ساس ہے۔

راجہ مہدی علی خان نے بہو کے حوالے سے "سسرال کی جیل" کے نام سے نظم لکھی ہے۔ جس میں علامہ اقبال کی نظم "شکوہ" کے انداز میں بہو شکوہ کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ ایسی ساس ہے کے سارے کام اس سے کرواتی ہے۔ ہر طرف اسے ساس ہی دکھائی دیتی ہے۔ غصے میں اپنے بچوں کو وہ مارتی ہے۔ اپنے ماں باپ کو وہ یاد کرتی ہے کہ کس طرح ناز و ادا سے مجھے پالا اور آج میں کس طرح ساس کے ہاتھوں دھکے کھا رہی ہوں۔ جب خاوند کے آگے ساس کا گلہ کرتے ہوئے روتی ہے۔ تو خاوند غصے میں گھر کو آگ لگانے کو تیار ہو جاتا ہے۔ راجہ مہدی علی خان نے اقبال کی نظم "شکوہ" کا نام لے کر ساس کے حوالے سے پیروڈی کی ہے۔

یہ ساس ہے یا شیر چھپا ہے نقاب میں
اللہ کسی کو ساس نہ دے شباب میں
حیراں ہوں دل کو روؤں یا پیٹوں جگر کو میں
سوتی ہے وہ سنبھالتی ہوں سارے گھر کو میں
بلو کو چپ کراؤں کہ ماروں قمر کو میں
فرشِ زمین دھوؤں کہ مانجوں ککر کو میں
رو رو کے یاد کرتی ہوں فادر پدر کو میں
دکھتی ہے ساس ہی مجھے دیکھوں جدھر کو میں
ہر ایک سے پوچھتی ہوں کہ دیکھوں کدھر کو میں
ناز و ادا سے تھام کے اپنی کمر کو میں
جب اپنا دکھ سناؤں قمر کے پدر کو میں
کہتے ہیں دیکھ آگ لگا دوں گا گھر کو میں[18]

ساس جو گھر میں دندناتی پھرتی ہے ہر ایک چیز پر ہاتھ صاف کرتی ہے۔راتوں کو بھی اٹھ اٹھ کر بلّی کی مانند گھر میں موجود دودھ یا شربت ہو وہ بھی پی جاتی ہے۔یوسف مثالی ایسے ہی شوہر کی فریاد اپنے قطعہ میں طنزاً بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

گوشت کی پکتی ہوئی ہنڈیا کو چکھنے کے لیے
کیا ضروری ہے اجازت ساس سے لی جائے ہے
وہ بھی تو بلّی کی صورت اٹھ کے اکثر رات کو
دودھ ہو یخنی ہو یا شربت ہو سب پی جائے ہے[19]

یوسف مثالی ساس کو بلی سے تشبیہ دیتے ہیں کہ مجھے ہنڈیا کو چکھنے کی اجازت ساس سے لینی پڑے گی۔جو خود راتوں کو اٹھ کر ہر چیز چٹ کر جاتی ہے۔

میاں بیوی کے بعد ازدواجی زندگی میں جو سب سے زیادہ اہمیت کے حامل ہستی "ساس" ہے۔چاہے لڑکی کی ہو یا لڑکے کی۔دونوں کا ہی پلڑا بھاری ہوتا ہے۔دونوں اپنے بچوں کے گھر میں آگ لگانے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ہمارے معاشرے میں جو ساس اپنی بہو کو بیاہ کر لے کر آتی ہے۔اس کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اس کو اپنے حکم کا غلام بنائے۔وہ اس کا ہر حکم بجالائے۔ساس اپنی سلطنت میں کسی کی شمولیت یا داخلہ اندازی برداشت نہیں کرتی۔جس کی وجہ سے گھر میں ہر وقت لڑائی جھگڑا رہتا ہے۔ساس اور بہو کے روزانہ کے جھگڑوں سے گھر کی فضاء عجیب وغریب ہو جاتی ہے۔ان دونوں کی ہاتھاپائی کی وجہ سے نوبت طلاق تک پہنچ جاتی ہے۔افضل پارس "خس کم جہاں پاک" قطعہ میں ضرب المثال کا استعمال "ساس" کے لیے استعمال کر کے ساری فساد کی جڑ ساس کو قرار دے رہے ہیں۔اور مزاحیہ انداز میں دعا کرتے ہیں کہ اس کے اس دنیا سے چلے جانے سے طلاق کی شرح میں کمی واقع ہو گی۔

میری جان ہی شکل میں ہے روزانہ کے جھگڑوں سے
ورنہ کس کو خوف ہے رہتا اپنے ہی گھر جانے سے

ایک طلاق بھی ہوگی نہ پھر مولا تیری دھرتی پہ

اس دنیا کی جتنی بھی ہیں ساسوں سے مر جانے سے[20]

شوہر حضرات کو اپنی ساس سے خطرہ لاحق ہوتا ہے کیونکہ بیوی اپنی ماں کا حکم مانتی ہے۔ اس کا حکم بیٹی کے گھر میں بھی چلتا ہے۔ بیٹی کو گھر داری کے جو اصول وضوابط بتاتی ہے۔ جس کی بدولت اس نے "سسر" کو قبضے میں کیا ہوا ہوتا ہے۔ بیٹی سے بھی یہی کہتی ہے کہ تم اس طرح اپنے شوہر کو قابو میں رکھو اور شوہر بیچارہ گھر میں ہر وقت کی فوجداری اصولوں سے عاجز آچکا ہوتا ہے۔ اسی قسم کا نقشہ انعام الحق جاوید اپنے "چہار سالہ جنگ" قطعہ میں مزاحیہ انداز میں پیش کر رہے ہیں۔ یہاں چار سال سے جنگ کا میدان گرم ہے۔

گھر میں ہر سمت فوجداری ہے

بیوی ہلکی ہے ساس بھاری ہے

کیا بتاؤں میں چار سالوں کی

چار سالوں سے جنگ جاری ہے[21]

جو ساس اپنی بہو کو تنگ کرتی ہے۔ اس کا جینا دوبھر کر دیتی ہے۔ یہ نہیں سوچتی کہ اس کے اس طرح کرنے سے اس کے بیٹے کی زندگی کتنی دشوار ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ساس کا نام آتے ہی ذہن میں ظلم وستم ڈھانے والی ہستی کا خیال آتا ہے۔

افضل پارس نے ساس کے لیے "طالبان" کا لفظ الفاظ کی ردوبدل سے "تالبان" لکھ کر کیا ہے کہ جس طرح طالبان لوگوں پر ظلم وستم کرتے تھے۔ اسی طرح اس دنیا سے ظلم ختم نہیں ہوا بلکہ شاعر نے مزاحیہ انداز میں کہا ہے کہ ساس کے روپ میں موجود ہے۔

کتنے ظالم ظلم جو کرتے آخر حد کو پہنچے ہیں

اس کے بعد بھی اس دنیا میں آس ہماری زندہ ہے

اب بھی ظلم کے رک جانے کی آس کہاں پہ باقی ہے

اک ظالم کے روپ میں چونکہ ساس ہماری زندہ ہے[22]

شوہر کے لیے شادی ہو جانے کے بعد بیوی سے ذلیل ورسوا ہونا کسی بڑی آزمائش سے کم نہیں ہے کیونکہ بیوی بات پہ بات پر شوہر کی تذلیل کرتی رہتی ہے۔ شوہر بیچارے کی دفتر تو دفتر گھر میں بھی نہیں چلتی ایسا لگتا ہے کہ دفتر کے ساتھ ساتھ گھر میں بھی باس موجود ہے جو بیگم کی شکل میں ہے۔ بیوی تو بیوی ساس اس سے بھی دو ہاتھ آگے ہوتی ہے۔

ڈاکٹر مظہر عباس رضوی "ساس آتی ہے" قطعہ میں مزاحیہ انداز میں ساس کی آمد سے سانس رکنے کا تذکرہ کر رہے ہیں کہ بیوی کے ساتھ ساتھ اس کے خاندان کے آجانے سے سانس رکنے لگ پڑتا ہے۔ اس حوالے سے شاعر گلہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔

ایک بیوی ہی پہلے کیا کم تھی
اب تو اس کی بھی "باس" آتی ہے
ساتھ اس کے ہے خاندان تمام
سانس رکتا ہے ساس آتی ہے[23]

مائیں اپنی بیٹیوں کے لیے ایسا گھر تلاش کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ جہاں ساس حیات نہ ہو کیوں کہ ساس ہی اپنے بیٹے کو بہو کے خلاف ورغلاتی اور بھڑکاتی ہے۔ جس کی وجہ سے گھر کا سکون برباد ہو جاتا ہے۔ آج کل کے زمانے میں ماں بیٹی کو ایسے گھر رشتہ کرنے کے لیے مشورہ دیتی ہے۔ جہاں لڑکا اکیلا ہو، اس کی ماں بہنیں نہ ہوں۔ اسی وجہ سے مائیں ایسی جگہ فوراً رشتے کے لیے ہاں کر دیتی ہیں یہاں ساس کا وجود نہ ہو۔

مرزا عاصی اختر بھی اپنے قطعہ "مشورہ" میں ایسی ہی ماں کا مشورہ بیٹی کو مزاحیہ انداز میں دے رہے ہیں۔

بولی اماں یہ اپنی بیٹی سے
ایسے بَر کی ہمیں کہاں تھی آس
دیکھ لڑکا چھڑا ہے ہاں کہہ دے
کوئی خوف مت کرو وہاں نہیں ساس[24]

ساس اور داماد کے درمیان میں جو لڑائی جھگڑا اور نوک جھونک جاری و ساری رہتی ہے۔ اس میں یہاں محبت ہوتی ہے۔ وہاں ان کے درمیان میں لڑائی جھگڑا بھی قابلِ ستائش ہوتا ہے۔ دونوں کا ایک دوسرے کے بغیر گزارا بھی ممکن نہیں۔ کیونکہ دونوں ہی مشترکہ ذات جو بیٹی یا بیگم کے روپ میں ان دونوں کے درمیان میں موجود ہوتی ہے۔ اس کو خوش رکھنے کے لیے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس تگ و دو میں ہوتے ہیں کہ اس سے اچھا اور بہتر اسے کوئی نہیں رکھ سکتا۔ ڈاکٹر انعام الحق جاوید نے بھی اِسی قسم کی ساس کا تذکرہ "اُچھل بانو" قطعہ میں کیا ہے۔ جو اپنے داماد کے باہر چلے جانے کی وجہ سے اداس ہے کیوں کے گھر میں اس کے ساتھ لڑنے والا کوئی نہیں ہے۔

تیسرا دن تھا میرا لندن میں
فون آیا کہ تیری ساس ہوں میں
گھر میں کوئی نہیں ہے لڑنے کو
واپس آؤ بہت اداس ہوں میں[25]

میاں بیوی کے درمیان میں فساد کی جڑ ساس کو سمجھا جاتا ہے۔ شوہر یہ سمجھتا ہے کہ میری بیوی صرف اکیلی ہوتی تو میں خوشحال زندگی بسر کر رہا ہوتا میری زندگی ایسی ہوتی جب جی چاہتا بیوی پر حکم چلاتا لیکن میری ہر حسرت پوری نہ ہو سکی کیوں کہ میری بیوی کے پاس ساس جیسا بم موجود ہے۔ جو کسی بھی وقت تباہی و بربادی کر سکتا ہے۔ افضل پارس اپنے قطعہ "مُرلی یا شُرلی" میں ساس کو بم سے مزاحیہ انداز میں تشبیہ دے رہے ہیں۔

شاد ہمیشہ پھر ہم ہوتے کچھ بھی غم نہ ہوتا تو
کتنے اچھے ہم تھے بیوی کا جو دم نہ ہوتا تو
پھر ہم اس کو اک مظلوم سا بنگلہ دیش بنا دیتے
گر بیوی کے پاس ہماری ساس کا بم نہ ہوتا تو[26]

ساس اور بیگم جس طرح شوہر اور داماد کی زندگی میں اس کے لیے سانس لینا دوبھر کر دیتی ہیں۔ ساری زندگی میاں بیوی کی جی حضوری میں لگا رہتا ہے لیکن پھر بھی اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی اس کو کسی بات میں

بھی کوئی فوقیت نہیں دی جاتی۔ اس کو طعن تشنیع ہی کی جاتی ہے۔ زندگی کے شب وروز انہی باتوں میں بسر ہو جاتے ہیں۔ مرزا عاصی اختر محاورات کا استعمال کر کے اپنے قطعہ میں ساسوں کے ہاتھوں داماد کی درگت بناتے ہوئے کہتے ہیں۔

ساس ہم سے کہے کہ کھال میں رہ
اس کی لاڈو اد ھیڑے کھال میاں
کل نواسے تھے آج نانا ہیں
یوں گزرتے ہیں ماہ و سال میاں[27]

ساس جس طرح داماد کے گھر میں ڈیرے جما لیتی ہے۔ اُس کے گھر میں حکم چلاتی رہتی ہے۔ بیٹی کے گھریلو معاملات میں دخل اندازی کرتی ہے۔ جس کی وجہ سے گھر کی حالت ہی بدلی ہوئی ہوتی ہے شوہر کو اپنے گھر کو پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر انعام الحق جاوید ایسی ہی گھر کا حال مزاحیہ انداز میں پیش کر رہے ہیں یہاں بچوں کی نانی اور اس کی ساس قیام پذیر ہے۔

یہ اپنے گھر میں بچوں کی جو نانی نہیں جاتی
تو مجھ سے اپنے گھر کی شکل پہچانی نہیں جاتی[28]

داماد بیچارہ اپنی ساس کی سختیوں سے تنگ آجاتا ہے۔ لیکن ساس اپنی کارستانیوں سے باز نہیں آتی بلکہ اپنی بیٹی پر ڈھائے جانے والے مظالم کا بدلہ اپنے داماد سے خوب گِن گِن کر لیتی ہے۔ افضل پارس نے تو مزاحیہ انداز میں ساس کی اس دیوانگی کو " دیو " سے ہی تشبیہ دے دی ہے۔ اس کے لیے اپنے قطعہ " دیو ساس " میں لکھتے ہیں۔

موٹی ساس نے آخر یوں بھی آگ بجھائی "بدلے" کی
میرے سوٹ کو ایسے پھینکا جیسے کہ اک بندر تھا
مجھ کو زخمی زخمی کر کے ساس نے مار کٹائی میں
جب تھا اس نے سوٹ کو پھینکا میں بھی سوٹ کے اندر تھا[29]

ہمارے شعراء حضرات نے ساس کے کردار کو کسی چنگیز خان اور ہلاکو خان کے کردار سے کم نہیں سمجھا۔ ہمارے معاشرے میں ساس کا کردار ایسا بن چکا ہے کہ اس کا نام آتے ہی ذہن میں ایسی عورت کا تصور آتا ہے جو بہت سخت ہے۔ جو ہر بات میں اپنی من مانی کرتی ہے اور اپنے بیٹے کے سامنے بہو کو بُرا بھلا کہتی رہتی ہے۔ اس کی برائیاں کرتی رہتی ہے یعنی لگائی بجھائی میں ماہر ہوتی ہے۔ ہمارے معاشرے کے اس رویے نے "ساس" کے کردار کو منفی بنا کر پیش کیا ہے۔ جس میں کسی حد تک سچائی بھی ہے۔ تصویر کا دوسرا رخ جس میں ساس کو مثبت انداز میں دکھایا جائے کم دکھایا گیا ہے۔

ii۔ بہو:

شادی ہو جانے کے بعد بیوی کا رشتہ صرف شوہر سے ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کے گھر والوں سے بھی ہوتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں بیٹی جب بیاہ کر جاتی ہے تو اس کی ذمہ داریاں بھی بڑھ جاتی ہیں۔ ماں باپ کے گھر میں وہ لڑکی جس طرح کی زندگی بسر کر رہی ہوتی ہے اگلے گھر جا کر کسی کی بیوی، کسی کی بہو بن جاتی ہے۔ بحثیت بہو اس کا کردار بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اس نے ایک خاندان میں رہتے ہوئے اپنی ان تمام ذمہ داریوں سے عہدہ برآں ہونا ہوتا ہے۔ اس نئے گھر میں بہو کے ساتھ جو سلوک روا رکھا جاتا ہے اور بہو گھر والوں کے ساتھ جس طرح کا رویہ رکھتی ہے۔ اس حوالے سے ہمارے شعراء حضرات نے بہو کو طنز و مزاح کا نشانہ بنایا ہے۔ ہماری معاشرتی اقدار وقت کے ساتھ ساتھ جیسے جیسے تبدیل ہوتی جاتی ہیں۔ معاشرے میں موجود رشتوں کے درمیان میں بھی چپقلش وقت کے بدلتے رویوں میں تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ کسی گھر میں بہو کو ماں کا درجہ دیا جاتا ہے۔ کسی گھر میں بہو کو اہمیت ہی نہیں دی جاتی۔ بعض گھروں میں بہو ایسی ملتی جلتی ہوتی ہیں کہ فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ ہمارے گھر کی بہو ہے یا دوسرے گھر کی۔

ڈاکٹر انعام الحق جاوید بھی کچھ اسی قسم کا تذکرہ مزاحیہ انداز میں اپنے قطعہ میں بیان کرتے ہیں۔

وہی ناک نقشہ وہی ہو بہو ہے
یہ تیری بہو ہے کہ میری بہو ہے
میاں اللہ دِتہ یہ کیا ماجرا ہے

یہ تو ہے کہ میں ہوں یہ میں ہوں کہ تو ہے[30]

ڈاکٹر مظہر عباس رضوی باپ اور بیٹے کو ایک ہی جیسا عذاب سہتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ بیٹا بہو کی صورت میں اور باپ بیوی کی صورت میں دونوں کا دکھ مشترکہ ہوتا ہے۔ دونوں ہی تنہائی کا عذاب سہہ رہے ہیں۔ اپنے قطعہ "بہو" میں اس گھر کا نقشہ مزاحیہ انداز میں کھینچ رہے ہیں جس گھر میں بہو موجود ہے۔

مزے اٹھائے پسر اور پدر عذاب سہے

بہو کو لائے جو گھر اس کے سب جواب سہے

عذابِ وحشتِ دل اب بھی ہو بہو ہے وہی

کہ پہلے بیوی کے اور اب بہو کے خواب سہے[31]

ہمارا خاندانی سسٹم جو پہلے مل جل کر رہنے کا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ جیسے جیسے نئے رشتے بنتے گئے۔ اس میں دراڑیں پڑنی شروع ہو گئیں۔ وہ لوگ جو پہلے ایک ہی گھر میں ایک ہی چھت تلے رہتے تھے۔ اب ایک ہی چھت کے نیچے رہتے ہوئے ان کے رشتوں میں ایسی دوریاں آگئی ہیں کہ لوگ ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہو گئے ہیں۔ بہو کے آجانے کے بعد ماں باپ کو سٹور روم میں شفٹ کر دیا جاتا ہے۔ یہ رشتے ایک دوسروں میں قربتوں اور فاصلوں کا باعث بن رہے ہیں۔ سرفراز شاہد بھی اسی حوالے سے "قربتیں اور فاصلے" میں بہو کے بیڈروم اور ماں باب کے اسٹور روم میں شفٹ ہو جانے کا تذکرہ طنزیہ انداز میں کرتے ہوئے ہمیں سوچنے پر مجبور کر رہے ہیں۔

مزا آنے لگا اک دوسرے سے کٹ کے جینے میں

تعجب ہے کہ یہ جذبہ بھی انسانوں میں دیکھا ہے

بہو بیڈروم میں، کچن میں ماں، اسٹور میں ابا

گھروں میں اہل خانہ کو کئی خانوں میں دیکھا ہے[32]

ساس اور بہو کی چپقلش کا سلسلہ صدیوں سے جاری وساری ہے دونوں ایک دوسرے کو مات دینے کی کوشش میں برسرپیکار ہوتی ہیں۔ بہو چاہے جتنی بھی پڑھی لکھی کیوں نہ ہو اس کی اپنی ساس کے سامنے کچھ نہیں چلتی۔

اس کی ساری کی ساری ڈگریاں بیکار جاتی ہیں۔ اگر بہو نوکری کرنے والی ہو تو ساس اس کو گھاس اس لیے نہیں ڈالتی کہ اگر ایسے زیادہ اہمیت دی تو سر پر چڑھ جائے گی۔ بہو باہر جتنے بھی بڑے عہدے پر فائز کیوں نہ ہو گھر میں اس کی خاطر قدر و قیمت اس کے گھریلو کام کی وجہ سے ہو گی۔ اگر اس کو گھر کا کام کاج نہیں آتا تو اس کو بات بات پر طعنے دیے جاتے ہیں۔ اور وہ یہ سوچ سوچ کر پریشان ہوتی رہتی ہے کہ میں اپنی ساس کو کیسے خوش رکھوں۔ یہاں اس کی ڈگریاں اس کے کوئی کام نہیں آتیں بلکہ بقول سرفراز شاہد یہاں کی ٹیکنیک بالکل مختلف ہے۔ اسی حوالے سے وہ "ٹیکنیکل بہو" میں انگریزی زبان کے الفاظ استعمال کر کے مزاحیہ انداز میں ٹیکنیکل تیکنیک بتا رہے ہیں۔

بہو کے پاس ڈپلومہ ہے "ہائی ٹیک" ادارے کا
لیکن سروس میں ہے اور جاب اس کی ٹھیک چلتی ہے
مگر سسرال میں ہوتی ہے اس کو یہ پریشانی
"مدرانِ لا" کے آگے کون سی ٹیکنیک چلتی ہے[33]

ہر ساس اپنے لیے ایسی بہو کی تلاش میں سرگرداں ہوتی ہے۔ جو خوبصورت بھی ہو، کم بولتی ہو، لیکن مالدار ہو یعنی ہر فن مولا ہو۔ ایسی ہی خواہش کا اظہار شوہر اپنی بیگم سے طنزیہ انداز میں کر رہا ہے کہ اللہ تعالی تم کو ایسی بہو تلاش کرنے میں کامیاب کرے۔ کاش کہ میری ماں کو بھی ایسی ہی بہو نصیب ہو جاتی۔ مجذوب چشتی اس حوالے سے طنزیہ انداز میں کہتے ہیں۔

خوب رُو، کم گو، گھرانہ مالدار
ڈھونڈتی ہے تو بہو ایسی کوئی
کامیابی دے خدا بیگم تجھے
ملتی میری ماں کو اس جیسی کوئی[34]

iii۔ نند:

سسرال میں جس رشتے کے ساتھ سب سے زیادہ ساس کے بعد چپقلش ہوتی ہے، وہ نند کا رشتہ ہے۔ جو ہوتی تو شوہر کی بہن ہے۔ لیکن اپنی لگائی بجھائی والی عادت کی وجہ سے اپنے بھائی کے گھر میں آگ لگاتی رہتی ہے۔ جس کی وجہ سے اس کے بھائی اور بھابھی کے تعلقات انڈیا اور پاکستان کی طرح کشیدہ ہی رہتے ہیں۔ اگر یہی نند ایک مثبت کردار سرانجام دے تو ہمارے معاشرے میں ہونے والی تباہی و بربادی جو چھوٹی چھوٹی غلط فہمیوں کی وجہ سے بہت بڑے بگاڑ کا باعث بن جاتی ہے ان سے بچا جاسکے۔ اسی طرح بہو بھی اپنی نند کے ساتھ جو سرد رویہ رکھتی ہے وہ بھی اس گھر کی بربادی کا باعث بن جاتا ہے۔ کیونکہ تالی دونوں دو ہاتھوں سے بجتی ہے۔ بہو اگلے گھر جا کر کس طرح ضرب تقسیم کا کام کرتی ہے اور سب سے پہلے نند کو ہی اس گھر سے چلتا کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ سرفراز شاہد اپنی نظم "جمع تفریق ضرب تقسیم" میں مزاحیہ انداز میں اس بہو کا کلیہ بیان کر رہے ہیں جو سسرال میں جا کر نندوں کو تفریق کرتی ہے۔

جا کے سسرال اپنی نندوں کو
گھر سے تفریق کرتی جاتی ہیں[35]

نند اور بھرجائی میں ان بن کا سلسلہ ہر گھر کی کہانی ہے۔ ہر گھر میں چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہوتی رہتی ہیں کیونکہ ہمارے ہاں عدم برداشت کا مادہ پایا جاتا ہے۔ اس لیے نند بھرجائی کو برداشت نہیں کر سکتی سمجھتی ہے کہ اس گھر کی تمام ذمہ داری یا اختیار میرے ہاتھ میں ہے جبکہ بہو یہ سمجھتی ہے کہ اس گھر کا اختیار اُسے ملنا چاہیے۔ اس طرح اختیار کی جنگ کا سلسلہ سیاسی میدان کے ساتھ ساتھ گھریلو میدان میں بھی اکھاڑے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ مرزا عاصی اختر اِسی تُوتُو مَیں مَیں کی صورت میں گھر کی صفائی کا مزاحیہ انداز میں تذکرہ کر رہے ہیں۔

یوں صفائی نہ ہوئی آج بھی انگنائی کی
روز ہوتی ہے جھڑپ نند سے بھرجائی کی[36]

انور مسعود اپنے قطعہ "نند پیوند" میں نندوں کا آپس میں جس طرح کا تعلق ہے۔ اس کو شیخ سعدی کی اس کہاوت سے منسوب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جس طرح تمام بنی آدم ایک جسم کے اعضاء کی مانند ہوتے ہیں اسی طرح ان دونوں کا آپس میں رشتہ ہے۔

سناجب یہ میں نے کے رضیہ کی نند
رقیہ کے گردے سے ہے بہرہ مند
مجھے شیخ سعدی بہت یاد آئے
بنی آدم اعضائے یک دیگر ند[37]

iv۔ گھر داماد:

گھر جوائی اور گھر داماد جو سسرال کے گھر میں رہتا ہے۔ جو بیوی کے حکم کا سکہ ہوتا ہے۔ بیوی اور سسرال کا ہر حکم بجالاتا ہے۔ ہمارے معاشرے کا یہ المیہ ہے کہ آج کل زیادہ تر لڑکے کم تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔ وہ معاشرے میں اعلی مقام حاصل کرنے کی بجائے اعلی سسرال کے چکر میں ہوتے ہیں۔ مجبور والدین جن کی بیٹیاں تعلیم یافتہ ہوتی ہیں لیکن اچھا "بَر" نہ ملنے کی وجہ سے ایسے نوجوانوں کو اپنا گھر داماد بنالیتے ہیں۔ اس طرح وہ سسرال کے در پر پڑے رہتے ہیں۔ سسرال کی جھڑکیاں بھی برداشت کرتے ہیں ان کے گھر میں ہر وقت تُوتُو میں میں ہوتی رہتی ہے۔ سسرال والوں کو پھر بھی اس سے شکوہ ہوتا ہے کہ یہ اپنی مرضی سے گھر داماد بنا ہے۔ ہمارا کوئی کام نہیں کرتا ہے۔ سارا وقت سویا رہتا ہے۔ ایسے ہی داماد کے حوالے سے ڈاکٹر مظہر عباس رضوی طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ "گھر داماد" قطعہ ملاحظہ ہو۔

کام کرتا نہیں اور آٹھ پہر سوتا ہے
روتا دھوتا ہے بہت، کپڑے نہیں دھوتا ہے
اپنی مرضی سے بنا تھا تو میرا گھر داماد
اب بتا مجھ کو کہ کس بات پہ تو روتا ہے[38]

جو بیویاں اپنے سسرال میں نہیں رہتیں بلکہ آئے روز میکے کے چکر لگاتی رہتی ہیں۔ ان کا شوہر بھی ان کے روز روز کے چکر لگانے سے عاجز آجاتا ہے۔ کیونکہ ان کو لانے اور لے جانے کی ذمہ داری بھی اسے سرانجام دینی ہوتی ہے۔ انھیں ذمہ داریوں سے عاجز آکر دعا مانگ رہا ہے کہ میں اپنے سسرال والوں کو یہ پٹی پڑھاتا ہوں

کہ بہتر یہی ہے کہ وہ مجھے گھر داماد رکھ لیں اس طرح روز روز کے چکر سے بچ جاؤں گا۔ انہی خیالات کی طنزیہ انداز میں مرزا عاصی اختر نے ترجمانی کی ہے۔

لگی دل کی بجھانے کو جارہاہوں
اسے میکے سے لانے جارہا ہوں
بنالیں مجھ کو اپنا گھر جوائی
انھیں پٹی پڑھانے جارہا ہوں[39]

سسر کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے داماد بھی گھر جوائی ہونے کے خواب دیکھتا ہے۔ اب ان جھمیلوں سے نجات ممکن نہیں۔ جس طرح سسر ساس کے گھر میں رہا ہے اسی طرح میرے اور سسر کے درمیان میں جو "فادری" تعلق ہے۔ میں بھی گھر داماد بن جاتا ہوں۔ افضل پارس نے "مادری زبان "کی بجائے "فادری زبان" کی اصطلاح استعمال کر کے سسر اور داماد کے درمیان میں مزاحیہ انداز میں تعلق ظاہر کیا ہے۔

اس قید محبت میں تو کتنے سال گزرے ہیں
کہاں اپنے مقدر میں کہ ہم آزاد ہو جائیں
چلو پھر باندھ لیتے ہیں یہ اک زنجیر الفت کی
سسر جیسے ہے اپنا ہم بھی گھر داماد ہو جائیں[40]

نکھٹو گھر داماد جو سسرال کے ٹکڑوں پر پلتا ہے۔ سسرال میں اس کی بیگم کی حکمرانی ہوتی ہے۔ جس طرح دفتر میں باس ہوتا ہے اسی طرح گھر میں بیوی کی جھڑکیاں وہ برداشت کرتا ہے۔ باس کی نسبت بیگم کی جھڑکیاں وہ آسانی سے سہہ لیتا ہے۔

ڈاکٹر انعام الحق جاوید نے "نکھٹو داماد" کے قطعہ میں مزاحیہ انداز میں ایسے ہی داماد کی منظر کشی کی ہے۔

میرے بچوں کی جو نانی ہے وہ میری ساس ہے
میری بیوی بھی میری بیوی نہیں ہے باس ہے
جاکے دفتر کیوں سنوں میں افسروں کی جھڑکیاں

گھر کی پُر رونق فضا مجھ کو بہت ہی راس ہے[41]

v۔ سالا:

ازدواجی زندگی میں میاں بیوی سے منسلک دوسرے رشتے بھی اہم ہوتے ہیں۔ شوہر حضرات خاص طور پر اپنے سسرالی رشتہ داروں کے ساتھ جس طرح کا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ اس کو اردو شاعری میں ہمیشہ ہی موضوع بحث بنایا جاتا رہا ہے۔ یہاں تک کہ ان کے حوالے سے طنزیہ اور مزاحیہ انداز میں شعر تحریر کیے جاتے رہے ہیں۔ ان میں سے ایک رشتہ سالے کا بھی ہے۔ جس کو شعراء حضرات نے ہمیشہ اپنے مزاح کا نشانہ بنایا ہے۔ ڈاکٹر انعام الحق جاوید بھی کچھ اِسی قسم کی دعا مانگ رہے ہیں کہ میری اس گھر میں شادی نہ ہو جہاں سالے سے ملاقات بھی سال کے بعد ہو۔

جس سے ملنا بھی فقط سالانہ ہو

اس طرح کا کوئی بھی سالا نہ ہو

ہو خدایا ان کے گھر شادی مری

جن کے گھر میں کوئی بھی کالا نہ ہو[42]

شوہر حضرات بیوی اور سالے سے بہت ڈرتے ہیں۔ ہر وقت دوسروں کے سامنے ان کے گُن گاتے نہیں تھکتے۔ ضیاء الحق قاسمی بھی بیوی اور سالے کی طرف سے پڑنے والی ڈانٹ کو مزاحیہ انداز میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس میں اِن دونوں بیچاروں کا کوئی دوش نہیں۔

مجھے اپنی بیوی پہ فخر ہے مجھے اپنے سالے پہ ناز ہے

نہیں دوش دونوں کا اس میں مجھے ڈانٹتا کوئی اور ہے[43]

ضیاء الحق قاسمی نے "میں نصیب ہوں کسی اور کا مجھے چاہتا کوئی اور ہے" کی لے میں ردوبدل کر کے بیوی اور سالے کے حوالے سے پیروڈی کی ہے۔ بیوی کے آجانے کے بعد اس کے گھر والے بھی شوہر کے گھر میں ڈیرا جما لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ سالے اس کے کاروبار پر بھی قبضہ کر لیتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ مزاحیہ انداز میں

شاعر کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ اگر تمھاری دکان پر سالوں نے قبضہ کر لیا ہے تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے کہ اب تمھاری دکان چل پڑے گی۔ اپنے قطعہ "سالا یر قان" میں یوں لکھتے ہیں۔

وہ جب سے گھر میں آئی ہے تمھارے خواب کی مانند
ستم دیکھو تمھاری اب زبان چلنے سے قاصر ہے
کیا قبضہ ہے بزنس پر تیرے سالوں نے جب سے ہی
تو حیرت کیا کہ اب تیری دکان چلنے سے قاصر ہے[44]

سالا جس طرح کا برتاؤ کرتا ہے۔ جس طرح وہ سب کے سامنے ان کی عزت افزائی کرتا ہے کسی کی بھی جرات نہیں کہ وہ اس سے پوچھ سکیں کہ اس نے یہ کیا کیا ہے۔ دیکھنے والا سب کچھ دیکھنے کے باوجود بتانے سے قاصر ہے۔ ڈاکٹر انعام الحق اسی حوالے سے اپنے قطعہ "بلا عنوان" میں کہتے ہیں۔

سب کے سامنے کھیلے ہے وہ کھل کے کھیل نرالے سے
کسی کی جرات پوچھے جا کر رانی خان کے سالے سے
دیکھنے والے نے جو دیکھا بتلانے سے قاصر ہے
سننے والا پھر بھی پوچھ رہا ہے دیکھنے والے سے[45]

بیویوں کو اپنے بھائیوں سے بہت محبت ہوتی ہے۔ اسی بات کا اندیشہ شوہر کو ہوتا ہے کہ جذبات میں بہہ کر کہیں وہ مجھے " ویر" ہی نہ کہہ دیں۔ اسی حوالے سے افضل پارس اپنے قطعہ "سالا ظرفی" کو" اعلیٰ ظرفی" سے ردوبدل کر کے مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں۔

توہین جو کرتی ہو ہر روز ہی تم میری
جذبات میں تم اس کو توقیر نہ کہہ دینا
بھائیوں سے محبت ہے کچھ تم کو زیادہ ہی
جذبات میں مجھ کو بھی تم "ویر" نہ کہہ دینا[46]

ڈاکٹر مظہر عباس رضوی تو یہ تک کہتے نظر آتے ہیں کہ جسے میں مذاق میں سالا کہتا تھا حقیقی زندگی میں بھی وہ میرا سالا بن گیا۔ یہاں "سالا" کا لفظ ذو معنی ہے جس کا ایک مطلب "گالی" ہے دوسرا "سالا" بیوی کا بھائی اس سے ڈاکٹر مظہر عباس رضوی نے مزاح پیدا کیا ہے۔

جسے کہتا تھا میں غصے میں سالا
وہی اب میرا سالا ہو گیا ہے [47]

سالا کس طرح بہنوئی کی کمائی کا بے دریغ استعمال کرتا ہے۔ اس کے رزق کو استعمال کرنا اپنا حق سمجھتا ہے۔ اسی حوالے سے رخسانہ نازی طنزیہ انداز میں گلہ کرتے ہوئے کہتی ہیں۔

ساری کمائی بھائی کی کھا جاتا ہے
جو میرے بھائی کا سالا ہوتا ہے [48]

vi۔ سالی:

روزمرہ زندگی میں اس کو اتنی اہمیت دی جاتی ہے کہ اسے سالی "آدھی گھر والی" بھی کہا جاتا ہے۔ اس طرح شعراء حضرات بھی سالی کے حوالے سے گاہے بگاہے اپنی شاعری کے ذریعے طنز و مزاح کے شگوفے چھوڑتے رہتے ہیں۔ افضل پارس نے تراکیب خشک سالی کو علیحدہ علیحدہ کرکے اس کو نئے معانی دیے ہیں۔ اپنے قطعہ "خشک سالی" کو ذو معنی حوالے سے بیان کیا ہے۔ بیوی کے ساتھ اس کے گھر والے بھی اس کے ساتھ آتے ہیں۔ اسی حوالے سے افضل پارس طنزیہ انداز میں خشک سالی کا تذکرہ کرتے ہیں۔

یہ نہ سمجھو گھر میں بیوی ہی اکیلی آئے گی
فیملی بھی ساتھ اس کے ایک مثالی آئے گی
دھیرے دھیرے آبسیں گے گھر کے سارے لوگ تو
پھر تمھارے گھر میں آخر خشک سالی آئے گی [49]

بیوی کے آجانے کے ساتھ ساتھ اس کے گھر والے گھر میں خشک سالی لائیں گے۔ لفظ "خشک سالی" تباہی و بربادی کے حوالے سے بھی موزوں ہے اور خشک "سالی" علیحدہ علیحدہ کر کے بھی پڑھا جائے تو گھر میں خشک "سالی" آئے گی۔

ڈاکٹر انعام الحق جاوید "جنابِ والا" میں مزاحیہ انداز میں اسی موضوع کے حوالے سے ایسے کہتے ہیں کہ "سالی" کو تو میں برداشت بھی کر لوں لیکن اس کے برعکس "سالا" برداشت نہیں ہو گا۔ کیوں کہ سالی کا رشتہ بڑا ناز و ادا والا ہوتا ہے۔ بہنوئی سالی کے ناز نخرے برداشت کرتے ہیں۔ اسی حوالے سے ڈاکٹر انعام الحق جاوید مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں۔

کر لوں برداشت میں شاید کوئی سالی والی
پر نہیں چاہیے مجھ کو کوئی سالا والا[50]

vii۔ سسرال:

شادی کے بعد سسرالی رشتے اور سسرال والے دونوں خاندان کے لیے اہم ہو جاتے ہیں۔ جس میں شوہر اکثر اوقات اپنے سسرال میں قیام پذیر ہوتا ہے۔ سسرال کے کام کرتا ہے۔ سسرال والے پھر بھی اس کو اہمیت نہیں دیتے۔ اس کی سسرال میں وہ آؤ بھگت نہیں کی جاتی جس کے حوالے سے وہ سوچتا ہے۔ اس کی جو درگت بنتی ہے اس کے حوالے سے مرزا عاصی اختر مزاحیہ انداز میں یوں ذکر کرتے ہیں۔

ہم نے سسرال میں قیام کیا
زندگی بھر کچن میں کام کیا
تھی جو بدنام اس سے کی شادی
یوں اسے ہم نے نیک نام کیا[51]

سسرال والے جس طرح اپنے داماد کو لوٹتے ہیں کبھی سالا درگت بناتا ہے، کبھی سالی، گھر کا کوئی فرد بھی ایسا نہیں ہے جو گھر میں آنے والے داماد سے لوٹ مار نہیں کرتا۔ کبھی اس سے کپڑوں کی فرمائش کی جاتی ہے، کبھی

روپیوں کی۔ ندیم آذر اپنے قطعہ " سرالیوں نے لوٹا" میں مزاحیہ انداز میں ایسے ہی شوہر کی سسرالیوں کے ہاتھوں درگت بنتے ہوئے کہتے ہیں کہ جس طرح چوروں کی ٹولی بینک لوٹتی ہے۔ ندیم آذر سسرالیوں کو بھی انھیں چوروں سے تشبیہ دے رہے ہیں کہ انہوں نے مجھے اس طرح ہی لوٹا ہے۔

سالوں نے مجھ کو لُوٹا، کچھ سالیوں نے لُوٹا

کپڑا، روپیہ، پیسہ، گھر والوں نے لوٹا

چوروں کی ٹولی جیسے کوئی بینک لوٹتی ہے

کچھ اس طرح سے مجھ کو سسرالیوں نے لوٹا[52]

بیویاں کس طرح اپنے میکے والوں سے بنا کر رکھتی ہیں۔ ان کے نزدیک صرف اس کے گھر والے سب سے اہم ہیں۔ ان سے ہی اس کا شادی ہو جانے کے بعد رشتہ ہے۔ اپنے میکے کو ہی اہمیت دیتی ہیں۔ میاں کے گھر والے تو اس کے آگے کوئی اہمیت کے حامل نہیں ہوتے بس یہی چاہتی ہیں کہ اس کے میکے والوں کی آؤ بھگت کی جائے۔ سسرال والوں کی اس کی نگاہ میں کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔

امیر الاسلام ہاشمی بھی اسی قسم کے سسرال کی منظرکشی مزاحیہ انداز میں کرتے ہیں۔

میری بیوی کا جن سے رشتہ ہے

صرف ان سے ہی رشتہ داری ہے

اور جتنے عزیز ہیں میرے

ان سے دن رات چاند ماری ہے[53]

سسرال والوں کا بھرا پورا کنبہ ہونے کے باوجود داماد کے ساتھ جو ناروا سلوک ہوتا ہے۔ شعراء حضرات اس کو اپنی شاعری میں موضوع بحث بناتے رہے ہیں۔ ڈاکٹر مظہر عباس رضوی اسی قسم کی سسرالیوں کی یلغار کا ذکر غالب کے شعر کی لَے میں پیروڈی کے انداز میں لکھتے ہیں۔

سسرال کی یلغار ہے میں پکاؤ تنہا

سالی میرے پیچھے ہے تو سالا مرے آگے[54]

سسرالیوں کی فوج ہونے کے باوجود شوہر بیچارا اکیلا ہی کھانا پکاتا ہے۔ سالا سالی اس کے آگے پیچھے کام نکلوانے کے لیے گھومتے رہتے ہیں۔ سسرالیوں کے آگے میں فٹبال بن گیا ہوں میرا حال نہ گفتہ بہ ہے۔ جو شوہر اپنے سسرال میں رہتا ہے۔ اُسے یہی کہا جاتا ہے کہ بیوی کے گھر میں رہ رہا ہے۔ سب لوگ اسے سسرال میں رہنے کا طعنہ دیتے رہتے ہیں۔ لیکن اس پر ان سب باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ دیکھنے میں لاغر دکھائی دیتا ہے۔ ساس سسر کے ٹکڑوں پر پلتا ہے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اس کی آنکھوں سے آنسو رواں نہیں ہوتے۔ اس کی خودداری پر حرف نہیں آتا۔ اسی حوالے سے عطاالحق کاظمی اپنے قطعہ "سسرال" میں طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

ہمیشہ ساس سر کے اثر میں رہتا ہے
عجیب شخص ہے بیوی کے گھر میں رہتا ہے
جو دیکھیے تو لگتا ہے ایک کچھوا سا
میں کیسے جانوں کہ چشم تر میں رہتا ہے[55]

بیوی کے میکے چلے جانے کے باوجود شوہر بھی اس کے ہمراہ میکے جانے کو ہی ترجیح دیتا ہے۔ کیونکہ سسرال والے اس کی کی بہت خاطر داری کرتے ہیں۔ بچوں کو بھی آرام اور سکون ننھیال میں ہی ملتا ہے۔ بیوی کے میکے چلے جانے کے حوالے سے انور مسعود مزاحیہ انداز میں شوہر کی آواز بن کر کہتے ہیں۔ کہ میری وجہ سے پریشان مت ہونا میں بھی اپنے سسرال چلا جاؤں گا۔ انور مسعود کا قطعہ "میرا کیا" ملاحظہ ہو۔

آپ رہیے شوق سے میکے میں جا کر چند روز
ان بچوں کو چھوڑ آتا ہوں میں ننھیال میں
میں میرے بارے میں نہ ہونا جانِ من تشویش مند
میں چلا جاؤں گا کچھ دن کے لیے سسرال میں[56]

سسرال والے کس طرح بیٹی کے گھر میں میں آکر ادھم مچاتے ہیں۔ کس طرح ایک ایک کر کے ان کی ہاں آتے ہیں۔ شوہر کو اپنے گھر میں ایک لمحہ کو بھی چین نہیں آتا۔ بیگم بات بات پر اپنے گھر والوں کے آجانے کے حوالے سے شوہر کو لیکچر دیتی ہے کہ آپ نے یہ کرنا ہے یہ کرنا ہے۔ جس کو سوچ کر شوہر یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اسے گھر میں رہنا ہے کہ گھر سے بھاگ جانا ہے۔ اسی تناظر میں سسرال والوں کے گھر میں آ جانے کے واقعے کی کی منظر کشی زاہد فخری نے "سسرالی غزل" میں مزاحیہ انداز میں یوں کی ہے۔

مجھے ہر حال میں اب لمحہ لمحہ مسکرانا ہے
کہ سالی جی نے کرنے عید پاکستان آنا ہے
ہمیشہ سے سنا تھا آفتیں تنہا نہیں آتیں
سنا ہے اس کے شوہر نے بھی اس کے ساتھ آنا ہے
یہ وہ سالی ہے جس کے ساتھ ہر سائز کے بچے ہیں
انھیں بچوں نے گھر میں ہائے کیا اودھم مچانا ہے
یہاں تک بھی اگر ہوتا تو میں اتنا نہ گھبراتا
کہ بیگم کے بڑے بھیا نے بھی مسقط سے آنا ہے
یہ وہ بھیا ہے جس کے ساتھ اک بھابی بھی ہوتی ہے
وہ جس نے شیخیوں سے آسماں سر پر اٹھانا ہے
ابھی سسرال جا کر ساس جی کو ساتھ لانا ہے
یہ ایسے ہے کہ جیسے جون میں ملتان جانا ہے
ابھی کچھ روز باقی ہیں یہ گھر سسرال بننے میں
ابھی اپنی حکومت ہے، ابھی اپنا زمانہ ہے
سناتی ہے مجھے ہر روز بیگم ایک ہی لیکچر
مرے پیاروں کی آنے پر یہ گھر کیسے چلانا ہے

وہ بیگم ہے ہمیشہ حکم ہی اس نے چلانا ہے

میں شوہر ہوں، مرے غم کا وہی قصہ پرانا ہے

یہ بکرے کی نہیں ہے اپنی قربانی ہے فخری جی

کہو اب گھر میں رہنا ہے کہ گھر سے بھاگ جانا ہے[57]

(ج) میاں بیوی کی چپقلش:

ازدواجی زندگی میں سب سے اہم رشتہ میاں بیوی کا ہی ہوتا ہے۔ ایک لڑکی اپنا سب کچھ چھوڑ کر نئے رشتے بناتی ہے۔ جس میں سب سے اہم رشتہ میاں بیوی کا بندھن ہوتا ہے۔ باقی رشتے اللہ تعالی کی طرف سے بنائے گئے ہیں۔ لیکن میاں بیوی کا واحد رشتہ ہے۔ جسے روئے زمین پر سب سے پہلے بنایا گیا۔ بیٹی کو پیدا ہوتے ہی اس بات کی تلقین کی جاتی ہے کہ اس نے اگلے گھر جانا ہے۔ اس لیے اس کی ماں اسے گرہستی سکھانا شروع کر دیتی ہے کہ اپنے خاوند کی فرمانبردار رہنا ہے۔ اس کا ہر حکم بجالانا ہے تا کہ تمھارے ماں باپ کی تربیت پر کوئی حرف نہ آئے۔ لڑکی بیوی کا روپ دھارتی ہے۔ تو ماں کی نصیحتیں اسے قدم قدم پر یاد آتی ہیں کہ میاں بیوی دکھ سکھ کے ساتھی ہوتے ہیں۔ ہر گھر میں اونچ نیچ ہوتی ہے۔ تمھیں اُسے صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے معاملات کو سلجھانا ہے۔ انھیں الجھانا نہیں ہے۔ سسرال کی بات کسی سے نہیں کرنی۔ ساس سسر بھی ماں باپ کا درجہ رکھتے ہیں۔ جیسے اپنے ماں باپ کی خدمت کرتے ہوئے عار محسوس نہیں ہوتی۔ اسی طرح اپنے ساس سسر کی خدمت بجالانی ہے تا کہ خاوند تم سے خوش ہو جائے۔

میاں بیوی کو قرآن پاک میں ایک دوسرے کا لباس کہا گیا ہے۔ جس طرح لباس سے ہم اپنے جسم کو ڈھانتپے ہیں ازدواجی زندگی میں بھی بیوی میاں اور میاں بیوی کے عیبوں اور باتوں کو ڈھانپتا ہے۔ دونوں کو ایک دوسرے کی پردہ پوشی کرنی چاہیے۔ کمی ہر انسان میں ہوتی ہے لیکن بہترین ساتھی وہی ہے جو اپنے ساتھی کے عیبوں پر پردہ ڈالے۔ زندگی کے ہر میدان میں دونوں اکٹھے فیصلہ کریں کیونکہ میاں بیوی کو گاڑی کے دو پہیے کہا گیا ہے اگر گاڑی کا ایک پہیہ بھی ناکارہ ہو تو گاڑی نہیں چل سکتی۔ اس لیے میاں بیوی کی گاڑی کو بھی ہر حوالے سے ٹھیک ہونا چاہیے تا کہ وہ صحیح طریقے سے گھریلو زندگی میں آنے والے اتار چڑھاؤ سے نبرد آزما ہو

سکیں۔ اور اِن اتار چڑھاؤ پر صبر و تحمل کے دامن کو تھامے رکھنا چاہئے یہی گھریلو زندگی میں کامیابی کا گُر ہے۔ مرد کی نسبت عورت کو زیادہ صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے یہی وجہ ہے کہ مرد کی نسبت عورت میں برداشت کا مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ گھریلو زندگی میں بیوی کا اپنے شوہر اور اپنے سسرال کے ساتھ جو رویہ ہوتا ہے ۔اس کو زیادہ تر ہمارے معاشرے میں منفی سمجھا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے شعراء نے بھی اس کو طنزومزاح کا نشانہ بنایا ہے۔ جس کے ذریعے ہمارے معاشرے میں جو بیوی کا کردار ہے اس کے مختلف روپ اور مختلف انداز نظر آتے ہیں۔ جس میں کبھی وہ مظلوم بیوی کے حوالے سے دکھائی دیتی ہے کہیں ظالم جابر، کہیں پھوہڑ، کہیں لڑاکا اور کہیں سلیقہ شعار بیوی کے روپ میں دکھائی دیتی ہے۔ اسی طرح شوہر کبھی مظلوم خاوند، کہیں بے زبان خاوند، کبھی زن مرید شوہر اور کبھی بے بس شوہر کے حوالے سے دکھائی دیتا ہے۔ تصویر کے یہ دو رُخ ہیں۔ جس میں میاں اور بیوی کا عکس نظر آتا ہے۔ جو ساتھ ساتھ ہے۔ میاں بیوی کے اِن رُخوں کو ہمارے شعراء نے مختلف انداز میں پیش کیا ہے کیونکہ جہاں شعراء نے بیوی کا ذکر کیا ہے۔ وہاں میاں کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس لیے ان دونوں کو شعراء نے طنزومزاح کا نشانہ بنایا ہے۔

ڈاکٹر انعام الحق جاوید نے میاں بیوی کے درمیان پائی جانے والی محبت کا نقشہ "تقسیم کار" قطعہ میں کچھ اس طرح مزاحیہ انداز میں بیان کیا ہے۔ جس میں بیوی یہ کہتی نظر آتی ہے کہ وہ شوہر کا ہر معاملہ میں ہاتھ بٹاتی ہے یعنی ہم دونوں نے اپنے کام بانٹیں ہوئے ہیں جس میں بذلہ سنجی کی سی کیفیت ہے۔

میں تو سارے کاموں میں شوہر کا ہاتھ بٹاتی ہوں
ٹیبل پر بھی ان کے ساتھ ہی بیٹھ کے کھانا کھاتی ہوں
پھر وہ کچن میں جا کر گھر کے سارے برتن دھوتے ہیں
اور میں اک اک برتن کو ترتیب سے رکھتی جاتی ہوں[58]

جسے پڑھ کر بے اختیار ہنسی آجاتی ہے کہ جس میں بیگم یہ کہتی نظر آتی ہے کہ میں ان کا ہاتھ بٹانے کے لیے ٹیبل پر ان کے ساتھ بیٹھ جاتی ہوں۔ یہاں تک کہ وہ برتن دھو لیتے ہیں۔ میں ان برتنوں کو ترتیب سے رکھتی چلی

جاتی ہوں۔" شکوہ" میں انعام الحق جاوید بیوی کے ظلم و ستم کا گلہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بیوی کا ظلم شوہر پر اسی طرح جاری ہے۔ ساری رات جاگنے کے باوجود خاوند بیوی سے یہ گلہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔ جس کو مزاحیہ انداز میں شاعر نے علامہ اقبال کے مشہور مصرعے کی تضمین کی ضرورت میں لکھا ہے۔

رات بھر جاگ کے صاحب نے کہا بیگم سے

"ہم سے کب پیار ہے ہاں نیند تمھیں پیاری ہے"[59]

مجید لاہوری نے بیگم کے لیے نوکر بھی رکھا ہوا ہے جو گھر کے کام کاج کرتا ہے۔ بیگم کی مدد کرتا ہے۔ لیکن مجید لاہوری کے اصطلاح میں بیگم کو بیگم نہیں بے غم کہنا چاہیے۔ جیسے کسی چیز کا کوئی غم نہیں ہوتا سارے غم مردوں یعنی شوہروں کو ہوتے ہیں مجید لاہوری اسی حوالے سے کہتے ہیں۔

امور خانہ داری لیے موجود ہے ہیں نوکر

جسے کہتے بیگم ہیں ہم اسے بے غم سمجھتے ہیں[60]

لوگوں کی اصطلاح میں اسے بیگم کہتے ہیں لیکن شاعر کہتے ہیں وہ ہمارے لیے "بے غم" ہے۔ یعنی بغیر غم کے جسے کوئی غم نہ ہو۔

انعام الحق جاوید اپنے قطعہ "نصف بہتر" میں محاورے کا استعمال کیا ہے۔ جس میں بیوی کو نصف بہتر کہا ہے یعنی بیوی زمین سے دیکھیں تو آسماں دکھائی دے۔ جس کا مطلب ہے دور نظر آئے شاعر اسی حوالے سے طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نصف بہتر ہونے کے باوجود کبھی کبھی ہی بہترین دکھائی دے۔ ہمیں اپنی بیوی کی بجائے دوسرے کی بیوی ہی اچھی دکھائی دیتی ہے۔

زمین سے دیکھیں تو اک آسمان دکھائی دے

فلک سے دیکھیں تو اپنی زمین لگتی ہے

محاورے کے مطابق تو نصف بہتر ہے

کبھی کبھی مگر وہ بہترین لگتی ہے[61]

سر فراز شاہد شوہر کو مظلوم اور بے چارا جب کے بیگم کو اپنی وضع قطع اور سج دھج میں ہر حوالے سے شوہر سے بہتر دکھاتے ہوئے مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں کہ

ہر اک بیگم اگرچہ منفرد ہے اپنی سج دھج میں
مگر جتنے بھی شوہر ہیں بیچارے ایک جیسے ہیں[62]

یعنی ہر بیگم اپنی تیاری میں دوسری سے بالکل منفرد ہے اور الگ دکھائی دیتی ہے۔ تمام شوہر بیچارے ایک جیسے ہی دکھائی دیتے ہیں۔ خاور نقوی بیوی کے گھر کے آجانے کے بعد جو شوہر بچارے کی دُرگت بنتی ہے۔ اس کو اپنے قطعہ میں مزاحیہ انداز میں منظر کشی کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

جس دن سے مرے گھر میں وہ آئی ہے کم بخت
اس دن سے ہیں زبان پر تالے پڑے ہوئے
فرمائشوں کا ایک سمندر ہے اس پاس
مجھ کو ہیں اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے[63]

جس میں خاور نقوی نے بیوی کے گھر میں آجانے کے بعد شوہر کی زبان پر جس طرح تالے پڑے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کی فرمائشی لسٹ کو دیکھ کر شوہر کو اپنی جان کے لالے پڑے ہیں یعنی تالا اور لالے قافیہ استعمال کرکے بذلہ سنجی کی کیفیت پیدا کی ہے۔ محاورات کا برملا استعمال بھی مضحکہ خیز صورتِ حال کو بیان کر رہا ہے۔

قاضی غلام محمد نے "او دیس سے آنے والے بتا" مجید امجد کی نظم کی تحریف نگاری کی ہے۔ جس میں وہ پیروڈی کے انداز میں وطن سے آنے والوں سے وہاں کے شوہروں کے بارے میں پوچھ رہے ہیں کہ اب بھی وہاں کے شوہر بیوی کے مظالم برداشت کرکے راتوں کو چھپ چھپ کر روتے ہیں۔ صبح دفتر میں گھر کا کام کرنے کی وجہ سے سوتے ہیں۔

کیا اب بھی وہ وہاں کے سب شوہر
راتوں کو چھپ کے روتے ہیں

کیا اب بھی وہ قسمت مارے

دفتر میں اکثر سوتے ہیں

طعنوں کا نشانہ بنتے ہیں

جب گھر میں کبھی وہ ہوتے ہیں[64]

فاخرہ بتول مردوں کی نفسیات کو "غیر کی بیوی" قطعہ میں کچھ اس طرح بیان کرتی ہیں۔ جس میں مزاحیہ انداز میں مردوں کی فطرت کی عکاسی کر رہی ہیں کہ ان کے مردوں کو کو ہمیشہ دوسروں کی بیوی ہی اچھی لگتی ہے۔

مردوں کا آپ کیا بتاؤں کہ مردوں کو تو بس

ہر حالت میں غیر کی بیوی اچھی لگتی ہے

کم سن لڑکا ہمسائے کا بڈھا گھاگ لگے

ساٹھ برس کی اپنی بیٹی بچی لگتی ہے[65]

دلاور فگار "عجیب و غریب بیوی" قطعہ میں شوہر کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ جس میں بیوی کو غریب سمجھ کر اس سے شادی کی تھی لیکن میری بدنصیبی کے بیوی غریب ہونے کے بجائے عجیب و غریب نکلی۔

بیوی سے ایک شوہر ناکام نے کہا

ہم ہر معاملے میں بڑے بدنصیب ہے

ہم نے غریب جان کے مانگا تھا آپ کو

یہ کیا خبر تھی کہ آپ "عجیب و غریب "ہیں[66]

سید ضمیر جعفری مظلوم شوہر کی مزاحیہ انداز میں بتا بیان کرتے ہیں کہ

جان محفل تھا خدا بخشے ضمیر

اب تو اک مدت سے شوہر ہو گیا[67]

ایک وقت تھا ضمیر جعفری محفل کی جان ہوا کرتا تھا۔ لڑکیاں اس کے ارد گرد گھومتی تھیں لیکن جب سے شادی ہوئی وہ تب سے محفل کی جان نہیں رہا بلکہ شوہر ہو گیا ہے۔

ڈاکٹر انعام الحق جاوید ایسے ہی شوہروں کی تصویر کشی اپنے شعر میں کر رہے ہیں۔ جس کو اپنی ماں سے بہت محبت ہوتی ہے لیکن اپنی بیوی سے بھی پیار کرتا ہے۔ ایسے شوہر کا گزارا بہت مشکل سے ہوتا ہے کیوں کہ دونوں کو ایک ترازو میں تولتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی زندگی گھن چکر بن جاتی ہے۔

محبت ماں سے اور بیوی سے جس کو پیار ہوتا ہے

گزارہ ایسے شوہر کا بہت دشوار ہوتا ہے[68]

کیونکہ وہ اپنی ماں سے بھی محبت کرتا ہے اور بیوی سے بھی پیار کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے دونوں کو خوش رکھنے کے چکر میں اس کی زندگی وبال بن جاتی ہے کسی ایک کو بھی ناراض نہیں کرنا چاہتا۔

مجذوب چشتی اقبال کے مشہور مصرعے "تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن" کو اپنے قطعہ "اچانک" میں پیروڈی کے انداز میں بیگم کی طرف سے شوہر سے مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں۔

دو بجے تھے رات کے ہر سمت تھا گہرا سکوت

اور میں فرما رہا تھا شوق مشقِ سخن

جاگ اٹھی بیگم اچانک چیخ کر اُس نے کہا

"تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن، اپنا تو بن"[69]

بیگم رات کے دو بجے اچانک شوہر کو جاگتا دیکھ کر اٹھ بیٹھی ہے اور شوہر کو کہتی ہے کہ اتنی رات گئے ابھی تک جاگ رہے ہو۔ اسی حوالے سے طنزیہ کہتی ہے کہ اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن یعنی اپنی ذات کے ساتھ تو مخلص رہو۔ اقبال کے مشہور عام مصرعے کو تحریف کے انداز میں اپنے شعر میں استعمال کیا ہے۔

اس مصرعے کو سید ضمیر جعفری نے بھی کسی قوال کی محفل کے حوالے سے استعمال کیا ہے۔ وہاں جس کو دیکھ کر بیویاں تالیاں پہ تالیاں بجا رہی تھیں جب کہ اسی محفل میں شوہر اچھل اچھل رہے تھے تو ایک بیوی نے طنزاً اپنے شوہر سے کہا۔

اک میاں اچھلا تو بیوی نے کہا

"تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن"[70]

ہمارے معاشرے میں میاں بیوی ہر وقت لڑائی جھگڑا کرتے رہتے ہیں۔جب کسی محفل یا تقریب میں بیٹھے ہوں گے تو ان کو دیکھ کر ہی محسوس ہو جاتا ہے کہ یہ دونوں یقیناً میاں بیوی ہوں گے کیونکہ دونوں ہی ایک دوسرے سے بے زار ہوتے ہیں۔امیر الاسلام ہاشمی نے اپنے شعر میں ایسے ہی میاں بیوی کی مزاحیہ انداز میں عکاسی کی ہے۔

دونوں تھے روٹھے روٹھے، میاں بیوی ہو جیسے

دونوں میں کیا رشتہ تھا، یہ عرض پھر کروں گا[71]

ایسی وفا شعار بیوی جو اپنے خاوند سے محبت کرتی ہے اور خاوند کے ساتھ ساتھ کسی کی شراکت برداشت نہیں کرتی۔ یہاں تک کے یہ دنیا تو یہ دنیا جنّت میں بھی حوروں کو برداشت نہیں کرتی۔نیاز سواتی نے اسی قسم کی بیوی کا مزاحیہ انداز میں نقشہ کھینچا ہے۔جو فرمائش کے پورے ہو جانے پر شوہر کو جنت کی دعا دیتی ہے لیکن جب حوروں کے ملنے کی خبر سنتی ہے تو جھٹ دوزخ کی دعا دیتی ہے۔

اہلیہ کی میں نے جب پوری کی فرمائش نیاز

جھٹ دی دعا اس نے جنّت آشیانہ ہو تیرا

جب کہا میں نے وہاں مجھ کو ملے گی حور بھی

سن کے وہ بولی کہ پھر دوزخ ٹھکانہ ہو تیرا[72]

دلاور فگار "نصف بہتر" قطعہ میں ایہام گوئی کا استعمال کرتے ہوئے بیوی کو نصف بہتر کہتے ہوئے طنزاً کہتے ہیں۔

سنا ہے نصف بہتر بھی کہا جاتا ہے بیگم کو

تو کیا اس کا مطلب ہے کہ شوہر ہے خراب آدھا[73]

یعنی بیوی اس کو آدھا بہتر سمجھا جاتا ہے۔" نصف بہتر" بیوی کو بھی کہا جاتا ہے اور اس کا دوسرا ظاہری مطلب ہے " آدھا بہتر " اسی حوالے ایہام گوئی کا استعمال کرتے ہوئے شاعر طنزاً کہتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے شوہر آدھا بہتر ہے اور آدھا خراب ہے۔

نصیر عسکری اس گھر کا نقشہ مزاحیہ انداز میں پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہاں بچوں کی بہتات ہوتی ہے۔ صبح کا آغاز ہی ایسے ہوتا ہے کہ جیسے سر پر جوتے پڑ رہے ہوں۔ شاعر اس حوالے سے طنزاً کہتا ہے کہ کیا سہانا سماں ہوتا ہے۔ ہر طرف اُودھم مچا ہوا ہوتا ہے۔

صبح دم سر پہ جوتے برسنے لگے
کیا سہانا سماں ہے خدا کی قسم
میری بیوی کے بارے میں پوچھو نہ تم
سات بچوں کی ماں ہے خدا کی قسم[74]

ایسی بیویاں جو شوہر کے ناز نخرے برداشت نہیں کرتیں بلکہ برابری کے حقوق چاہتی ہیں۔ جن کو گھر کے کام کاج سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ جو خوبصورت تو ہوتی ہیں۔ لیکن گھریلو امور سے نہ بلد۔ جنہیں بات کرنے کا بھی سلیقہ نہیں ہوتا۔ سید ضمیر جعفری انھیں عورتوں کے حوالے سے مردوں کو تنبیہ کرتے ہوئے "کام آتا نہیں" قطعہ میں کہتے ہیں۔

اپنی روٹی خود پکا مسٹر کے اب بیوی کے ساتھ
حسن آجاتا ہے حسن انتظام آتا نہیں
بحث ہم دونوں میں جب ہو گی تو جھگڑا کیوں نہ ہو
مجھ کو علم اور آپ کو علم کلام آتا نہیں[75]

" علم کلام " کا لفظ طنزاً استعمال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں پڑھا لکھا نہیں ہوں لیکن میری بیوی کا اندازِ بیاں بھی مہذب نہیں ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ معاشرے میں عورتیں شوہر کو ادب سے نہیں بلاتیں بلکہ ان کی عزت نفس کو مجروح کرتی رہتی ہیں۔ ان کی ہر جگہ بے عزتی کرتی ہیں۔ ان کو ڈانٹ ڈپٹ کرتی رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ گھر کے نوکروں کو بھی نہیں بخشتیں لیکن یہ بات گھر کے ملازم کو بھی گوارا نہیں گزرتی کہ انھیں بے عزت کیا جائے۔ اس لیے وہ بیگم صاحبہ کو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ میں ملازم ہوں شوہر نہیں ہوں۔

ڈاکٹر انعام الحق "گھریلو ملازم" کے قطعہ میں بذلہ سنجی کے انداز میں کہتے ہیں۔

میڈم کی ڈانٹ سن کے ملازم پکار اٹھا
ہر چند سنگ ریزہ ہوں گوہر نہیں ہوں میں
لیکن کلام کیجیے مجھ سے ادب کے ساتھ
نوکر ہوں کوئی آپ کا شوہر نہیں ہوں میں[76]

ازدواجی زندگی میں میاں بیوی کے درمیان ناچاقی اور ان بن ہوتی رہتی ہے۔ بیوی جو اپنے شوہر سے محبت کرتی ہے۔ وہ اپنے خاوند کی ایک ایک بات نوٹ کرتی ہے۔ اس کی ایک ایک چیز کو چیک کرتی ہے۔ خاوند اس کی اس فطرت کو اس کا شک سمجھتا ہے۔ جس کی وجہ سے ایسی عورت کو شکی عورت بھی کہا جاتا ہے۔ اسی حوالے سے ڈاکٹر اسامہ منیر اپنا تجربہ بیان کرتے ہوئے مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں

جس خاتون کے دل میں شک کا اڈا ہوتا ہے
اس کا شوہر سے روزانہ پھڈا ہوتا ہے[77]

یعنی جو عورت خاوند کے بارے میں شک و شبہات کا شکار ہوتی ہے اس گھر میں روزانہ لڑائی جھگڑا ہوتا ہے

سعادت مند شوہر بیوی کی آہ و فغاں پر گلہ شکوہ کرتے ہوئے "شوہر کی فریاد" کے عنوان سے اسد جعفری کی نظم میں کچھ اس طرح فریاد کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

اے میری بیگم نہ تو میری خودی کمزور کر
یہ شریفوں کا محلّہ ہے نہ اتنا شور کر
شب کے پرسکون لمحوں میں نہ مجھ کو بور کر

اس سعادت مند مند شوہروں کو نہ یوں اگنور کر
دید ودل تیری چاہت کے لیے بے تاب ہیں
مجھ جیسے شوہر آج کل بازار میں نایاب ہیں
میرے آنے پر ہے پابندی کبھی جانے پہ ہے
ہے کبھی پینے پہ قدغن کبھی کھانے پہ ہے[78]

سعادت مند شوہر بیوی سے اپنی خودداری کے حوالے سے فریاد کر رہا ہے کہ رات کے اس پہر اتنا ہنگامہ آرائی نہ کرو۔ شریفوں کا محلہ ہے۔ جس میں تمھاری آواز باہر جائے گی۔ مجھ جیسے سعادت مند شوہر آج کل نایاب ہیں۔۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں تم ہر وقت مجھ پر نظر رکھتی ہوں۔ میرے کھانے پینے اور آنے جانے پر بھی پابندی ہے۔ میرا جیسا شوہر شاعر مزاحیہ انداز میں کہتا ہے کہ چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گا۔ اس کے لیے شاعر نے مزاحیہ انداز میں "نایاب" کا لفظ استعمال کیا ہے۔

اسد جعفری نے اپنی نظموں میں پیش کیے جانے والے کرداروں لے ذریعے مزاح پیدا کیا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید نے اُن کی اسی خصوصیت کے حوالے سے کہا ہے۔

> اسد جعفری خالص مزاح کی کمیاب شخصیات میں سے ہیں۔ ان کی انفرادیت ماحول کی مزاحیہ تصویر کشی میں ہے۔۔ " شوہر کی فریاد" اور ہمسائی جیسی نظموں میں ٹائپ کرداروں سے مزاح پیدا کیا ہے۔[79]

بیوی اپنے خاوند کو کس طرح بہکاتی ہے اس کا آغاز حضرت آدمؑ اور حضرت حوّا سے ہی ہو گیا تھا۔ جس میں جب حضرت حوّا کے بہکاوے میں آکر حضرت آدمؑ نے وہ پھل کھالیا تھا۔ جس سے منع کیا گیا تھا۔ آج تک آدمؑ کا بیٹا حوّا کی بیٹی کو اس بات کا طعنہ دیتا ہے۔ سید ضمیر جعفری نے اسی واقعے کو "انتقام" کے عنوان کے تحت نظم لکھ کر مزاحیہ انداز میں شوہر کے اندر موجود اس بھڑکتی ہوئی آگ کو بجھایا ہے۔ وہ کس طرح اس قرض کو بیوی کو لوٹاتا ہے۔ اسی نظم کو ملاحظہ کیجیے

حضرت آدم کو حوا نے

خُلدِ بریں سے نکلوایا تھا

دانہ گندم کھلوایا تھا

جب بھی یاد آیا یہ قصّہ

اپنی زوجہ سے ہم بولے

بول کو بے سمجھے بے تولے

یاد ہے تجھ کو بھی وہ قصّہ

اپنا قرض اتارا ہم نے

بیوی کو دے مارا ہم نے[80]

دلاور فگار شادی شدہ شوہروں کی بے بسی کو اپنے شعر میں بذلہ سنجی کے انداز میں کہتے ہیں کہ شوہر اس بات پر حیرت زدہ ہیں کہ کیا میں دنیا سے نرالا ہوں۔ میں بھی تم جیسا انسان ہوں۔ جو شادی شدہ بھی ہے اور بیوی بچوں والا بھی ہے۔

یہ کس نے کہہ دیا تجھ سے، میں دنیا سے نرالا ہوں

میں اک شادی شدہ ہوں، بیوی بچوں والا ہوں[81]

ڈاکٹر انعام الحق جاوید اس شوہر کی دکھتی رگ کو بیان کر رہے ہیں۔ جو شادی سے پہلے بیوی سے میل ملاقات کرتے ہیں۔ نوبت شادی تک پہنچ جاتی ہے لیکن بعد میں جو کچھ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس میں قسمت کو دوش دیتے ہیں ڈاکٹر انعام الحق جاوید "قسمت بیگم" کے قطعہ میں شوہر کی بے بسی کو کچھ یوں بیان کرتے ہیں۔

میں نے اس کو گھور کر دیکھا اس نے مجھ کو گھورا

سچ پوچھو تو اس سے میرا مقصد ہو گیا پورا

باقی کام تو قسمت کا تھا جو تھی میرے ساتھ

اس نے گھر آ کر البتہ کر دیا مجھے ادھورا[82]

یعنی میرے مقدّر میں اس کا ساتھ تھا لیکن میری زندگی میں آجانے کے بعد اس نے مجھے مکمل کرنے کی بجائے طنزاً کہہ رہے ہیں مجھے ادھورا کر دیا۔

خالد عرفان اپنے قطعہ میں مزاحیہ انداز میں امپورٹڈ بیوی کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ امیر لوگ باہر سے گاڑیاں منگوانے کے بجائے بیویاں منگواتے ہیں۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس پر کسٹم نہیں لگتا۔

بجائے کار وہ بیوی نئی امپورٹ کرتے ہیں
اگرچہ اس بکھیڑے میں بھی پیسہ کم نہیں لگتا
کہا اک شخص نے امپورٹڈ بیوی کے بارے میں
یہ وہ دولت ہے جس کا پورٹ پہ کسٹم نہیں لگتا[83]

(د) میاں بیوی کی اقسام:

اردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں لکھنے والا زیادہ تر طبقہ مرد حضرات پر مشتمل ہے اور وہ اپنی شاعری میں مظلوم شوہر یا میاں کا کردار پیش کرتے ہیں۔ ایسا شوہر جو بیوی کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑا ہوتا ہے۔ جس کی بیگم کے آگے زبان نہیں ہلتی بلکہ وہ ماں اور بیگم کے درمیان گھن چکر بنا ہوا ہوتا ہے۔ بیوی اسے اپنے حکم کے مطابق چلانا چاہتی ہے۔ جب کہ ماں اسے اپنی ممتا کے واسطے دیتی ہے۔ جس کی وجہ سے شوہر ان دونوں خواتین کے درمیان فٹبال بنا کبھی ادھر جاتا ہے۔ کبھی ادھر اس کی اپنی زندگی ہمیں کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ ایسے شوہر بھی ہیں جو بھی بیوی کے سامنے بالکل بے بس ہیں اور بے زبان ہوتے ہیں۔ بیوی کے ہر حکم کی تعمیل بجالاتے ہیں۔ کچھ ایسے شوہر حضرات بھی ہوتے ہیں۔ جو اپنی بیوی کے ساتھ وفا شعار ہوتے ہیں۔ ہمارے معاشرے کا عجیب نظریہ ہے جو بیوی کے ساتھ مخلص ہوں۔ اپنی شریک حیات کی ہر کام میں مدد کریں۔ اسے لوگ "زن مرید" کہتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے مذہب کو مد نظر رکھ کر دیکھا جائے تو ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم شریک حیات کے ساتھ خود کام کرتے تھے۔ انھیں کسی قسم کا عار محسوس نہیں ہوتا تھا۔ ہمارا معاشرہ جو مردوں کا معاشرہ سمجھا جاتا ہے۔ اس میں مرد حضرات اگر بیوی کے کام میں ہاتھ بٹاتے ہیں۔ تو اس کو برا سمجھا جاتا ہے

اس کو طرح طرح کی باتیں سنائی جاتی ہیں۔ ہمارے شعراء حضرات بھی اسی معاشرے کا حصہ ہیں۔ اسی حوالے سے ہمارے مزاح نگار اور طنز نگار نے مظلوم، بے بس، بے زبان، وفا شعار اور زن مرید شوہر کی مختلف حوالوں سے طنزیہ اور مزاحیہ انداز میں عکاسی کی ہے۔ اسی بات کو مد نظر رکھتے ہوئے طنزیہ اور مزاحیہ شاعری میں شوہروں کے موضوعات کے حوالے سے مختلف قسمیں ہیں۔ جن کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

i۔ زن مرید:

میاں بیوی گاڑی کے دو پہیے ہیں جب دونوں پہیے صحیح کام کریں گے تو زندگی کا نظم و نسق ٹھیک چلتا ہے۔ ہمارے مذہب میں اس بات کی ترغیب دی جاتی ہے کہ دونوں کو مل جل کر ایک دوسرے کا ہاتھ بٹانا چاہیے۔ ایک دوسرے کے کام کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرنی چاہیے۔ ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہم سب کے لیے مشعل راہ ہے۔ ازواج مطہرات کے ہوتے ہوئے بھی اپنا کام خود کرتے تھے۔ اس میں کوئی شرم اور جھجھک محسوس نہیں کرتے تھے لیکن ہم نے اسلامی اقدار و روایات کو چھوڑ دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کے کاموں میں ہاتھ بٹاتا ہے۔ اس کو برے برے القابات سے نوازا جاتا ہے اسے "زن مرید" کہا جاتا ہے۔ یہ اپنی بیوی کے ساتھ اس کی مدد کرتا ہے۔ اس کو یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ کمزور ہے۔ بیوی کے آگے لگ گیا ہے۔ اس کو شان کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ ہمارے شعراء نے ازدواجی زندگی کے اسی موضوع کو مختلف انداز میں اپنی شاعری میں پیش کیا ہے۔

دلاور فگار اپنی غزل میں بیوی کے روزانہ پاؤں دبانے والے کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے کہ بے اختیار ہنسی آجاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ طنز بھی کیا ہے کہ کیسا شوہر ہے۔

روز بیوی کے پاؤں دابتا ہے

واہ کیا زن مرید شوہر ہے[84]

حسن عسکری نے تو ازدواجی زندگی کا "گُر" یہ بتلایا ہے کہ جو خاوند زن مریدی کے نقش قدم پر چلتا ہے۔ وہ ہمیشہ کامیاب ہوتا ہے۔ ڈھکے چھپے انداز میں طنزاً کہتے ہیں کہ ہر بیاہے کو میری کہی ہوئی بات پر عمل کرنا چاہیے ۔ جس کی بدولت گھر جنت کا نمونہ بن سکتا ہے۔ حسن عسکری کہتے ہیں

ہر بیاہے کو باخبر کر دو
یہ میرے تجربوں کا جوہر ہے
زن مریدی شعار ہے جس کا
وہ بڑا خوش نصیب شوہر ہے[85]

ہمارے ہاں وقت کے ساتھ ساتھ معیار زندگی کے طور طریقے بدلنے سے ازدواجی زندگی کے پیمانے بھی بدل گئے ہیں۔ اب اُس خوش نصیب سمجھا جاتا ہے جو بیوی کے آگے بڑھ بڑھ کر کام کرتا ہے۔ اس کی ہاں میں ہاں ملاتا ہے۔ ہمارا مذہب تو اس بات کو پسند کرتا ہے لیکن شاعر نے خبردار کیا ہے کہ زندگی میں کامیابی چاہتے ہو تو زن مریدی کو اپنا شعار بناؤ۔

نیاز سواتی تو زن مریدی کرتے کرتے اتنا تھک چکے ہیں کہ بیوی کے مر جانے کے بعد بعد اس خوف سے اس کی قبر پر پانی کا چھڑکاؤ نہیں کرتے۔ کہیں پھر سے وہاں سے بیوی نہ اگ آئے۔ مزاحیہ انداز میں سوال کا جواب دیتے ہیں۔

زن گزیدہ ایک شوہر سے جب پوچھا گیا
مرقدِ زوجہ پہ تم چھڑکاؤ کیوں کرتے نہیں

وہ یہ بولا نہیں پانی چھڑکتا اس لیے
ڈر رہا ہوں اہلیہ پھر سے نہ اگ آئے کہیں[86]

بیوی کے ساتھ کام کر کر کے یہ ڈر یا خوف ابھی بھی موجود ہے کہ مرنے کے بعد کسی اور شکل میں آجائے گی۔

مجید فضاء نے تو "زن مرید شوہر کا شکوہ" علامہ اقبال کی نظم شکوہ کی پیروڈی میں لکھ ڈالا۔

ہے بجا حلقہ ازواج میں مشہور ہوں میں
تیرا، بیرا، ترا دھوبی، تیرا مزدور ہوں میں
زن مریدی کا شرف پا کے بھی رنجور ہوں میں

قصہ ٔ درد سناتا ہوں کہ مجبور ہوں میں
میری مخدومہ،میرے غم کی حکایت سُن لے
ناز بردار سے تھوڑی سے شکایت سُن لے
رشتہ داروں نے تیرے جان مری کھائی ہے
فوج کی فوج میرے گھر اُتر آئی ہے
کوئی ماموں، کوئی خالو ہے کوئی بھائی ہے
بات کہنے کی نہیں تُو بھی تو ہرجائی ہے
پالوں بچوں کوترے یا ترے غم خواروں کو
ان ممولوں کو سنبھالوں کہ چڑی ماروں کو
تو ہی کہہ دے تیرا حُسن نکھارا کس نے
اس بلیک آوٹ سے مکھڑے کے سنوارا کس نے
رخ پہ پھیرا تیرے سرخی کا پچارا کس نے
تیرے میک اَپ کا کیا خرچ گوارہ کس نے
کون تیرے لیے درزی سے غرارہ لایا
واسطہ دے کے غریبی کا خدارا لایا
پھر بھی مجھ سے یہ گلہ ہے کماتا کم ہوں
نوجوانی میں تجھے عیش کراتا کم ہوں
لے کے شاپنگ کے لیے تجھ کو میں جاتا کم ہوں
اور پلازہ میں تجھے فلم دکھاتا کم ہوں
کاش نوٹوں سے حکومت میری جیبیں بھر دے
مشکلیں شوہرِ مظلوم کی آساں کر دے

زچہ بن بن کے بجٹ میرا گھٹایا تو نے
ہر نئے سال نیا گل ہے کھلایا تو نے
اپنا شو روم میرے گھر کو بنایا تو نے
جس میں ہر رنگ کا ماڈل ہے، سجایا تو نے
اس میں ہولو بھی ہے، بھولو بھی ہے، جوشیلا بھی
اس میں زلفی بھی ہے، ننھا بھی ہے، رنگیلا بھی
کس قدر تجھ پہ گراں صبح کی بیداری ہے
اٹھ کے چولہے کی طرف جانا تجھے بھاری ہے
مجھ سے کب پیار ہے، ہاں نیند تجھے پیاری ہے
تو ہی کہدے، یہی انعام وفاداری ہے
میں وہ شوہر ہوں کہ خود آگ جلائی جس نے
لا کے بستر پر تجھے چائے پلائی جس نے
ہنس کے بولوں جو پڑوسن سے تُو جل جاتی ہے
کھولتی چائے کی مانند اُبل جاتی ہے
حد اخلاق سے باہر بھی نکل جاتی ہے
موسمِ پنڈی کی مانند بدل جاتی ہے
جگ تو پھر جگ ہے صراحی بھی نہ چھوڑی تو نے
جب لڑی مجھ سے تو ہانڈی بھی ہے توڑی تو نے
کسی اسٹیج پہ آؤں تو چمک جاتا ہوں
تیری سرکار میں پہنچوں تو دُبک جاتا ہوں
تو جو ہولے سے بھی کھانسے تو ٹھٹک جاتا ہوں

گھور کے دیکھے تو پیچھے کو سرک جاتا ہوں
پھر بھی مجھ سے گلہ ہے کہ وفادار نہیں
تو ہے بے کار، تیرے پاس کوئی کار نہیں[87]

ڈاکٹر زبیر فاروق نے ایک "زن مرید کا سپاس نامہ" تحریر کیا ہے جس میں طنزیہ انداز میں اس کا نقشہ کھینچا ہے۔ جو بیوی کی ہاں میں ہاں ملاتا ہے۔ اس کے حسن و جمال کی تعریف کرتا رہتا ہے۔ اس کی بیوی اس کی محبت میں گرفتار ہو جاتی ہے کیونکہ بقول اس کے گھر میں رہنا ہے تو بیوی کی ہاں میں ہاں ملاؤ۔ " پیتا ہوں"کا لفظ طنزیہ انداز میں ذو معنی حوالے سے استعمال کیا ہے۔ اس سے مراد وہ غصہ پینا بھی ہو سکتا ہے۔ میں بیوی کے ہر حکم کو ماننے کے لیے اپنے غصے کو پیتا ہوں اور بیوی اپنا غصہ اتارتی ہے۔

وہ مزہ میری محبت نے دیا بیوی کو
جو پیتا ہوں تو ہوتا ہے نشہ بیوی کو
میں نے یہ قول سنا ایک بڑے شوہر سے
گھر میں رہنا ہے تو کچھ مسکا لگا بیوی کو[88]

لیاقت علی لیاقت نے لفظ "زن مرید" کی پیروڈی کرتے ہوئے اسے "رن مرید" تحریر کیا ہے۔ جس میں وہ ایک نقطے کو حذف کر کے "زن" کو "رن" لکھتے ہیں۔ جس میں رن مرید سے پوچھتے ہیں کہ تمھیں بیوی پسند ہے کہ بے جی پسند۔ زن کو ذو معنی حوالے سے استعمال کیا ہے۔ "زن" بیوی کو کہتے ہیں اور "رن" پنجابی میں بھی بیوی کو کہتے ہیں۔

پوچھا جو میں نے ایک دن ایک رن مرید سے
بیوی پسند ہے کہ یا "بے جی" پسند ہے
کہنے لگا کے رشتہ مقدس تو ماں کا ہے
لیکن ہمیں تو دل سے یہ "دیوی" پسند ہے[89]

شاعر مزاحیہ انداز میں کہتا ہے کہ مقدس رشتہ تو ماں کا ہے لیکن مجھے دل سے یہ "دیوی" بیوی کو کہا ہے جس کی وہ ہر بات مانتا ہے جس کی پوجا کرتا ہے وہ پسند ہے۔ رن مرید شوہر اپنی بیوی سے ڈرتے ہیں۔

وہ شوہر جو ہر وقت بیوی کی تعریف کرتے نہیں تھکتا۔ بیوی کو خوش کرنے کے لیے اس کا ہر لمحہ کام کرتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی اس کی زبان پر بھی سچ آ ہی جاتا ہے۔ اس کڑوے سچ کو مرزا عاصی اختر طنزیہ انداز میں کہتے ہیں۔

مریدزن بلآخر ایک دن یہ بول ہی اٹھا

تیرے شیریں لبوں کی زہر افشانی نہیں جاتی[90]

مجذوب چشتی نے اسے زن مرید شوہر کے حالات کو اپنے قطعہ "بھابی" میں مزاحیہ انداز میں قلمبند کیا ہے۔ جو اپنے شوہر کو ہر وقت پیٹتی رہتی ہے لیکن وہ زن مرید خاموشی کے ساتھ سب برداشت کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ مارنے کے لیے جوتے بھی خرید کر لاتا ہے۔ جو اسے ہی مارنے کے کام آتے ہیں۔ "بھابھی" قطعہ میں لفظ طبیعت گرم ہونا" محاورہ ہے۔ جو ذو معنی حوالے سے استعمال کیا ہے۔

مجھ سے یوں گویا ہوا اک دن زن مرید

کیا کہوں احوال آتی شرم ہے

نرم جوتی لا کے دی ہے کل اسے

تیری بھابھی کی طبیعت گرم ہے[91]

ii۔ مظلوم شوہر:

ایسا شوہر جو بیوی کے ہر ظلم کو برداشت کرتا ہے اس کے آگے اف تک نہیں کرتا غصّہ آجانے کے باوجود اپنے غصے کو پی جاتا ہے۔ بیوی کی ڈانٹ ڈپٹ بھی سنتا ہے مظلومیت کی ایسی تصویر ہوتا ہے۔ اس کو دیکھ کر لوگ عبرت حاصل کرتے ہیں۔ ایسے ہی دوست کی تصویر ڈاکٹر انعام الحق جاوید نے مزاحیہ انداز میں "ہمارا یار" قطعہ میں کچھ اس طرح بیان کی ہے۔

پیاس لگے تو غصہ پی کر من کی پیاس بجھا لیتا ہے

بھوک لگے تو بیوی سے کچھ جھاڑیں شاڑیں کھالیتا ہے
آجائے مہمان اگر تو دھنیا گوشت پکا لیتا ہے
رات کو میٹھی نیند میں جاکر محنت کا پھل پا لیتا ہے[92]

شوہر بیچارہ پانی کی جگہ پیاس لگے تو غصہ پی لیتا ہے اور بھوک کی جگہ بیگم کی ڈانٹ ڈپٹ کھاتا ہے۔

ایسے شوہر جو اپنی بیویوں سے دب کر رہتے ہیں۔ ہر وقت سہمے سہمے خوفزدہ سے ان کو اگر دفتر میں دیکھا جائے تو وہ اپنے سے نیچے والے ملازمین پر رعب جھاڑ رہے ہوتے ہیں۔ انھیں کھری کھری سنا رہے ہوتے ہیں۔ سرفراز شاہد اپنے قطعہ "حالات" میں بھیگی بلی بنے ہوئے شوہر کو مزاحیہ انداز میں بیان کر رہے ہیں۔ جن کی دسمبر میں اکڑ اکڑ کر چلنے والے کی ساری اکڑ بیگم کے سامنے ختم ہو جاتی ہے۔

حالات بدلتے ہیں انسان کی فطرت کو
یہ دیکھ کے ہوتی ہے اکثر ہمیں حیرانی
سہمے ہوئے دیکھا ہے گھر میں اسی افسر کو
دن بھر جو دکھاتا ہے دفتر میں اکڑ خانی[93]

افضل پارس نے مظلوم شوہر کی زندگی کو نیٹ پریکٹس سے تشبیہ دی ہے۔ جو ہر دفعہ جتنے کے لیے میچ کھیلتا ہے لیکن اس کی قسمت میں ہمیشہ بیگم سے ہارنا لکھا ہے۔ متضاد الفاظ کا استعمال کر کے مزاحیہ انداز میں کہا ہے۔

وہ ہے اک مظلوم سا شوہر، جو قسمت کا مارا ہے
ہر جنگ کا ہے ایک نتیجہ، وہ بیوی سے ہارا ہے
میرے بھائیو! سچی بات یہ کہتا ہوں
ایک ہی سال جنت شادی، آگے دوزخ سارا ہے[94]

ایک سال کی زندگی کو جنت اور آگے آنے والی زندگی کو دوزخ سے تعبیر کیا ہے۔ زندگی کے مزے صرف چند روزہ ہی ہیں۔ امیر بیگم کا غریب شوہر بھی صرف دھکے کھانے کے لیے دنیا میں آتا ہے۔ بیگم ہر لمحہ اس کو طعن و

تشیع کرتی رہتی ہے۔ وہ غریب شوہر بچارا ذلیل ورسوا ہوتا رہتا ہے۔ اس کے آگے اف تک نہیں کرتا۔ گالیاں اور جوتے کھاتا رہتا ہے۔ اس کو یہ ڈر ہوتا ہے کہ کہیں اس کے سسرال والے اور اس کی بیوی کہیں اس کو نکال نہ دیں۔ اسی ڈر اور خوف کے مارے وہ سب سہتا رہتا ہے۔ ڈاکٹر انعام الحق جاوید نے ایسے ہی غریب شوہر کی رام کہانی اپنی نظم "امیر بیوی کا غریب شوہر" کی صورت میں مزاحیہ انداز میں بیان کی ہے۔

وہ زمین پر اُترا ہے
صرف صرف کھانے کو
گالیاں بھی کھاتا ہے
جوتیاں بھی کھاتا ہے
دیکھا ایک دن میں نے
بیٹھ کر کچن میں وہ
کھارہا تھا ڈانٹ بھی
دیکھتے ہی دیکھتے
اس کے گنجے سر پہ ایک
پڑ گئی تھی ٹانٹ بھی
ڈر یہ تھا سُسر کہیں
لگا نہ ڈالے چانٹ بھی
اور ساس بند کرنہ دے کہیں گرانٹ بھی
بند ہو نہ جائے پھر اس کے پیٹ کا چھپا پلانٹ بھی[95]

ہمارے ارد گرد جو ہمیں مصیبت کا مارا خستہ حال نظر آئے۔ جو زمانے کا ستایا ہوا ہے۔ وہی بیچارا ہمارے معاشرے میں مظلوم شوہر ہو گا۔۔ شادی کر لینے کے بعد اس کی تقدیر بھی اس کا ساتھ دنیا چھوڑ دیتی ہے۔ سرفراز شاہد مزاحیہ انداز میں "مرد کی پہچان" کراتے ہوئے کہتے ہیں۔

لیکن جو نظر آئے تمھیں خستہ و بیزار

سمجھو کہ وہ خاوند ہے تقدیر کا مارا[96]

قسمت کا مارا مظلوم شوہر بیوی کے ظلم و ستم کا نشانہ بنتا رہتا ہے۔ بیوی سے مار کھانے کے باوجود بھی اس کے ہر ستم کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہے۔ اس کے آگے اف تک نہیں کرتا کیونکہ اسے معلوم ہے کہ میں نے اسی گھر میں رہنا ہے۔ اس کے حکم کی تعمیل بجالانی ہے۔ ورنہ زندگی اس کے لیے دوبھر ہو جائے گی۔ دلاور فگار تو اپنی نظم "بیوی سے مار کھانے والا شوہر" میں طنزیہ انداز میں کہتے ہیں کہ بیوی سے جتنی مار کھائی جائے اتنا ہی پیار بڑھتا ہے۔ پوری کی پوری نظم طنز و مزاح کا پیکر ہے

آپ کو بیوی نے مارا تو منہ کیوں پھولا ہے

آپ نے تو پیار کے سرکس میں جھولا جھولا ہے

بیوی سے جو پٹتا ہے، وہ شوہر جو ہوتا ہے جرّی

مار کھانے سے نکھرتا ہے مذاق شوہری

کوئی نوکر آپ کو پیٹے، تو کی جے برطرف

اور اگر بیوی سے پٹتے ہیں، زہے عزو شرف

بیوی سے جتنا پیٹیں گے، پیار بڑھتا جائے

شوہری کا مرتبہ ہر بار بڑھتا جائے گا[97]

لیاقت علی لیاقت مزاحیہ انداز میں اپنی نظم "مظلوم شوہر" میں اس شوہر کی کہانی مزاحیہ انداز میں بیان کر رہے ہیں۔ جس کی زندگی کو اس کی بیوی نے اجیرن بنا دیا ہے۔ جس کی محبت میں گرفتار ہونے اور اس سے شادی کر لینے کے بعد اس کا جو حال ہوا ہے۔ وہ ہمارے ہر دوسرے گھر کی کہانی ہے۔ جس میں شوہر بیچارا بیگم کے نخرے برداشت کر کے نڈھال ہو جاتا ہے۔ لیکن بیگم پھر بھی اس سے حساب کتاب مانگتی ہے۔ اس سے خوش نہیں ہوتی۔ بیانیہ انداز میں اُس کی رام کہانی بیان کر رہے ہیں۔

وہ ایک شخص جو مجھے ویران کر گیا

اس کا بھلا ہو زندگی آسان کر گیا

مدت سے میں پھنسا ہوا تھا اس کے عشق میں

ہو اس کا ستیاناس جو ہلکان کر گیا

اک تو میری کل آمدن پہلے ہی تھی قلیل

پھر اس کا جیب خرچ تو بے جان کر گیا

تحفے اٹھا کے سب میرا محبوب لے گیا

میرے لیے وہ صبر کا اعلان کر دیا گیا

بیگم نے مرا چال چلن دیکھ کر کہا

تو آج جان کس پہ قربان کر گیا

بیگم نے سیلری کا لیا جس گھڑی حساب

اس کا مطالبہ بھی پریشان کر گیا

میں نے کہا ذکر مت تنخواہ کا کرو

میں اپنی جان آپ پر قربان کر گیا

بیٹے نے برا حال میں میرا دیکھ کر کہا

یہ کون آج آپ کا نقصان کر گیا

میں نے کہا کہ جان پدر ماں سے پوچھ لو

جس کا پیار ہی لہو لہان کر گیا

بیگم نے برملا کہا واپس نہ آؤں گی

اس کا یہ انکشاف پیشمان کر گیا

اس نے کہا میں آؤں گی ابّا بھی لاؤں گی

ابّے کا نام مجھ کو پریشان کر دیا گیا[98]

iii۔وفاشعار شوہر:

آج کل کے شوہر بیوی کے اتنے وفادار ہوتے ہیں کہ اس کا حکم بجالاتے ہیں۔ایک وہ زمانہ تھاجب بیویاں شوہر کے آگے بولتی نہیں تھیں۔ان سے ان کی رائے معلوم نہیں کی جاتی تھی۔جو سر تاج نے کہہ دیاوہ پتھر پر لکیر ہو تا تھا۔مائیں بھی اپنی بچیوں کی تربیت ایسی کرتی تھیں کہ تمھارے لیے سر تاج کا حکم سر آنکھوں پر ہونا چاہیے۔بیوی کاکام شوہر کی فرمانبر داری کرناہو تاہے۔شوہر اور اس کے گھر والوں کی بھی خدمت خاطر اس پر لازم تھی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہمارے معاشرے اور سوسائٹی کے معیار بدلتے گئے جیسے جیسے انسان نے ترقی کی اس کے اندر شعور آتا گیا۔اس کو اپنے حقوق و فرائض کا علم ہوا تو اس طرح ہمارے معاشرے میں رہنے والی بیویاں بھی کیونکہ مرد کی شانہ بشانہ کام کر رہی ہیں وہ اب مغربی ممالک کی طرح عورتوں کے حقوق سے اب آگاہ ہوئیں ہیں۔حالانکہ ہمارے مذہب نے عورتوں کو جو حقوق اور احترام دیاہے وہ کسی دوسرے مذہب میں اس کا کوئی تصور نہیں بلکہ لیکن ہم نے مغرب کی اندھی تقلید میں اپنے مذہب کو پسِ پشت ڈال دیاہے۔یہی باتیں ہمارے معاشرے میں خاص طور پر ازدواجی زندگی میں بگاڑ کا باعث بن رہی ہیں۔آج عورت یہ سمجھتی ہے کہ اس کاشوہر اس کے لیے باہر کے ساتھ ساتھ گھر کاکام بھی کرے۔اس بات کو بڑے فخر سے سب کے سامنے بیان کرتی ہے کہ میرے اٹھنے سے پہلے میر امیاں میرے لیے ناشتہ اور سارے کام مکمل کر دیتاہے۔ایسے شوہر معاشرے میں نایاب ہیں۔اسی حوالے سے "کارآمد مشورہ "دیتے ہوئے مزاحیہ انداز میں ڈاکٹر انعام الحق جاوید سب کو شادی کامشورہ دیتے ہیں۔

میر اتومشورہ ہے تم بھی اب شادی کر اڈالو
شوہر آج کل بے لوث خدمت گار ہو تاہے
میر اسر تاج اٹھتے ہی کچن میں جانکلتا ہے
میں اٹھتی ہوں تومیر ا ناشتہ تیار ہو تا ہے[99]

شوہروں سے بیویاں اس طرح کام لیتی ہیں جیسے ان کے نوکر ہوں۔ان سے کام لیتے ہوئے انھیں بڑی خوشی محسوس ہوتی ہے۔بڑے فخر سے اپنے دوست احباب کو بتاتی ہیں کہ میر اشوہر گھر کے سارے کام کر تاہے۔

نوکر نہ رکھنے کی جو توجیع بیان کرتی ہے۔اسے پڑھ کر بے اختیار ہنسی آجاتی ہے کہ اس لیے مرد نوکر نہیں رکھا کہ شوہر بدگمان نہ ہو جائیں۔ نوکرانی اس لیے نہیں رکھی کیونکہ اس کا آنا میرے لیے دردسر ہو گا۔اسی حوالے سے بلبل کاشمیری قطعہ "زیاں" میں توجیع بیان کرتے ہوئے ہیں۔

گھر میں نوکر آج تک رکھا نہ کوئی اس لیے

خواہ مخواہ منّے کا ابّا بدگماں ہو جائے گا

نوکرانی وہ کوئی لائے، تو میں رکھتی نہیں

دوستی ناداں کی ہے، جی کا زیاں ہو جائے گا[100]

بیوی کے حکم کے غلام شوہر جو بیوی کے ایک اشارے پر اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ہچکچاتے نہیں ہیں ۔بلکہ ہر لمحہ بیوی کی خدمت خاطر میں لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ کہیں بیوی ناراض نہ ہو جائے۔ کبھی بیوی کے آگے پیچھے گھوم رہے ہیں، کبھی اس کا نوکر بنے ہوئے ہیں، کبھی بچوں کو اٹھا رہے ہیں۔ اس کی آیا بنے ہوئے ہیں۔ ہر لمحہ ہشاش بشاش اور تیار رہتے ہیں۔سید معراج جامی اپنی نظم میں ایسے ہی شوہروں کا تذکرہ کر رہے ہیں۔ جن سے شیطان بھی پناہ مانگے۔اسی انداز میں کہتے ہیں۔

شیطان بھی بھاگے

شوہر کی ہستی ہے کیا

بیوی کے آگے

یہ رتبہ پایا

بیوی کا نوکر ہوں میں

بچوں کی آیا[101]

ایسے شوہر ہر لمحہ بیوی کے ساتھ ساتھ ہوتے ہیں۔ اس کا ہر کام کرتے ہیں ڈاکٹر انعام الحق جاوید اپنے "رفیق کار" قطعہ میں مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ جس طرح چائے کے شوقین اپنے ساتھ چینک رکھتے ہیں۔ جن کی

نظر کمزور ہو وہ عینک ساتھ رکھتے ہیں۔ اسی حوالے سے ایسے شوہروں کا تذکرہ مزاحیہ انداز میں کرتے ہیں ۔جن کی بیویاں ڈرائیونگ خود کرتی ہیں لیکن شوہر کو حفظِ ماتقدّم کے طور پر اپنے ساتھ رکھتی ہیں تاکہ گاڑی خراب ہونے کی صورت میں کہیں مکینک کی ضرورت نہ پڑ جائے یعنی شوہر کا مصرف یہی ہے۔

جو ہوں شوقین چائے کی وہ چینک ساتھ رکھتی ہے
نظر کمزور ہو جن کی وہ عینک ساتھ رکھتی ہیں
ڈرائیونگ کرنے والی بیویاں شوہر کی صورت میں
ہمیشہ کار میں اپنا مکینک ساتھ رکھتی ہیں[102]

وفاشعار شوہر ہر فن مولا ہوتے ہیں بیوی کے لیے ہر کام کر رہے ہوتے ہیں کہیں بیوی کا سر دباتے نظر آتے ہیں۔ کہیں بیوی کے لیے چائے بنا رہے ہوتے ہیں ایسے ہی کچھ سرفراز شاہد اپنی غزل میں کہہ رہے ہیں۔

آئے میاں کے دوست تو بیوی نے کہہ دیا
مشغول وہ کچن میں ہیں چائے بنانے میں[103]

مرزا عاصی اختر بھی کچھ ایسا ہی نقشہ بیان کر رہے ہیں۔

پاؤں ہم دابتے ہیں بیوی کے
ایسے ہوتے ہیں خوش خصال میاں[104]

مرد جنہیں باہر کے کام کرنے چاہیے تھے۔ بیگم کے آجانے کے بعد باہر کے ساتھ ساتھ گھر کے مختلف امور بھی سرانجام دیتے ہیں۔ بلبل کاشمیری بھی ایسے ہی شوہر کے حوالے سے طنزیہ انداز میں کہتے ہیں کہ بیوی کے ہر حکم کی ایسے تعمیل کرتا ہوں جیسے علامہ اقبال کا مصرع " مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند " اس تضمین کو استعمال کر کے ایسے شوہروں پر طنز کیا ہے۔

اب کھانے پکانے سے ہی فرصت نہیں ملتی
بیگم کی سیاست سے کچن میں ہوں نظر بند
بیوی کے ہر اک ظلم کی تعمیل ہو کیسے

"مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند"[105]

وہ شوہر حضرات جو بیگم کے ڈر کے مارے آہستہ آہستہ باہر کے ساتھ ساتھ گھر کے کام کاج میں بھی ماہر ہو جاتے ہیں۔ اسی بات پر عزیز علوی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے مزاحیہ انداز میں اپنے دوستوں کو مبارک باد دے رہے ہیں کہ مجھے چولہا جلانا آگیا ہے۔ اِن سب سے بڑھ کر میری کامیابی اس بات میں ہے کہ مجھے کھانا پکانا آگیا ہے۔

مبارک دو مجھے میرے رفیقو!

مجھے چولہا جلانا آگیا ہے

اور اس سے بڑھ کے ہے یہ کامیابی

مجھے کھانا پکانا آگیا ہے[106]

iv۔ بے بس شوہر:

ایسے شوہر جن کی بیگم کے آگے ایک نہیں چلتی جو بیگم کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔ ایسے پرندے کی مانند جس کے پر کاٹ دیئے جائیں۔ تو وہ اڑنے کے لیے بے قرار ہوتا ہے لیکن بالکل بے بس ہو جاتا ہے۔ وہ اسی پنجرے میں بے بسی کی حالت میں اپنی زندگی گزار دیتا ہے۔ حسرت بھری نگاہوں سے دوسرے پرندوں کو گھورتا رہتا ہے۔ ایسے ہی شوہروں کی قسم ہے جو بیوی کے سامنے بے بسی کی تصویر بنے ہوئے ہوتے ہیں لیکن حرف شکایت لبوں پر نہیں لاتے۔ ایسے ہی دلدوز انداز میں ڈاکٹر انعام الحق جاوید شوہر کی حالتِ زار طنزیہ انداز میں بیان کر رہے ہیں۔ جو نوکر کی شکایت سن کر بے بس ہو گیا ہے۔

ملازم نے صاحب سے رو کر کہا

کہ میڈم نے مارا ہے سوتے ہوئے

ہنس کے صاحب نے تو کیا ہوا

کبھی مجھ کو دیکھا ہے روتے ہوئے[107]

بیگم سے درپردہ وہ پٹتے رہتے ہیں لیکن کبھی آنکھوں سے آنسو رواں نہیں ہوئے بلکہ اندر ہی اندر خون کے آنسو پیتے ہیں۔ لیکن اظہار نہیں کرتے۔

ایسے شوہر جو کسی تقریب میں بیگم کے ساتھ تو ہوتے ہیں۔ لیکن بیگم شوہر کو جس انداز سے مخاطب کرتی ہے شوہر کو اسی بات کا دھڑکا لگا رہتا ہے کہ سرعام ان کی عزت افزائی نہ ہو جائے۔ اسی ڈر اور خوف کے مارے بیگم کی ہاں میں ہاں ملاتے چلے جاتے ہیں۔ ایسے شوہروں کی بے بسی قابل تحسین ہے۔ سلیم اختر اپنی نظم "شوہر کی بے بسی" میں کہتے ہیں۔

محفل میں بھی شوہر کو یہ کہتی ہے ارے وہ

اس طرح کی بیوی ہو تو پھر کیوں نہ ڈرے وہ

محتاط ہی رہتا ہے بے چارہ کہ کہیں پر

ایسا نہ ہو اک دن کہ کرے یہ، تو بھرے وہ[108]

بیگم کو ہر وقت ڈانٹ ڈپٹ کی عادت ہوتی ہے۔ جس کو اس کا بیچارہ شوہر سنتا رہتا ہے۔ وہ ایسے ہی اپنے نوکر پر غصّہ ہوتی رہتی ہے۔ نوکر بیچارا صاحب سے یہ گلہ شکوہ کرتے نظر آتا ہے کہ بیگم صاحبہ مجھے آپ کا تصور کرکے ڈانٹتی رہتی ہیں اور میں سر تسلیم خم کئے چپ چاپ سنتا ہوں۔ آپ کا خیال میرے ذہن میں آجاتا ہے کہ آپ کی بیگم صاحبہ کیا درگت بناتی ہو گی۔ سرفراز شاہد بھی "نوکر کا شکوہ" میں طنزیہ انداز میں کہتے ہیں۔

گلہ کرتا تھا ایک صاحب سے نوکر

مصیبت میں ہوں پر چپ چاپ ہوں میں

جھڑک دیتی ہے میڈم مجھ کو ایسے

کہ جیسے میں نہیں ہوں، آپ ہوں میں[109]

اکبر علی خان تو زبان زدِ عام غزل "جب سے تو نے مجھے دیوانہ بنا رکھا ہے" کی پیروڈی بیگم کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں۔

جب سے بیگم نے مجھے مرغا بنا رکھا ہے

میں نے نظروں کی طرح سر بھی جھکا رکھا ہے[110]

مرزا عاصی اختر بھی طنزیہ انداز میں اس شوہر کی دکھتی ہوئی رگ کو چھیڑ رہے ہیں۔ جس کا نوکر بیگم کی ڈانٹ کی شکایت کر رہا ہے اور وہ صاحب نوکر سے کہہ رہا ہے کہ کبھی تم نے مجھے روتے ہوئے دیکھا ہے۔ میں بھی خون کے آنسو پیتا ہوں۔ لیکن کبھی رویا نہیں تم کیسے مرد ہو۔ اپنی خفّت مٹانے کے لیے اس کے اندر غیرت کو بیدار کر رہے ہیں۔ قطعہ "روتے ہوئے" میں کہتے ہیں۔

آج پھر مارا ہے صاحب مجھ کو بیگم ساب نے
یہ ملازم نے کہا اشکوں سے منہ دھوتے ہوئے
یوں کہا صاحب نے، کیسا مرد ہے بس رو دیا
اس طرح مجھ کو بھی دیکھا ہے کبھی روتے ہوئے[111]

v۔ بے زباں شوہر:

ایسا بے زباں شوہر جو منہ میں زبان رکھتے ہوئے اس کی آگے منہ نہیں کھولتا۔ اس کا مقصد ہی قربانی کے بکرے کی طرح بے چوں چرا قربان گاہ میں قربان ہونا ہوتا ہے۔ لیکن اپنی زبان نہیں کھولتا۔ اسی طرح سر فراز شاہد اپنے قطعہ میں شوہر اور قربانی کے بکرے میں بے زبان ہونے کی بنا پر تشبیہ دیتے ہوئے طنز کرتے ہیں۔

شادی کے بعد ہم کو عید البقر پہ شاہد
سمجھا کیا یہ نکتہ اک نوجوان بکرا
اس دن یقین آیا دونوں ہی ایک سے ہیں
ہو بے زبان شوہر یا بے زبان بکرا[112]

اگر ایسے بے زبان شوہروں کی بیویاں تعریف کرتے نہیں رُکتیں۔ جو ان کا ہر کام کرتا ہے اور زبان سے کچھ نہیں کہتا۔ ایسے رہتا ہے جیسے بتیس دانتوں کے درمیان میں زبان رہتی ہے۔ افضل پارس "ٹیسٹ ٹیوب خاوند

"قطعہ میں ایسے شوہروں کی تعریف میں رطب اللسان ہوتے ہیں۔ گھر کے کام کاج کے حوالے سے بیگم کہتی ہے کہ۔

سوپ صابن صرف بھی نکلے رہے

اس سے اعلیٰ جہاں میں نہ آیا کوئی

برتنوں کی دھلائی کی خاطر یہاں

میں نے شوہر سے بہتر نہ پایا کوئی[113]

ایسی بیویاں جو محفل کی جان ہوتی ہیں۔ جو گھر میں ٹکنے کا نام نہیں لیتیں۔ جنھوں نے محض دنیاداری کے لیے شوہر رکھا ہوتا ہے۔ یہ ہمارے معاشرے کا المیہ بن چکا ہے کہ ایسی خواتین گھر کی بجائے باہر کی چکاچوند دنیا میں رہنا پسند کرتی ہیں اور خاوند کو کسی طوق سے کم نہیں سمجھتیں۔ جو ان کے گلے میں زبردستی ڈالا گیا ہے۔ ایسے بے زبان شوہر کے حوالے سے رخسانہ نازی طنز کرتے ہوئے کہتی ہیں۔

وہ لڑکی جو روز ملے تقریبوں میں

اس نے گھر میں شوہر پالا ہوتا ہے

شوہر ایسا پھندا ہے جو بیوی نے

ساری عمر گلے میں ڈالا ہوتا ہے[114]

میاں بیوی جنہیں گاڑی کے دو پہیے کہا جاتا ہے اگر اس میں سے ایک پہیہ بھی خراب ہو تو گاڑی نہیں چلتی۔ ہمارا معاشرہ مردوں کا معاشرہ ہے۔ جس میں ازل سے مرد کی فوقیت تسلیم کی جاتی ہے۔ اس لیے چاہے آپ زمانہ جاہلیت کی مثال لے لیں یہاں عورت کو اچھوت سمجھا جاتا تھا۔ اس کو پاؤں کی جوتی سمجھا جاتا تھا۔ بیوی کو جو مقام اور درجہ ہمارے مذہب اسلام نے دیا ہے اس سے پہلے اس کا تصور بھی نہیں تھا بلکہ بعض مذاہب میں تو بیوی کو شوہر کے ساتھ ہی دفنا دیا جاتا تھا لیکن ہمارے مذہب نے میاں بیوی کے جو حقوق و فرائض متعین کیے۔ جس میں مرد کو عورت کا کفیل بنایا گیا ہے۔ مذہب اسلام نے میاں اور بیوی کو ایک دوسرے کا لباس کہا ہے۔

ان سب باتوں کے باوجود آج بھی ہمارے معاشرے میں مردوں کے قائم کردہ اصول وضوابط کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ بیوی کے ساتھ مرد آج بھی دورِ جاہلیت والا سلوک روا رکھتا ہے۔ اسے وہ مقام اور مرتبہ نہیں دیا گیا جس کی وہ مستحق ہے۔ چاہے جائیداد میں حصہ کا مسئلہ ہو، چاہے گھریلو امور میں فیصلہ کا، چاہے بچوں کی شادیاں ہوں یا ان کے تعلیمی مسائل ہر معاملے میں فوقیت اور اہمیت مرد کی رائے کو ہی دی جاتی ہے۔ ایک بیوی جو اپنے خاوند کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیتی ہے۔ اس کا وہ مقام اور مرتبہ نہیں دیا جاتا۔ جس کی وہ حقدار ہوتی ہے۔ ان تمام باتوں کے برعکس ہمارے شعراء حضرات کے ہاں مظلوم اور بیچاری بیوی کے بجائے لڑاکا اور ظالم بیوی کی عکاسی زیادہ کی جاتی ہے۔ اپنے خاوند کے قدم سے قدم ملا کر چلنے والی بیوی ہمیں شاعری میں کم نظر آئے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شعراء حضرات کا زیادہ تر طبقہ مردوں پر مشتمل ہے اور مردوں کو ہمیشہ ہی احساس برتری کا زعم رہا ہے یہی وجہ ہے۔ جس طرح معاشرے میں عورت کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے۔ اس کی عکاسی کرنے کے لیے بجائے ایسی عورتوں کی عکاسی ہماری طنز و مزاحیہ شاعری میں کی جا رہی ہے۔ جو ہماری سوسائٹی کا 10٪ ہیں۔

بیگم کے ہر وقت شور شرابے کی عادت کی وجہ اس کا خاوند بھی اُس سے زچ آچکا ہے۔ یہاں تک کے معمولی سا بھی کھڑکا ہوتا ہے تو وہ یہی سمجھتا ہے کہ بیگم نے بلایا ہے۔ اسی حوالے سے خالد مسعود خان مزاحیہ انداز میں پنجابی الفاظ کا استعمال کر کے اپنے قطعہ میں کہتے ہیں۔

شور شرابا کھڑکا وڑکا سن کر اُس نے گیس لگایا
یا بادل گرجا ہے اوپر یا بیگم کا کڑکا ہو گا[115]

"بادل گرجنا" ذو معنی استعمال کر کے مزاحیہ انداز میں اس کی توجیح بیان کی ہے۔

ہمارے شعراء نے بھی ایسی ہی ظالم، جابر اور لڑاکا بیوی کے منفی روپ دکھائے ہیں یعنی بیوی کا منفی روپ شعراء نے اجاگر کیا ہے۔ اب ہم بیوی کی مختلف قسمیں دیکھتے ہیں۔

iv۔ لڑاکا بیوی:

ایسی بیوی جو ہر لمحے اپنے خاوند سے لڑتی جھگڑتی رہتی ہے۔ جس کا مقصد اس کو تکلیف پہنچانا ہوتا ہے۔ اس سے لڑنا ہوتا ہے خاوند بیچارا اگر دفتر سے کام کاج کر کے آیا ہے تو بجائے اس کے ساتھ پیار اور محبت سے پیش آنے کے اس کے ساتھ لڑائی جھگڑا کرتی ہے۔ اسی حوالے سے مزاحیہ انداز میں سرفراز شاہد کہتے ہیں۔

دفتر میں اڑے باس تو گھر میں لڑے بیوی

جی کرتا ہے، آجاؤں کسی کار کے نیچے[116]

ایسا شوہر جو دفتر میں باس کی ڈانٹ ڈپٹ سے تنگ آ چکا ہوتا ہے۔ بیوی بھی گھر میں یہی کرتی ہے تو یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اس سے بہتر ہے کہ کسی کار کے نیچے آ کر اپنی جان دے دوں۔

انسان کی فطرت نہیں بدلتی جو لڑکی زمانہ طالب علمی میں بھی بات بات پر تھپڑ مار دیا کرتی تھی۔ اب بھی اس کی یہی فطرت ہے۔ بدقسمتی سے افضل پارس مزاحیہ انداز میں اس شوہر کا نقشہ پیش کر رہے ہیں۔ جس کی شادی اس کی کلاس فیلو سے ہو گئی ہے۔ جو بیگم بن جانے کے بعد اب بھی اسی طرح کی لڑاکا ہے "مس-مار" قطعہ میں شاعر کہتے ہیں۔

یاد تم کو اک لڑکی جو ساتھ ہمارے پڑھتی تھی

رکھ دیتی تھی ہر اک بات پر مجھ کو مار کے تھپڑ جو

ہاں وہ مجھ کو یاد ہے لڑکی آج کہاں پہ ہوتی ہے

عادت اس کی وہی ہے پیارے آج ہے میری بیوی وہ[117]

مرزا عاصی اختر اس بیگم کے گھر کی تصویر مزاحیہ انداز میں بیان کر رہے ہیں۔ جو پہلے ہی زبان کی تیز تھی لیکن جب سے اس نے پولیس میں ملازمت اختیار کر لی ہے۔ گھر کی فضا عجیب و غریب منظر پیش کر رہی ہے۔ معلوم ہوا یہ اس کی پرانی عادت تھی۔ اب گھر کی حالت بھی کسی اکھاڑے سے کم نہیں ہوتی۔

گوہر فشاں تو رہتی تھی پہلے ہی اہلیہ

کچھ پیدا اور خوئے سوالات ہو گی

جب سے پولیس میں بھرتی ہوئی ہے وہ نیک بخت

گھر کی فضا فضائے حوالات ہوگئی[118]

سر فراز شاہد "خریت پسند خاتون" میں اسی بیگم کی رام کہانی انگریزی الفاظ کے قافیہ کے ساتھ مزاحیہ انداز میں بیان کر رہے ہیں۔ جو ان کے نزدیک تھری ان ون خاتون ہے۔ جس کی کے ایک ہاتھ میں "گن" ہے یعنی ہر لمحہ لڑنے کو تیار ہے دوسرے ہاتھ میں "سن" بیٹا ہے لیکن وہ خود بڑی نازک بدن ہے۔

ہاتھ میں "گن" ہے گود میں "سن" ہے
نازک "تن" ہے کیسی "زن" ہے[119]

شعراء حضرات نے کو تو بیگم کو درد سری سے ہی تشبیہ دے دی ہے بیگم وہ ہستی ہے۔ اسے کوئی غم نہیں ہوتا یعنی "بے غم" اس لیے ہمیں باہر دوسرے سے لڑنے کی ضرورت نہیں پڑتی کیونکہ لڑنے کے لیے گھر میں بیگم جو موجود ہے۔ ڈاکٹر انعام الحق "سر تاج محل" میں ایسے ہی شگفتہ انداز میں کہہ رہے ہیں۔

غم غلط کرنے کو اک بے غم جو ہے رکھی ہوئی
درد سر کی شکل میں پیہم جو ہے رکھی ہوئی
میں کوئی پاگل ہوں جا کر دوسروں سے لڑ پڑوں
گھر میں لڑنے کے لیے بیگم جو ہے رکھی ہوئی[120]

افضل پارس اپنے قطعہ "گمسان کی جنگ" کی جگہ "رَن" کا لفظ استعمال کر کے مزاحیہ انداز میں اس گھر کا نقشہ کھینچ رہے ہیں۔ یہاں ایسی "رَن" تباہی اور بربادی کا باعث بنتی ہے۔

ہر اک کو ہی رکھو نہ تم ایک ہی رستے
کچھ نہ کچھ تو نر، مادے کا فرق ہی ہوتا ہے
بیوی بن کر آجائے گا جب ایک لڑاکا عورت
اس گھر کا تو سمجھو بیڑا غرق ہی ہوتا ہے[121]

vii۔ پھوہڑ بیوی:

اسی بیویاں جو گھریلو کام میں ماہر نہیں ہوتیں۔ گھر کے کام کرنے میں سستی کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ گھر کے کام کاج کے بجائے انھیں دیگر کام کرنے میں زیادہ دلچسپی ہوتی ہے۔ کھانا بھی بناتی ہیں تو ایسے جیسے ان کی ماں نے انھیں سلیقہ نہیں سکھایا ہوتا۔ مرزا عاصی اختر اپنے "دن رات" قطعہ میں ایسی ہی پھوہڑ بیوی کا نقشہ بیان کر رہے ہیں ۔جس سے خاوند اس سے دال میں کنکر ڈالنے کے حوالے سے پوچھتا ہے تو آگے سے کیا جواب ملتا ہے۔

کتنے کنکر ہیں دال میں بیگم
ایک لقمہ بھی کھا نہیں سکتے
بولیں، دن رات پان کھاتے ہو
چار کنکر چبا نہیں سکتے[122]

کھانے میں اتنے کنکر ہیں کہ کھانا نہیں کھایا جاسکتا بیوی اس کو ترکی بہ ترکی جواب دیتی ہے کہ جس طرح رات دن تم پان چباتے ہو، چار کنکر نہیں کھائے جاسکتے تم سے۔

ایسی بیویاں جو گھر کے کام نہیں کرتیں لیکن فرمائشیں لسٹ ہر وقت ان کی تیار ہوتی ہے۔ خاوند بیچارہ ان کی فرمائشیں پوری کرتے کرتے دوسروں کا قرض خواں ہو جاتا ہے۔ بیوی کی خواہش پوری نہ ہونے پر خاوند کو اس کے خطرناک عزائم کا بھی ڈر ہوتا ہے۔ اس حوالے سے لیاقت علی لیاقت نے اپنے قطعہ کا نام لفظ "وار" رکھا ہے جس میں وہ ذو معنی انداز میں لفظ "وار" کو استعمال کر کے مزاح پیدا کر رہے ہیں۔ جو انگریزی لفظ "WAR" اور اردو کا "وار" دونوں حوالوں سے مضحکہ خیز ہے۔

کس کو سنائیں حال دل بے قرار کا
ڈر ہے دکاندار کے پچھلے ادھار کا
اور بیوی کی ڈیمانڈ بھی پوری نہ گر ہوئی
سمجھو کہ پھر یہ خطرہ ہے بیگم کے "وار" کا[123]

ایسی بیویاں جو شوہر کی کمائی کو بے دریغ استعمال کرتی ہیں۔ شوہر بچارا تنکا تنکا جوڑتا ہے اور دن رات محنت کرتا ہے جب کہ اس کی بیوی اس کے رزقِ حلال کو اپنی عیش پرستی میں ضائع کر دیتی ہے۔ ان پیسوں کی قدر نہیں کرتی۔

روحی کنجاہی "بیوی کے حضور" قطعہ میں طنزیہ انداز میں اس کی شاہ خرچیوں پر طنز کر رہے ہیں۔

عشق کا ناس کروں گی مجھے معلوم نہ تھا
میرے پلے ہی پڑو گی مجھے معلوم نہ تھا
اک مہینے میں کماتا ہوں جو تنخواہ اسے
خرچ ہفتے میں کرو گی مجھے معلوم نہ تھا[124]

بیوی جو ہر وقت شوہر کے مال و زر کو اڑاتی رہتی ہے۔ باپ کی کمائی اپنے لیے حلال نہیں سمجھتی۔ امیر ماں باپ کے گھر سے خالی ہاتھ آتی ہے لیکن شوہر کی کمائی پر راج کرتی ہے۔ شوہر بیچارا جو دن رات محنت کر کے کما کر لاتا ہے۔ اس کی قسمت میں دال کھانا ہوتا ہے۔ اس کی بیوی خود گوشت کھاتی ہے۔

افضل پارس (مو۔ صُوفہ) قطعہ میں طنزیہ انداز میں ایسی ہی بیوی کا تذکرہ کر رہے ہیں۔

اس کے باپ کا ہوتا ہے، نہ مال ہماری قسمت
بیوی کی تو ہوتی ہے، ہر چال ہماری قسمت
کھا جاتی ہے چوری چوری، سارا میٹ اکیلی
رہ جاتی ہے دھکّے سے، یہ دال ہماری قسمت[125]

انور مسعود "لاثانی زنانی" میں ایسی زوجہ کی تعریف و توصیف طنزیہ انداز میں کر رہے ہیں۔ جس کا کوئی ثانی نہیں ہوتا ہے۔ ہر فن مولا ہے گھریلو امور میں چائے بنانے میں ان کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا بلکہ منہ بنانے میں کوئی ان کا ثانی نہیں "منہ بنانا" انور مسعود نے محاورے کا استعمال کر کے طنز کیا ہے۔

اپنی زوجہ کے تعارف میں کہا اک شخص نے
دل سے ان کا معترف ہوں میں زبانی ہی نہیں

چائے بھی اچھی بناتی ہے میری بیگم مگر

منہ بنانے میں تو ان کا کوئی ثانی ہی نہیں[126]

چائے بھی اچھی بناتی ہے کو طنزیہ انداز میں کہا ہے کہ گھریلو امور میں جس طرح پھوہڑ ہے۔ اسی طرح لڑائی جھگڑے میں بھی اس کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔

viii۔ ظالم بیوی:

ایسی بیوی جو اپنے میاں پر ہر ظلم و ستم روا رکھتی ہے۔ اس کو ہر طریقے سے تنگ کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ حیلے بہانے سے اس کو زِچ کرتی ہے۔ خاوند کو تکلیف دینے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی۔ باتوں کے ساتھ ساتھ ہاتھوں کا استعمال بھی کرنے سے دریغ نہیں کرتی۔ ایسا ہی نقشہ افضل پارس اپنے قطعہ "اسپائڈر وومن" میں مزاحیہ انداز میں دکھا رہے ہیں۔

پندرہ سولہ نان جو ابھی ایٹ کے بیٹھی ہے

پھر بھی منہ کو زوازوری میٹ کے بیٹھی ہے

آج تو اس کے خوش رہنے کا راز ایہی ہے پیارے

تازہ تازہ اپنا شوہر پیٹ کے بیٹھی ہے[127]

جس میں بیگم ساتھ ساتھ کھاتی جاتی ہے۔ ساتھ ساتھ شوہر کو پیٹتی جاتی ہے۔ اس کی خوشی کا راز بھی یہی ہے کہ اس نے شوہر کو پیٹا ہے۔ بیویاں شوہروں کو کہاں کہاں کاری وار لگاتی ہیں۔ پہلے تو ان کی خوبصورتی پر ان کے شوہر فدا ہو جاتے ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہی بیگم جب رنگ و روپ دکھاتی ہے۔ شوہر حضرات کو اپنے لگائے گئے زخموں سے چُور چُور کرتی ہے اسی کو "ضرب و تقسیم" کے قطعہ میں امیر الاسلام ہاشمی کچھ یوں طنزیہ انداز میں کہتے ہیں۔

کبھی بیوی تھیں میری واقعی مہرالنساء بیگم

مگر اب جل کے کہتا ہوں انھیں قمرالنساء بیگم

جگر کے آٹھ ٹکڑوں میں مجھے تقسیم کر کے بھی

مزید آمادہ تقسیم ہیں ضرب النساء بیگم[128]

شادی سے پہلے بیگم کے حوالے سے بہت سے سپنے دیکھے جاتے ہیں کہ میری بیوی آئے گی تو گھر میں طرح طرح کے کھانے پکائے گی۔ ہر طرح کا سکون ہو گا گھر میں پیار اور محبت کی باتیں ہوں گیں۔ سیر و تفریح کے لیے جائیں گے لیکن بہت جلد یہ باتیں خواب و خیال معلوم ہوتی ہیں۔ کچھ دن گھر میں سکون سے گزرتے ہیں ۔بیوی کے آجانے کے بعد لیکن پھر اس گھر کا جو نقشہ ہوتا ہے۔ شوہر جو کچھ بھی گھر میں لے کر آتا ہے۔ بیوی ناگواری کا اظہار کرتی ہے کبھی کہتی ہے کہ مجھے یہ چاہیے، کبھی یہ۔ ہر وقت ایک نیا فرمان جاری کرتی رہتی ہے ایسے میں شوہر کی جو دُرگت بنتی ہے۔ اس کو طنز و مزاح کے پیرائے میں مسٹر دہلوی نے "بیویاں" نظم میں بیان کیا ہے جو بدلتے ہوئے اقدار کی عکاسی کرتی ہے۔

سسرال میں جو میکے آتی ہیں بیویاں
سو سو طرح سے دھوم مچاتی ہیں بیویاں
جینے کا جو مزا ہے چکھاتی ہیں بیویاں
کچھ دن تو خوب عیش کراتی ہیں بیویاں
پھر اس کے بعد خون رلاتی ہیں بیویاں
چھوڑے کسی نے بال ہیں بیوی کے واسطے
کچھ جمع کرتے ہیں مال بیوی کے واسطے
کچھ دن رات نڈھال ہیں بیوی کے واسطے
پالے یہ وبال ہیں بیوی کے واسطے
اتنے جتن سے گھر میں جو آتی ہیں بیویاں
چودہ طبق میاں کو دکھاتی ہیں بیویاں
کچھ لوگ تو نہال ہیں بیگم کے ہاتھ سے
پاتے ہر اک وبال ہیں بیگم کے ہاتھ سے

کچھ مست جذب و حال ہیں بیگم کے ہاتھ سے
آخر میں سب حلال ہیں بیگم کے ہاتھ سے
بچوں کے "چوکے" پہلے اڑاتی ہیں بیویاں
پھر شوہروں کے چھکے چھڑاتی ہیں بیویاں
کہتی ہے بیوی اس کو مجازی ہے تو خدا
آقا ہے تو سوامی ہے سر تاج ہے میرا
پھر رفتہ رفتہ اس کا گھٹاتی ہیں مرتبہ
کرتی ہیں انتہا میں خصم کا لقب عطا
مردوں کو "بودم" ایسا بناتی ہیں بیویاں
سر پہ چڑھا کے قدموں میں لاتی ہیں بیویاں
یہ لایئے دلایئے اور وہ منگایئے
اس وقت آپ جایئے اس وقت آیئے
یہ شے جو کھائی آپ نے یہ شے نہ کھایئے
ملیے نہ ان سے آپ نہ ان کو بلایئے
مردوں پہ حکم ایسے چلاتی ہیں بیویاں
افسر کو بھی غلام بناتی ہیں بیویاں
کہتے ہیں مسٹر آپ کی یہ بات ہے کھری
رکھا قدم جو گھر میں طبیعت ہوئی مری[129]

شادی سے پہلے شوہر حضرات خیالی پلاؤ پکاتے ہیں کہ جب بیگم آئے گی۔ تو اپنے ساتھ سونا، چاندی، مال و دولت لے کر آئے گی۔ جس کی وجہ سے زندگی بڑے آرام و سکون سے گزرے گی۔ چین کی بانسری بجائیں گے لیکن

افضل پارس ایسے شوہر کی کیفیت طنزیہ انداز میں بیان کر رہے ہیں۔ جس کے آنے کے بعد گھر کی فضاء اتنی بدل جاتی ہے یہاں تک کہ سکھ کا سانس بھی نصیب نہیں ہوتا۔ افضل پارس اسے " پھولن دیوی" سے تشبیہ دے رہے ہیں۔

مال و دولت سونا، چاندی ساتھ وہ لائے گی
کیسے کیسے جانے پھر وہ حشر اٹھائے گی
میرے ہاتھ سے گر جائے گی سکھ کی گیڈر سینگی
جب بیوی کی شکل میں پھولن دیوی آئے گی[130]

وہ شوہر جو بیگم کے سارے ظلم ہنسی خوشی سہہ لیتے ہیں۔ اس کے آگے اف تک نہیں کرتے۔ جن کی بیویاں ان کو زچ کرتی رہتی ہیں۔ شوہر ان کے ساتھ ہر لمحہ سائے کی طرح لگے رہتے ہیں۔ ان کے آگے پیچھے گھومتے رہتے ہیں۔ اسی حوالے سے محمد کمال اظہر نے مشہور مصرعہ "لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے"۔ اس کی تضمین کر کے طنز کیا ہے قطعہ کبھی کبھی ملاحظہ ہو۔

جتنے ہوں اس کے ظلم و ستم سب شمار کر
اب ہو سکے تو اس کی تمنا بھی چھوڑ دے
بیوی کے ساتھ سائے کی صورت اٹیچ رہ
"لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے"[131]

ایسی بیگم جو گھر کو ہر وقت اکھاڑے کا میدان بنائے رکھتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی بات پر توڑ پھوڑ کرتی رہتی ہے۔ اس کے سامنے شوہر بیچارہ بے بس ہو جاتا ہے۔ افضل پارس اپنے قطعہ "بس یا بے بس" میں طنزیہ انداز میں بیگم کے ظلم و ستم کا نشانہ بننے والا کا تذکرہ کر رہے ہیں۔ اس پہلوان کی بیٹی نے میرے گھر کو اکھاڑا بنا رکھا ہے۔ ایک دن اس نے میرا "جباڑا" ہی توڑ ڈالا۔ اس کے سامنے میں بے بس ہو گیا ہوں۔

اس نے میرے گھر کو سمجھا جب اکھاڑہ ایک دن
میرے گھر کا کر ہی ڈالا پھر کباڑہ ایک دن

پہلوان کی وہ ہے بیٹی پھر ہوا معلوم یہ

اس نے میرا توڑ ڈالا جب "جباڑا" ایک دن[132]

بیویاں کچن میں موجود چیزوں کو بطور ہتھیار بھی استعمال کرتی ہیں۔ شوہر کے ساتھ ناچاقی کی صورت میں ان ہتھیاروں کا برملا استعمال کرتی ہیں۔ کبھی کچن سے برتن کے ٹوٹنے کی آوازیں آتی ہیں، کبھی بیلن اور چمٹے کی شوہر ان ہتھیاروں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ تاکہ حالات مزید دگرگوں نہ ہو جائیں۔ شوہر ان سے کسی قسم کی نرمی کی توفیق نہیں رکھ سکتا۔ ایسے ہی ظلم کے شکار خاوند کی دادرسی مرزا اختر عاصی مزاحیہ انداز میں کرتے ہیں۔

کبھی بیلنوں سے کہیں پھینکنوں کے

پڑے ہیں بدن پر نشان کیسے کیسے[133]

(ہ)۔بچوں کی تربیت کے مسائل:

میاں بیوی کی ازدواجی زندگی میں بچے بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ بچوں کے دم سے ہی گھر میں رونق ہوتی ہے۔ میاں بیوی کے درمیان پل کا کام بھی سرانجام دیتے ہیں۔ کسی بات پر اگر دونوں میں ناچاقی ہو جاتی ہے۔ تو یہی بچے ماں باپ کے درمیان میں اس جھگڑے کو ختم کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ اردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں شعراء نے بچوں کو مختلف حوالوں سے اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ کبھی اپنے بچوں کو طنز و مزاح کا نشانہ بنایا ہے، کبھی محبوبہ کے بچوں کو، کبھی بچوں کی غلط تربیت کا ذمہ دار اس کی ماں کو، کبھی بچوں کو مار پیٹ اور تشدد کا نشانہ بنایا ہے۔ کبھی آفت کے پرکالہ بچے، کبھی معصوم اور بھولے بھالے بچے۔ پاپولر میرٹھی بیٹے کے فیل ہو جانے پر اسے طنزیہ انداز میں "انجام" قطعہ میں کہتے ہیں کہ فیل ہو کر تو منسٹر بنے گا۔

اس مرتبہ بھی آئے ہیں نمبر تیرے تو کم

رسوائیوں کا مری کیا دفتر بنے گا تو

بیٹے کے سر پہ دے کے چپت باپ نے کہا

پھر فیل ہو گیا ہے منسٹر بنے گا تو[134]

معاشرے کا معیار یہ بن چکا ہے کہ کہ پڑھا لکھا انسان تو منسٹر بنتا نہیں ہے۔ اس لیے شاعر طنزاً کہتا ہے اب بھی فیل ہو گیا تو منسٹر ہی بنے گا۔

سید ضمیر جعفری بچوں کے ساتھ ساتھ ان کے لیے گندم پیدا کرنے کا بھی مشورہ دیتے ہیں کیونکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ زندہ رہنے کے لیے گندم بہت ضروری چیز ہے۔ جتنی مرضی اولاد پیدا کرو لیکن ان کے رزق کا بھی انتظام کرو۔ شاعر طنزاً کہتے ہیں۔

شوق سے لختِ جگر، نورِ نظر پیدا کرو

ظالمو! تھوڑی سی گندم بھی مگر پیدا کرو[135]

باپ اپنے بیٹے کو شادی نہ کرنے کی نصیحت کرتا ہے کیونکہ شاعر کہتا ہے کہ جس دن تم نے شادی کی پچھتاؤ گے کیونکہ شادی گھاٹے کا سودا ہے۔ جوّا ہے۔ ایسا لڈو ہے جو کھائے وہ بھی پچھتائے، جو نہ کھائے وہ بھی پچھتائے۔ اس لیے خالد مسعود خان اردو زبان کے ساتھ ساتھ پنجابی زبان میں بھی اپنے بیٹے کو مزاحیہ انداز میں نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

ایک پیؤ نے اپنے کنوارے پتر کو سمجھایا

جس دن بھی تو بنیا لاڑا مرا جائے گا[136]

ماں باپ اپنے بچوں کے کرتوتوں سے واقف ہوتے ہیں جیسے ہی سکول سے کالج میں داخلہ لیتے ہیں۔ ان کے کل پرزے نکل آتے ہیں۔ لڑکیوں کی ارد گرد منڈلانے لگتے ہیں اسی چیز کی منظر کشی اطہر شاہ خان جیدی اپنے قطعات میں مزاحیہ انداز میں کرتے ہیں۔

داخلہ اس نے کالج میں کیا لے لیا

لڑکیوں میں بڑا معتبر ہو گیا

کھڑکیوں سے نظر اس کی ہٹتی نہیں

میرا بیٹا تو بالغ نظر ہو گیا[137]

شعراء نے اپنے تو اپنے محبوبہ کے بچوں کا بھی اپنی شاعری میں تذکرہ کیا ہے۔ محبوبہ سے شادی تو نہ ہو سکی خواہش حسرت میں تبدیل ہو گئی۔ لیکن یہ وقت آ گیا ہے کہ اس کے بچے مجھے ماموں کہتے ہیں۔

ڈاکٹر اسامہ منیر ماضی کو یاد کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

اس کے بچے نہیں تھکتے مجھے ماموں کہتے

جس کی جانب مرا رجحان تھا اچھا خاصا[138]

گلزار بخاری نے علامہ اقبال کے مصرعے "دیار عشق میں اپنا مقام پیدا کر" کو نوجوانوں کے حوالے سے کچھ اس انداز سے تحریف نگاری کر کے استعمال کیا ہے۔ جس میں باپ اپنے بیٹے کو محبوب کے دَر پر دیکھ کر اسے نصیحت کرتا ہے کہ ایسا نہ کرو بیٹا اقبال کے مصرعے کے حوالے سے مزاحیہ انداز میں جواب دیتا ہے۔

کھڑا کوئے نگاراں میں دیکھ کر اس کو

کہا پدر نے کہ بیٹا نہ مجھ کو رسوا کر

ملا جواب کہ ہے قول شاعر مشرق

"دیار عشق میں اپنا مقام پیدا کر"[139]

علامہ اقبال نے تو یہ مصرعہ نوجوانوں کو نصیحت کرنے کے لیے استعمال کیا تھا لیکن یہاں بیٹا باپ کو یہ کہہ رہا ہے کہ میں محبوب کی گلی میں اس لیے ہوں کیونکہ اقبال نے کہا تھا "دیار عشق میں اپنا مقام پیدا کر"۔ اپنے بچے کے مختلف کرتوتوں کی بدولت والد صاحب معاشرے میں منفرد انداز میں پہچانے جاتے ہیں۔ بیٹا جیسے ہی کالج کی دہلیز پہ قدم رکھتا ہے اس پر مختلف لوگوں کا رنگ و روپ چڑھنے لگتا ہے۔ جس کی وجہ سے بیٹے کے باپ کو اکثر اپنے بیٹے کی رہائی کے سلسلے میں تھانے کے چکر کاٹنے پڑتے ہیں۔ سید ضمیر جعفری بھی اس حوالے سے طنزیہ انداز میں کہتے ہیں۔

خیر کی بات خیر جانے دو

منفرد تو ہوئے زمانے میں

جب سے کالج گیا ہے نورِ نظر

والدِ محترم ہیں تھانے میں[140]

بچوں کی تربیت کا سارا دوش والدہ کو ہی دیا جاتا ہے۔ اگر بچے اچھے نکل آئیں تو باپ کہتا ہے مجھ پر گئے ہیں۔ اگر خراب ہو جائیں تو اس کا سارا الزام بیوی پر لگا دیتے ہیں۔ ڈاکٹر انعام الحق جاوید فیصل عجمی کی غزل کی پیروڈی کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

نہیں ہوئی جو تیری ٹھیک تربیت بچّو

تو اس میں تیرا نہیں تیری ماں کا حصّہ ہے[141]

جب بیٹا بڑا ہو جاتا ہے تو باپ بیٹے کو ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے ڈراتا ہے لیکن باتوں ہی باتوں میں بیٹے کو چند باتوں کی نصیحت کرتا ہے کہ اب تم بڑے ہو گئے ہو۔ تمھاری شادی کی بات چیت چل رہی ہے اس لیے تمھیں اپنی طرف توجہ دینی چاہیئے اس توجہ کی طرف ڈاکٹر انعام الحق جاوید مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں اس سلسلے میں "باپ کی نصیحت" قطعہ ملاحظہ ہو۔

تیری شادی کی باتیں چل رہی ہیں آج کل بیٹا

سو پتر صاف ستھرا ہر گھڑی ہونا ضروری ہے

مرا مطلب! مہینے تک نہانے کی نہ ہو فرصت

تو پھر ہفتے کے ہفتے ہاتھ منہ دھونا ضروری ہے[142]

بیٹے کو اچھے برے کی تمیز سیکھانا ماں باپ کی ذمہ داری ہے۔ اس حوالے سے باپ بیٹے کو نصیحت کر رہا ہے کہ ہمارے معاشرے میں حق و سچ بات کہنے والے کو اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ اس لیے طنزیہ انداز میں ڈاکٹر انعام الحق بیٹے کو نصیحت کر رہے ہیں۔

سچ بولنا اور دن کو کبھی رات نہ کہنا

مطلب ہے کہ منہ پہ کبھی حق بات نہ کہنا

مت بولنا میری طرح آدابِ مروّت

یعنی کسی کم ذات کو کم ذات نہ کہنا[143]

والدین اپنے بچوں کی عمر اکثر سکول میں داخلے کے وقت کم لکھا دیتے ہیں۔ تا کہ آگے جا کر اسے مشکل پیش نہ آئے۔ کیونکہ آج کل معاشرے میں مُک مُکا کے ذریعے سارے کام کیے جاتے ہیں۔ نیاز سواتی نے فیض احمد فیض کے مصرعے "جو غم ملا اسے غمِ جاناں بنا دیا" کی پیروڈی کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

یہ بھی مُک مُکا کمال ہے، جو اسکول میں مرا لال ہے
جو تھا بارہ سالہ میرا پتر، اسے میں نے چھ کا لکھا دیا[144]

سرفراز شاہد نے آج کل کے زمانے میں بچے جس طرح ہر وقت کمپیوٹر کے سامنے بیٹھے رہتے ہیں۔ کمپیوٹر نے موجودہ زمانے کے خیالات کو بالکل بدل کر رکھ دیا ہے۔ شاعر اسی حوالے سے طنز کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ آج کل بچے پڑھائی کی طرف کم اور انٹرنیٹ پر ایک دوسرے سے بات چیت اور عشق و عاشقی کرتے زیادہ دکھائی دیتے ہیں۔ ماں باپ کو ان کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ ورنہ معاملات ان کے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ سرفراز شاہد نے اردو کے ساتھ انگریزی زبان کے الفاظ استعمال کر کے مزاح کی چاشنی پیدا کی ہے۔

اپنے اپنے ٹھاٹھ پہ یارو!، دنیا والے خوش رہتے ہیں
کمپیوٹر کے صدقے جائیں، بچّے انٹرنیٹ پر آئیں
چیٹ کریں اور عشق لڑائیں، ممی ڈیڈی خیر منائیں[145]

بدلتی ہوئی معاشرتی اقدار نے نوجوان نسل کو جس راستے پر چلا دیا ہے اُس سے نوجوان نسل بگڑتی چلی جا رہی ہے۔ والدین ان سے پڑھائی کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ تم پڑھائی کی طرف توجہ کیوں نہیں دے رہے۔ بیٹا والدین کی اس بات کو سن کر ہنس پڑتا ہے اور کہتا ہے کہ میں کتاب تو کھولتا ہوں لیکن اس کی ساری توجہ کتاب کے بجائے فلموں کی طرف ہوتی ہے۔ اسی حوالے سے نیاز سواتی علامہ اقبال کے مصرعے کی پیروڈی کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

میں نے اپنے بیٹے سے جب کہا، کہ تو پڑھتا کیوں نہیں پاگلا
مری بات اس نے جب یہ سنی، تو کہا یہ مجھ سے جواب میں

میں کتاب پڑھتا ہوں جب کبھی، تو صدا یہ آتی ہے اس گھڑی

"ترا دل تو ہے فلم آشنا، تجھے کیا ملے گا کتاب میں"[146]

اقبال کے مصرعے "ترا دل تو ہے صنم آشنا، تجھے کیا ملے گا نماز میں" کی تحریف نگاری بیٹے کی طرف سے یوں کی "ترا دل تو ہے فلم آشنا تجھے کیا ملے گا کتاب میں" صنم کی جگہ "فلم" اور "نماز" کی جگہ "کتاب" کی تحریف کر کے مزاح پیدا کیا ہے۔

ٹی وی نے جس طرح بچوں کے ذہن پر اثر ڈالا ہے۔ وہ ہر وقت ٹی وی پر فلمیں اور گانے دیکھنے رہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے پڑھائی کی طرف ان کی توجہ نہیں ہوتی بلکہ زبان پر گانے ہوتے ہیں۔ آج کل بچے رات کو ماں باپ سے لوریاں نہیں سنتے بلکہ اپنی ماں سے یہ کہتے ہیں فلمی گانا گنگنائیں۔ جس کی پیروڈی سرفراز شاہد نے کی ہے۔

ٹی وی کے اک اک چینل سے گانوں کا دریا بہتا ہے

یہ ظالم بچارا ناظر ہی بس اپنی جاں پہ سہتا ہے

اب رات کو سونے سے پہلے پپّو ممی سے کہتا ہے

"میرے سامنے والی کھڑکی میں اک چاند سا چہرا رہتا ہے"[147]

ماں باپ آج کل بدلتے ہوئے حالات کی وجہ سے بچوں سے ڈرتے ہیں۔ ایک وہ زمانہ تھا جب بچّے والدین سے ڈرتے تھے۔ اب موجود زمانہ یہ ہو گیا ہے کہ والدین بچّوں سے ڈرتے ہیں۔ یہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ ہمیں نا حلف اولاد کی پناہ سے بچائے۔ کہیں ہم ان کی مرمت کر کے مشکل میں نہ پڑ جائیں۔ مجذوب چشتی اسی حوالے سے طنزیہ انداز میں علامہ اقبال کے مصرعے کو "کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہ کامل نہ بن جائے" کو بطور تضمین، اس کی پیروڈی کی ہے۔ "ناخلف اولاد" کے قطعہ میں کہتے ہیں کہ یہ شکستہ بچّہ آگے جا کر کیا گل کھلائے گے۔

خدا محفوظ رکھے ناحلف اولاد سے سب کو

دعا مانگو کہ بیوی بھی کہیں مشکل نہ بن جائے

مرمت میں نے کرنی چھوڑ دی ہے اپنے بیٹے کی

"کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہ کامل نہ بن جائے"[148]

آج کل کی نئی نسل بزرگوں کا احترام کرنے سے قاصر ہے۔ جو ہمارے کلچر ہماری روایات کا خاصا سمجھا جاتا تھا۔ چھوٹے بڑوں کے آگے اونچی آواز میں بات نہیں کرتے تھے۔ ان کی ہر بات کا احترام کرتے تھے۔ لیکن آج کل اس ترقی یافتہ زمانے میں یہ تہذیب کے خلاف نہیں سمجھی جاتی۔ بلکہ بچّے تو اپنے والدین پر بھی آوازیں کستے ہیں مرزا محمود سرحدی نے اسی موضوع کو "نئی پود" میں طنزیہ اور سوالیہ انداز میں پوچھا ہے کہ یہ بچے ہم پر آوازیں کیوں کستے ہیں۔ اُن کا جو جواب تھا وہ ہماری اقدار کے زوال ہونے کی نشاندہی کرتا ہے۔ کیونکہ غیر تو غیر یہ نوجوان اپنے باپ کو بھی گالیاں دیتے ہیں اِسی کو ترقّی کہا جاتا ہے

ہمیں حیرانگی تھی اس لیے ہم پوچھ ہی بیٹھے
یہ لڑکے شیخ جی، کیوں آپ پر آواز کستے ہیں
کہا ہنس کر، کہ بھائی یہ ترقی کا زمانہ ہے
میں کیا شے ہوں، یہ اپنے باپ پر آواز کستے ہیں [149]

اکیسویں صدی میں جو نت نئی تبدیلیاں آئی ہیں۔ اس میں کیبل نے جس طرح تباہی مچائی ہے۔ اس نے بچوں کے دماغ خراب کر کے رکھ دیے ہیں۔ آج کل ہر گھر میں یہ کیبل ہے جس کی وجہ سے بچّہ پیدا ہوتے ہی وقت ہی ٹی وی میں بیہودہ فلمیں اور پروگرام دیکھنا شروع کر دیتا ہے۔ جس سے ان کے ذہن پر دین کے بجائے یہ باتیں ہوتی ہیں کہ ہندوؤں کی رسم "ہولی" کب آئے گی۔ "مضر صحت" قطعہ میں افضل پارس اسی (کیبل) پر طنزیہ انداز میں لعنت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس لعنت نے بچوں کو بگاڑ دیا ہے

یوں تبدیل کیے ہیں بچّے کیبل جیسی لعنت نے
پانچ سال کا بچّہ پوچھے دن آئیں کب ہولی کے
اور ذرا تم ابّا مجھ کو یہ بھی بات بتاؤ نا!!
جس لڑکی نے چولی پہنی، پیچھے کیا ہے چولی کے [150]

آج کل کی اولاد کو ماں باپ سے محبت نہیں رہی، ہمارا معاشرہ ایسا ہو چکا ہے کہ ماں باپ کا ادب احترام ختم ہوتا جا رہا ہے۔ ماں باپ سے اولاد کو اتنی عرض ہے کہ وہ اولاد کی آسائش کے لیے ترکے میں کیا چھوڑ کر جا رہی ہے

یہاں تک کہ اولاد ماں باپ کے اس دنیا سے چلے جانے کے خواہش مند ہوتے ہیں تاکہ ان کے جانے کے بعد وراثت جلد سے جلد ہمیں ملے۔

ظریف لکھنوی اپنے قطعہ "تمنّا" میں بچوں کی اسی آرزو کا ذکر طنزیہ انداز میں کر رہے ہیں کہ آج کل کی اولاد کتنی بے حس ہو چکی ہے۔

کہتی ہے سدا صاحب مقدور کی اولاد

ترکہ ملے ہم کو، ارے جلدی کہیں مر بھی[151]

جو والدین اس چیز کے خواہش مند ہوتے ہیں کہ ان کی اولاد پردیس میں جاکر ان کا نام روشن کرے گی اور دیار غیر میں پیسہ کما کر ان کو بیجھے گی۔ کیونکہ بیرونِ ممالک میں جانے والے پاکستان کی نسبت ترقی یافتہ ممالک میں شمار ہو تے ہیں اس لیے سپر ممالک میں ان کا بیٹا بھی "سپر" ہی ہو گا لیکن جب بیٹے نے اپنے حالات وواقعات کو قلمبند کیا تو ماں باپ کو معلوم ہوا کہ ان کا بیٹا وہاں جاکر گوریوں کی اولادوں کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ اس میں معاشرتی طنز ہے کہ جو نوجوان یہاں پر والدین کا ہاتھ نہیں بٹاتے۔ بیرونِ ملک جاکر اپنی بیویوں یا گوریوں کی اولادوں کی دیکھ بھال کر کے "بے بی سٹر" بن جاتے ہیں اسی حوالے سے سید ضمیر جعفری قطعہ "خوش فہمی" میں طنزیہ انداز میں وا لدین کی غلط فہمی رفع کرتے ہیں۔

امریکہ بھیج کر یہ سمجھتے تھے والدین

جب ملک ہے سپر تو "سپر" ہو گیا بشیر

حالات جو پسر نے لکھے والدین کو

حالات یہ تھے "بے بی سٹر" ہو گیا بشیر[152]

ممتاز مفتی سیّد ضمیر جعفری کے بارے میں یوں لکھتے ہیں۔

ضمیر کے کلام کی سطر سطر بولتی ہے۔ بات ایسی لطافت سے قاری تک پہنچتی ہے کہ چبھتی نہیں۔ گدگداتی ہے فرحت کا احساس چھوڑ جاتی ہے۔

ضمیر جعفری واحد مزاح نگار شاعر ہے جس نے طنز کی واہ واہ کو نظر انداز کر دیا۔ ضمیر طنز کرے بھی تو وہ اتنی لطیف ہوتی ہے کہ چبھتی نہیں۔[153]

آج کل کے بچّے جس طرح ماں باپ کا جینا دشوار کرتے ہیں۔ اس کو لیاقت علی لیاقت نے مزاحیہ انداز میں مشہور مصرعے کی پیروڈی کی شکل میں بیان کیا ہے۔ "بچّے ہمارے عہد کے چالاک ہو گئے اپنے قطعہ "چالاک" میں ان بچوں کے "چارہ گر" یہ بات کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ آج کل کے سائنسی دور میں بچّے والدین سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں ان کے تمام کئے کرائے پر پانی پھیر دیتے ہیں۔

سر کو پکڑ کے بیٹھ گئے چارہ گر سبھی
سارے ہمارے عزم تہِ خاک ہو گئے

"بابوں" نے آج کل کے ببانگ دھل کہا
"بچّے ہمارے عہد کے چالاک ہو گئے"[154]

ڈاکٹر مظہر عباس رضوی نے آج کل کے نوجوانوں کا نقشہ اپنے قطعہ میں کھینچا۔ ہے جو موجودہ حالات و واقعات پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ پڑھائی کی طرف توجّہ ان کی نہیں ہے لیکن حالات حاضرہ پر ان کی خوب نظر ہے۔ معاشرے میں گرانی میں جس قدر اضافہ ہو رہا ہے میرا پسر یہ سمجھتا ہے کہ انڈے کی قیمت میں اضافے کے باعث اُسے سکول میں سے انڈے ٹیسٹ میں لے کر آنے چاہیئں تاکہ مہنگائی کا توڑ کیا جا سکے۔ وہ کامیابی کے میدان میں جو جھنڈے گاڑھنے نکلا تھا۔ ٹیسٹ میں انڈے لے کر آ گیا۔ اس کی توجہ پڑھائی کی جانب ہرگز نہیں ہے اسی حوالے سے وہ بیٹے پر طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

رکھتا ہے گہری نظر، اس کو نہ احمق سمجھو

علم کے دشت میں گاڑے گا وہ جھنڈا لے کر

جب سنا اس نے کہ انڈے ہیں گرانی کا شکار

آگیا میرا پسر ٹیسٹ میں انڈہ لے کر[155]

آج کل بچّوں کا سارا وقت وڈیو گیمز اور ٹی وی کے آگے بیٹھ کر گزر جاتا ہے۔ بچّوں کے پاس ماں باپ کے پاس بیٹھنے کا وقت نہیں ہمارے عہد کے بچّے ٹی وی اور وڈیو گیمز دیکھ دیکھ کر ہونہار ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ ماجد صدیقی نے اپنے قطعہ "ہونہار" میں انہی سپوتوں پر طنز کیا ہے۔

دن کو ٹاپک ہے کھیل وڈیو کا

شب کو ٹی وی کے ساتھ چپکے ہیں

پات ہیں ہو نہار پروا کے

گھر میں جس کے جتنے بچّے ہیں[156]

آج کل کے بچوں کی مصروفیات کا نقشہ کھینچا ہے کہ جس گھر میں جتنے بھی بچّے ہیں ان کا سارا وقت انہی کاموں میں صرف ہوتا ہے۔ پھر گلہ شکوہ کیا جاتا ہے کہ ہمارے بچّے محنت تو بہت کرتے ہیں پاس نہیں ہوتے۔ جس قوم کے بچّے کھیل کود میں وقت صرف کریں۔ اس قوم کے ایسے ہی" ہونہار" پیدا ہوگے ماں باپ اولاد کی پرورش کے لیے اپنا دن رات ایک کر دیتے ہیں تاکہ ان کی اولاد معاشرے میں کوئی مقام حاصل کر سکے۔ خاص طور پر بیٹے کو آنکھوں کا نور کہتے ہیں لیکن یہی آنکھوں کا نور آج کل کے زمانے میں ماں باپ کی آنکھوں سے دور ہوتا ہے۔ جس بچے کے لیے اپنا خون پسینہ ایک کرتے ہیں۔ دن رات محنت کرتے ہیں۔ یہی بچے بڑے ہو کر ان کا سہارا بننے کی بجائے یورپی ممالک میں چلے جاتے ہیں وہاں جا کر عیاشی کرتے ہیں وہاں ہوٹلوں اور کلبوں میں میموں کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف ہوتے ہیں۔ لیاقت علی لیاقت نے اپنے قطعہ "بیٹا" میں طنزیہ انداز میں ان ماں باپ کی اولاد کا تذکرہ کر رہے ہیں۔ جو ماں باپ کی بجائے غیروں کا سہارا بنے ہوئے ہیں۔

"بیٹے کو لوگ کہتے ہیں آنکھوں کا نور ہے"

پر آج کل کے دور میں آنکھوں سے دور ہے

یورپ کے قہوہ خانوں میں جا کر دیکھیے

ہر بیٹے کے بغل میں چمکتی سی حور ہے[157]

آج کل جو بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ انہیں منوں کے حساب سے کتابیں دی جاتی ہیں۔ جس کی وجہ سے بچوں کو ان کا بوجھ اٹھانا بھی مشکل لگتا ہے کیونکہ آج کل کے بچے بڑے ناز سے پروان چڑھتے ہیں۔ ان کے لیے تعلیم کا بوجھ اٹھانا بہت دشوار ہوتا ہے۔ اسی تعلیم کے بوجھ تلے وہ دبتے چلے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کی کمریں تک جھک گئی ہیں۔ اسی حوالے سے اُن کے والدین فکر مند ہیں۔ جو تعلیم حاصل کرنے کے لیے کمربستہ ہو گئے ہیں۔ ڈاکٹر مظہر عباس اس رضوی نے "کمربستہ" کو ذو معنی انداز میں استعمال کیا ہے کہ بچوں کی کمر بوجھ اٹھانے کی وجہ سے کمربستہ ہو گئی ہے۔ اپنے قطعہ "کمربستہ" میں کہتے ہیں۔

کروں کیا منکشف اب آپ پر یہ رازِ سربستہ

کلاس اوّل میں ایک من اٹھاتا تھا پسر بستہ

جھکی اس کی کمر، بھاری تھا اس کا اس قدر بستہ

میرا بچہ ہوا تعلیم پر ایسے کمر بستہ[158]

جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا ہے۔ بیٹا باپ کے کندھوں کے برابر ہوتا جاتا ہے۔ باپ کو یہ فکر لاحق ہو جاتی ہے کہ اس کی حیثیت اب گھر میں کم ہوتی جا رہی ہے۔ کیوں کہ آج کل کی نوجوان نسل اس طرح کی منہ پھٹ ہے کہ والدین ان کو ڈرانے یا دھمکانے کی بجائے ان سے ڈرتے ہیں۔ کہیں یہ ہمیں سب کے سامنے کچھ کہہ نہ دیں۔ والدین کو اپنی اولاد کی خوشی ہوتی ہے کہ یہ جیسے جیسے بڑے ہوں گے ہمارا سہارا بنیں گے۔ وہاں خوف بھی لاحق ہوتا ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ ان کا مقام اور مرتبہ کم ہوتا جا رہا ہے۔ لیاقت علی لیاقت نے ایسے ہی جوان بیٹے کے حوالے سے طنزیہ انداز میں معاشرے کی سلگتی ہوئی حقیقت کو نشانہ بنایا ہے۔

بیٹے کا قد باپ سے جب نکلنے لگا

خوشی کے ساتھ فکر بھی اس کو لاحق ہوئی

اس نے یہ سوچا واردات دنیاداری میں

شاید کے گھر سے حیثیت اب تو میری گئی[159]

زندگی میں بیٹے کی خواہش ہر والدین کو ہوتی ہے لیکن وہی اولاد جب ناخلف نکلے۔ جس کے لیے والدین منت مرادیں مانگتے ہیں۔ جو ماں باپ کا جینا معاشرے میں اپنے کرتوتوں کی وجہ سے دوبھر کر دے۔ وہی والدین بچوں کے اِن بد افعال کی وجہ سے معاشرے میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتے۔ اللہ تعالی سے گریہ وزاری کرتے ہیں کہ ہم نے آپ سے بیٹے کی خواہش کی تھی لیکن یہ تو ہمارا بھی باپ نکلا۔ لیاقت علی لیاقت نے اسی طرح کے باپ کی کی گریہ وفغاں اپنے قطعہ "پتر" میں یوں بیان کی ہے۔ جس میں پنجابی الفاظ سے مزاح پیدا کیا۔

ملکاں اپنے پتر کے کرتوتوں سے "بہوں" ہی تنگ تھا

کہتا پھرتا تھا یہ ہائے میری کم بختی جو نکلا

مولا تیرے کم ہیں نرالے تو ہی کرے اور تو جانے

میں نے تو پتر مانگا تھا پر ایہہ مراہی "پیو" نکلا[160]

فردوس کوثر لیاقت علی لیاقت کے حوالے سے لکھتی ہیں۔

لیاقت علی لیاقت نے اپنی ظریفانہ شاعری میں طنزومزاح کی آمیزش کو بے حد اعتدال میں رکھنے کی کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی مزاحیہ شاعری میں بے اعتدالی اور برائی کی نشاندہی بھی ہو جاتی ہے اور قاری پر یہ نشاندہی گراں بھی نہیں گزرتی۔[161]

آج کل والدین اپنے بچوں کی پرورش بڑے نازوانداز سے کرتے ہیں۔ دوسروں کے بچوں کی طرف انگلی اٹھاتے ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جو کرے گا وہ بھرے گا جو بوئے گا وہ کاٹے گا۔ جس طرح ہم اپنے

والدین کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ آنے والی نسلیں بھی ایسا ہی رویہ اپنے والدین کے ساتھ رکھتی ہیں۔ ہم نے اپنے والدین کو اگر اپنے ہمراہ نہیں رکھا تو ہمارے بچے ہمیں اپنے پاس کیسے رکھیں گے؟ ہماری موجودہ نسل جدید زمانے کے رنگ میں رنگتی چلی جارہی ہے۔ ہمارا یہ معاشرتی رویہ بن چکا ہے کہ ہمارے بچے بیوی بچوں کو تو اپنے ساتھ رکھ لیں گے لیکن اپنے والدین کو وہ "پناہ گاہ" میں بھیجنے کو تیار ہوں گے لیکن ہمراہ نہیں رکھیں گے۔ ڈاکٹر مظہر عباس رضوی بھی اپنے قطعہ میں ایسی ہی موجودہ نوجوان نسل کی پرورش کے حوالے سے طنزیہ انداز میں سوال کر رہے ہیں۔ مغربی ممالک کی طرح اپنے والدین کو پناہ گاہ میں بھیجنے کو تیار ہیں۔ فادر اور مدّر کی صورت میں انگریزی زبان کا استعمال کیا ہے۔

ہو رہی ہے اس طرح بچوں کی اب تو پرورش
سرزنش سب کی کریں اپنے پسر کی خیر ہے
شرم کیسی ہے تجھے یہ دور ہے دور جدید
بیوی بچے پاس رکھ "فادر" "مدر کی خیر ہے [162]

طنز و مزاح لکھنے والوں نے جس موضوع کو سب سے زیادہ عائلی زندگی میں موضوع بحث بنایا ہے۔ وہ میاں بیوی کے درمیان ہونے والی نوک جھونک ہے۔ جسے ہمارے اہل و قلم نے اپنی دوربین سے دیکھا اور اسے اپنے انداز میں بیان کیا۔ جس میں یکسانیت تو ہو سکتی ہے لیکن اس کی دلکشی اور دلفریبی میں کوئی کمی واقعہ نہیں ہوئی بلکہ ان کا اسلوب اسے اور نکھارتا ہے جو ان شعراء کرام کا خاصا ہے۔

میاں بیوی کے بعد عائلی زندگی میں مرکزی کردار ساس کا ہے۔ ان کے نزدیک جھگڑے کی اصل وجہ ساس کو قرار دیا گیا ہے۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے کہ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ دونوں ہی گھر کو بنانے اور بگاڑنے میں کلیدی کردار ادا کرتی ہیں۔ شعراء کرام نے دیکھا جائے تو ساس اور بہو کے کردار کو پیش کرنے میں سطحی انداز اختیار کیا ہے۔ جس میں ساس اور بہو دونوں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے درپے ہوتی ہیں۔ یعنی دونوں کو اپنے اپنے محاذ پر ڈٹا ہوا دکھائی دیا ہے۔ ساس اور بہو کے علاوہ ایسے داماد کا تذکرہ بھی زیادہ ملتا ہے۔ جو ان کی بیٹی کو ہر لحاظ سے خوش رکھے۔ جسے دوسرے لفظوں میں "جوروں کا غلام" بھی کہا جاتا ہے۔ اس

دوہرے معیار کی عکاسی ہمارے شعراء نے ہلکے پھلکے انداز میں بیان کی ہے۔ جس میں ساس اپنی بیٹی کے لئے ایسے داماد کی خواہش مند ہے جو اس کی بیٹی کا ہر حکم مانے لیکن یہی بات اسے اپنی بہو کے حوالے سے گوارا نہیں۔ معاشرے کی اسی روّیے کی طرف شعراء کرام نے نشاندہی کی ہے۔

نند اور بھابھی کا رشتہ بھی اس نہج پر دیکھا یا ہے جس میں بھابھی کو یہ بات ناگوار گزرتی ہے کہ اس کی نند اس کے گھریلو معاملات میں مداخلت کرے۔ اس کے اور میاں کے درمیان میں نند جو لگائی بجھائی کا کام کرتی ہے۔ اس کو شعراء کرام نے اپنے اپنے انداز میں بیان کر کے ہماری توجہ اپنی جانب مبذول کروائی ہے۔

داماد کے حوالے سے یہ تصور عام پایا جاتا ہے کہ داماد ہماری بیٹی کا ہر طرح سے خیال رکھے۔ معاشرے کا المیہ ہے کہ جو صاحب حثیت لوگ ہیں وہ اپنی بیٹی کو ہر طرح کا آرام و آسائش دینے کے لیے داماد کو گھر ہی رکھ لیتے ہیں۔ جسے "گھر داماد" بھی کہا جاتا ہے۔ اس "گھر داماد" کی کیا درگت بنتی ہے۔ اس کو کبھی "نکھٹو داماد" اور کبھی سسرال کے ٹکڑوں پر پلنے والا کہہ کر مخاطب کیا جاتا ہے۔ شعراء کرام نے یہ مختلف اصطلاحیں استعمال کر کے شاعری میں زیرلب تبسم کی سی کیفیت پیدا کی ہے۔ ہمارے معاشرے میں گھر داماد اور بیٹے کے حوالے سے جو دوہرا معیار پایا جاتا ہے۔ اس کو شعراء نے کبھی قطعہ، کبھی رباعی کی صورت میں بیان کیا ہے۔

"سالی" کا موضوع شعراء کرام کے ہاں کم زیر بحث آیا ہے لیکن اس کی نسبت "سالا" کا لفظ ذو معنی استعمال کر کے طنز و مزاح کی چاشنی سے اس کا لطف دوبالا کر دیا ہے۔

شادی کے بعد "سسرال" کا لفظ بھی بنیادی اہمیت کا حامل ہو جاتا ہے۔ اس لفظ کا بر ملا اظہار بھی شعراء کے ہاں نظر آتا ہے۔ کس طرح لڑکی اور لڑکے کے سسرال والے دونوں کی زندگی میں دخل اندازی کرتے ہیں۔ ان کا جینا دوبھر کر دیتے ہیں۔ بیوی اپنے گھر والوں کی آؤ بھگت کے لیے پیش پیش جبکہ اپنے سسرال سے نالاں دکھائی دیتی ہے۔ اس حوالے سے سسرال کا لفظ استعمال کر کے شعراء نے عمدہ تصویر کشی کی ہے۔

ان تمام کرداروں کے علاوہ سب سے زیادہ موضوع بحث میاں بیوی کے درمیان میں ہونے والی چپقلش ہے۔ ازدواجی زندگی کے ان اہم کرداروں کے درمیان میں ہونے والی روز مرّہ کی ان بن اکھاڑے کی شکل اختیار کر

لیتی ہے۔ کبھی فرمائشوں کے پورا نہ ہونے پر بیوی میاں سے گلے شکوے کرتی نظر آتی ہے اور کبھی شوہر کو کولہوں کے بیل کی طرح ان فرمائیشوں کو پورا کرتے کرتے بیوی سے بدظن دکھائی دیتا ہے۔

میاں بیوی کے درمیان میں ہونے والا جھگڑا کس طرح چار دیواری سے باہر منتقل ہوتا ہے۔ پھر ہر ایک کی زبان میں ان کا چرچا ہوتا ہے یعنی ہر کوئی اپنی رائے دینے لگتا ہے۔ یہی شک و شبہات آخر کار ناچاقی اور علیحدگی کا باعث بنتے ہیں۔ انہی ان بن کو بذلہ سنجی کے ذریعے شعراء کرام نے بیان کر کے ان کی تصویر کشی کی ہے۔

انہی دو اہم کرداروں کا مطالعہ شعراء کرام نے نہایت زیرک نگاہی سے کیا ہے۔ اسی حوالے سے انہوں ان کی مختلف اقسام کی طرف طنز و مزاح کے پیرائے میں بیان کرنے کی سعی کی ہے جس میں مرد کو انتہائی مظلوم دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس حوالے سے مختلف قطعات کے عنوانات جو تحریر کیے ہیں ان کو پڑھ کر بے اختیار ہونٹوں پر مسکراہٹ آ جاتی ہے۔ جیسے بے زبان شوہر، زن مرید شوہر، بے بس شوہر، مظلوم شوہر وغیرہ۔ ہمارے معاشرے کا المیہ یہ ہے کہ male dominating society ہے جس میں ہر معاملے میں مردوں کی برتری کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ ہمارا لکھنے والا طبقہ بھی زیادہ تر مردوں پر مشتمل ہے اس لیے انھوں نے بھی اسی نظر کی عینک سے ایسا دیکھا اور بیان کیا۔ جو اسی سوسائٹی کا حصّہ ہیں۔

اس کے برعکس تصویر کا دوسرا رخ جس میں بیوی کو دیکھا یا ہے۔ اس کے حوالے سے ہمارا جو نظریہ حضرت حوّا کے حوالے سے بن چکا ہے کہ عورت ناقص العقل ہے۔ مرد کے مقابلے میں اس کو فوقیت نہیں دی جاتی۔ مردوں کے اس معاشرے میں عورت کی برتری کو تسلیم کرنا بہت دشوار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاعر نے بھی اس کو ایسی نگاہ سے دیکھا ہے اور اس کا کردار اسی طرح دیکھا یا ہے جس میں کبھی وہ ظالم بیوی کا روپ دھارتی ہے کبھی لڑاکا اور کبھی پھوہڑ بیوی کی صورت میں پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ افروز ہوتی ہے۔

جس میں عورت کے مثبت پہلو کی بے نسبت منفی پہلو کو زیادہ اجاگر کیا ہے۔ بنیادی وجہ یہی ہے کہ لکھنے والا طبقہ مرد حضرات پر مشتمل ہے۔ اس لیے شوہر سے محبت کرنے والی، وفا شعار بیوی کا روپ بہت کم دکھایا ہے۔

میاں بیوی میں بچے پل کا کام سرانجام دیتے ہیں۔ جن کی تعلیم و تربیت کے ذمّہ دار دونوں ہیں لیکن ہمارے

معاشرے کی بے حسّی ہے کہ فکر معاش کی وجہ سے مرد کو اس ذمہ داری سے مبّرا سمجھا جاتا ہے۔ عورت ہی کو گھر اور بچوں کی تربیت کی ذمہ داری احسن طریقے سے سر انجام دینی پڑتی ہے۔ اور اولاد اگر خدانخواستہ بگڑ جائے تو اس کا مورد الزام بھی ماں یعنی بیوی کو ہی سمجھا جاتا ہے۔

شعراء حضرات نے بھی نہایت زیرک بینی سے معاشرے کی ان خرابیوں کو نہ صرف دیکھا ہے بلکہ جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے خلاف اپنی قلم کے طاقت کا بھرپور استعمال بھی کیا ہے۔

گھروں میں ہونے والے ان جھگڑوں، میاں بیوی کی رنجش، اولاد کا بگاڑ، ان کی بڑھتی ہوئی غیر اخلاقی سرگرمیاں، گیمز، ٹی وی اور موبائل کا بڑھتا ہوا بے جا استعمال ماں باپ سے دوری کا باعث بن رہا ہے۔ اس کو نہایت برجستگی کے ساتھ اپنے الفاظ کے پیراہن میں بیان کیا ہے۔

میاں بیوی کے جھگڑے اولاد کو ماں باپ سے متنفر کرنے کا باعث بن رہے ہیں۔ ماں باپ اولاد کو دنیا جہاں کی آسائشیں مہیا کرنے میں اولاد سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے آج کل اولاد ماں باپ سے نالاں دکھائی دیتی ہے۔ ان تمام کرداروں کا نقشہ ہمارے طنز و ظرافت لکھنے والے طبقے نے عمدگی سے بیان کیا ہے۔

جس میں انہوں نے اپنے اسلوب و بیان کی چاشنی کی بدولت مٹھاس اور کرواہٹ کی آمیزش کی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے تصویر کا جو ایک رخ دکھایا گیا ہے جس میں مرد حضرات نے معاشرے کو اپنی عینک سے دیکھا ہے اس کو من و عن بیان کرنے کی سعی کی ہے۔ اس میں خواتین شعراء نگار بھی اپنا حق ادا کریں۔ معاشرے میں عورت کی جو تصویر ہے اس کا جو مقام ہے۔ اس کے احساسات و جذبات کو سمجھتے ہوئے رقم طراز ہوں۔ اس طرح جو خلاّ پایا جاتا ہے وہ کافی حد تک کم ہو۔

تاکہ معاشرے میں عورت کی صحیح تصویر سب کے سامنے آسکے جو Male dominating society میں مردوں کی حاکمیت کی وجہ سے ابھر کر سامنے نہیں آئی۔ جس میں صرف مرد ہی کو مظلوم اور عورت کو ظالم دکھایا ہے۔ جیسے عورت عورت کے جذبات و احساسات کو سمجھ سکتی ہے ویسے مرد عورت کی نفسیات کی بھرپور عکاسی نہیں کر سکتے۔ اس لئے انہوں نے عورت کو اپنے نظریے سے دیکھا اور بیان کیا ہے جس کی وجہ سے ان کی صحیح تصویر ابھر کر سامنے نہیں آسکی۔

حوالہ جات

ا۔ مہدی علی خان، راجہ، دستکِ نیم شب (نظم)، اندازِ بیاں اور، اکادمی پنجاب، لاہور، طبع اوّل، 1962، ص122-121

2۔ وزیر آغا (مقدمہ)، اندازِ بیاں اور، از مہدی علی خان، راجہ، اکادمی پنجاب، لاہور، طبع اوّل، 1962، ص19

3۔ لیاقت علی لیاقت، قطعہ، باقی تو سب ٹھیک ہے، الطاف ایجوکیشنل پبلیشرز اینڈ پرنٹرز، لاہور، نومبر 2006، ص77

4۔ امیر الاسلام ہاشمی، قطعہ، مشمولہ: ہے دیکھنے کی چیز، مرتبہ: سر فراز شاہد، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2002، ص29
5۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر تاریخ، عزیز بک ڈپو، لاہور، طبع پنجم، 2006، ص597
6۔ انور مسعود، قطعہ، مشمولہ: مرچیں، مرتبہ: زاہد فخری، خزینہ علم وادب، لاہور، 2005، ص23
7۔ منظر نقوی، طنز و مزاح کا شناسا شاعر (مضمون)، مطبوعہ: ماہنامہ کتاب، اسلام آباد، جلد 36، شمارہ 8 تا 10، اگست، ستمبر، اکتوبر، 2003، ص55
8۔ محمد طٰہٰ خان، غزل، مشمولہ: مزاحیہ شاعری انسائیکلوپیڈیا مرتبہ: یوسف مثالی، مشتاق بک کا کارنر ،لاہور، ص276
9۔ دلاور فگار، دفتر اور ہم (نظم)، کلیات دلاور فگار، فرید پبلی کیشنز، کراچی، س۔ن۔ ص595
10۔ احمد ندیم قاسمی، اعتراف فن (مضمون)، مطبوعہ: چہار سو راولپنڈی، جلد دوم شمارہ 23-22، 1994، ص9
11۔ مسٹر دہلوی، نظم، مشمولہ: لاجواب مزاحیہ شاعری، ص230
12۔ سر فراز شاہد، اردو کی مزاحیہ شاعری، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، اشاعت دوم ،ص2007، 167
13۔ افضل پارس، سوالنامہ از راقمہ
14۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، ساس اور بہو (نظم)، کوئے ظرافت، مطبع حاجی حنیف اینڈ سنز، لاہور، طبع اوّل 2002، ص125
15۔ سید ضمیر جعفری، ایرانی بہو کا خیر مقدم (نظم)، نشاط تماشا، فکاہی کلیات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1993، ص187
16۔ سید فہیم الدین، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، مرتبہ: یوسف مثالی۔ مشتاق بک کارنر، لاہو، س۔ن۔ ص173

17۔ جوہر سیوانی، غزل، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، مرتبہ: یوسف مثالی۔ مشتاق بک کارنر، لاہو، س۔ن۔ ص86
18۔ محمد مہدی علی خان، راجہ، سسرال کی جیل (نظم)، انداز بیاں اور، اکادمی پنجاب ٹرسٹ، لاہور، باراوّل، 1962، ص101
19۔ یوسف مثالی، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، مرتبہ: یوسف مثالی۔ مشتاق بک کارنر، لاہو، س۔ن، ص320
20۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، سجّاد پبلی کیشنز، لاہور، جون 2008، ص74
21۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، سوبٹاسو، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2003، ص41
22۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، سجّاد پبلی کیشنز، لاہور، جون 2008، ص48
23۔ مظہر عباس رضوی، ڈاکٹر، قطعہ، گڑبڑ گھٹالہ، بزمِ اکبر، اسلام آباد، اگست 2005، ص132
24۔ مرزا عاصی اختر، قطعہ، گُدگُدّی، ایجوکیشنل پریس، کراچی، دسمبر، 2009، ص99
25۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، تبسّم طرازیاں، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2009، ص17
26۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، سجّاد پبلی کیشنز، لاہور، جون 2008، ص87
27۔ مرزا عاصی اختر، قطعہ، گُدگُدّی، ایجوکیشنل پریس، کراچی، دسمبر، 2009، ص50
28۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، تبسّم طرازیاں، ص137
29۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، ص62
30۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، سوبٹاسو، ص33
31۔ مظہر عباس رضوی، ڈاکٹر، قطعہ، گڑبڑ گھٹالہ، بزمِ اکبر، اسلام آباد، اگست 2005، ص141
32۔ سرفراز شاہد، قطعہ، (کلیات) ڈش انٹینا، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2000، ص253
33۔ سرفراز شاہد، قطعہ، (کلیات) ڈش انٹینا، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2000، ص256
34۔ مجذوب چشتی، قطعہ، مشمولہ: گلہائے تبسّم، مرتبہ: انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2005، ص360

35۔ سرفراز شاہد، جمع و تفریق، ضرب تقسیم (نظم)، گُفتہ شگُفتہ، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2002، ص89

36۔ مرزا عاصی اختر، غزل، گُد گُدّی، ایجو کیشنل پریس، کراچی، دسمبر، 2009، ص84

37۔ انور مسعود، قطعہ، درپیش، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، س۔ن، ص44

38۔ مظہر عباس رضوی، ڈاکٹر، قطعہ، گڑبڑ گھٹالہ، بزمِ اکبر، اسلام آباد، اگست 2005، ص150

39۔ مرزا عاصی اختر، غزل، گُد گُدّی، ایجو کیشنل پریس، کراچی، دسمبر، 2009، ص48

40۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، ص54

41۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، تبسّم طرازیاں، ص59

42۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، تبسّم طرازیاں، ص80

43۔ ضیا الحق قاسمی، قطعہ، مشمولہ: مکمل مزاحیات، مرتبہ: سید فیاض علی، رحمن بک ہاؤس، کراچی، س۔ن، ص253

44۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، ص42

45۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، تبسّم طرازیاں، ص80

46۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، ص60

47۔ مظہر عباس رضوی، ڈاکٹر، ہو گیا ہے (نظم)، گڑبڑ گھٹالہ، بزمِ اکبر، اسلام آباد، اگست 2005، ص62

48۔ رخسانہ نازی، کنوارہ نہیں ملا، ص70

49۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، ص93

50۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، تبسّم طرازیاں، ص140

51۔ مرزا عاصی اختر، قطعہ، گُد گُدّی، ایجو کیشنل پریس، کراچی، دسمبر، 2009، ص36

52۔ ندیم آذر، قطعہ، مشمولہ: گلہائے تبسّم، مرتبہ: انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2005، ص407

53۔ امیر الاسلام ہاشمی، قطعہ، لاجواب مزاحیہ شاعری، ص168

54- مظہر عباس رضوی، ڈاکٹر، میرے آگے (نظم)، گڑبڑ گھٹالہ، ص14
55- عطاالحق کاظمی، قطعہ، مشمولہ: مرچیں، مرتبہ: زاہد فخری، خزینہ علم وادب، لاہور، 2005، ص 189
56- انور مسعود، قطعہ، قطعہ کلامی، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 1999، ص161
57- زاہد فخری، غزل، مشمولہ: مرچیں، ص114-113
58- انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، کوئے ظرافت، ص39
59- انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، کوئے ظرافت، ص
60- مجید لاہوری، قطعہ، مشمولہ: اردو ادب کی مزاحیہ شاعری، مرتبہ: خواجہ محمد سلطان گوہر، حیدر پبلیشرز اور، بار اوّل 2003، ص102
61- انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، کوئے ظرافت، ص106
62- سرفراز شاہد، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، ص156
63- خاور نقوی، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، ص104
64- قاضی غلام محمد، اودیس سے آنے والا بتا (نظم)، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، ص248
65- فاخرہ بتول، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، ص240
66- دلاور فگار، قطعہ، کلیات دلاور فگار، فرید پبلی کیشنز، کراچی، س-ن- ص665
67- سید ضمیر جعفری، قطعہ، نشاط تماشا، ص112
68- انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، مشمولہ: مشہور مزاحیہ شاعری، ص60
69- مجذوب چشتی، قطعہ، مشمولہ: مشہور مزاحیہ شاعری، ص120
70- سید ضمیر جعفری، کل شب جہاں میں تھا (نظم)، نشاط تماشا، ص156
71- امیر الاسلام ہاشمی، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، ص56
72- نیاز سواتی، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، ص311
73- دلاور فگار، قطعہ، مشمولہ: مشہور مزاحیہ شاعری، ص84

74۔ نصیر عسکری، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، ص306
75۔ سید ضمیر جعفری، کام آتا نہیں (نظم)، نشاط تماشا، ص102
76۔ اانعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، مشمولہ: مشہور مزاحیہ شاعری، ص113
77۔ اسامہ منیر، ڈاکٹر، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، ص121
78۔ اسد جعفری، شوہر کی فریاد (نظم)، مشمولہ: مشہور مزاحیہ شاعری، ص27
79۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر تاریخ، ص598
80۔ سید ضمیر جعفری، انتقام (نظم)، نشاطِ تماشا، ص379
81۔ دلاور فگار، نظم، کلیات دلاور فگار، ص628
82۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، کوئے ظرافت، ص158
83۔ خالد عرفان، قطعہ، مشمولہ: انور مسعود سے خالد مسعود تک، ص159
84۔ دلاور فگار، نظم، کلیات دلاور فگار، ص585
85۔ حسن عسکری، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، ص94
86۔ نیاز سواتی، قطعہ، مشمولہ: مرچیں، ص217
87۔ مجید فضاء، زن مرید شوہر کا شکوہ (نظم)، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا
، ص271-268
88۔ زبیر فاروق، ڈاکٹر، قطعہ، مشمولہ: گلہائے تبسّم، ص161
89۔ لیاقت علی لیاقت، قطعہ، باقی تو سب ٹھیک ہے، الطاف ایجوکیشنل پبلیشرز اینڈ پرنٹر، لاہور،
نومبر2006، ص66
90۔ مرزا عاصی اختر، قطعہ، گُدگُدی، ص78
91۔ مجذوب چشتی، قطعہ، مشمولہ: گلہائے تبسّم، ص359
92۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، تبسّم طرازیاں، ص39
93۔ سرفراز شاہد، قطعہ، (کلیات) ڈش انٹینا، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2000، ص264
94۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، ص108

95- انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، امیر بیوی کا غریب شوہر (نظم)، تبسّم طرازیاں، ص115
96- سرفراز شاہد، مرد کی پہچان (نظم)، (کلیات) ڈش انٹینا، ص153
97- دلاور فگار، بیوی سے مار کھانے والا شوہر (نظم)، مشمولہ: گلہائے تبسّم، ص161
98- لیاقت علی لیاقت، مظلوم شوہر (نظم)، باقی تو سب ٹھیک ہے، ص168-165
99- انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، سوبٹا سو، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2003، ص38
100- بلبل کاشمیری، قطعہ، مشمولہ: بہترین مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، ص97
101- سید معراج جامی، آزاد نظم، مشمولہ: گلہائے تبسّم، ص243
102- انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، سوبٹا سو، ص38
103- سرفراز شاہد، قطعہ، گُفتہ شگُفتہ، ص85
104- مرزا عاصی اختر، قطعہ، گُدگُدّی، ص49
105- بلبل کاشمیری، قطعہ، مشمولہ: بہترین مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، ص97
106- عزیز علوی، قطعہ، مشمولہ: کشتیءزعفران، ص112
107- انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، سوبٹا سو، ص26
108- سلیم اختر، شوہر کی بے بسی (نظم)، مشمولہ: ابّا کہاں سے لبھّا تھا، ص87
109- سرفراز شاہد، قطعہ، (کلیات) ڈش انٹینا، ص249
110- اکبر علی خان، قطعہ، مشمولہ: گلہائے تبسّم، ص60
111- مرزا عاصی اختر، قطعہ، گُدگُدّی، ص109
112- سرفراز شاہد، قطعہ، گُفتہ شگُفتہ، ص152
113- افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، ص71
114- رخسانہ نازی، کنوارا نہیں ملا، مون پبلی کیشنز، لاہور، اپریل 2007، ص69-68
115- خالد مسعود خان، مشمولہ: انور مسعود خان تک، مرتب، حسن عباسی، نستعلیق مطبوعات، لاہور، مئی 2004، ص152
116- سرفراز شاہد، قطعہ، گفتہ شگفتہ، ص152

117۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، ص 71

118۔ مرزا عاصی اختر، قطعہ، گُد گُدّی، ص109

119۔ سرفراز شاہد، حریت پسند خاتون (نظم)، ڈش انٹینا، ص197

120۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، تبسّم طرازیاں، ص49

121۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، ص52

122۔ مرزا عاصی اختر، قطعہ، گُد گُدّی، ص106

123۔ لیاقت علی لیاقت، قطعہ، باقی تو سب ٹھیک ہے، ص181

124۔ روحی کنجاہی، قطعہ، مشمولہ: مکمل مزاحیات، ص311

125۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، ص115

126۔ انور مسعود، قطعہ، غنچہ پھر لگا کھلنے، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، اشاعت سوم، 1999، ص48

127۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، ص89

128۔ امیر الاسلام ہاشمی، قطعہ، لاجواب مزاحیہ شاعری، ص168

129۔ مسٹر دہلوی، بیویاں (نظم)، مشمولہ: مکمل مزاحیات، ص305-303

130۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، ص105

131۔ محمد کمال اظہر، قطعہ، مشمولہ: گلہائے تبسّم، ص377

132۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، ص91

133۔ مرزا عاصی اختر، قطعہ، گُد گُدّی، ص91

134۔ پاپولر میرٹھی، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، ص80

135۔ سید ضمیر جعفری، قطعہ، نشاطِ تماشا، ص90

136۔ خالد مسعود خان، مارا جائے گا (نظم)، مشمولہ، مرچیں، ص70

137۔ اطہر شاہ خان جیدی، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ مشاعرہ، ص16

138۔ اسامہ منیر، ڈاکٹر، قطعہ، نظم، مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، ص122

139۔ گلزار بخاری، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، ص263

140۔ سید ضمیر جعفری، قطعہ، نشاطِ تماشا، ص766

141۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، غزل، کوئے ظرافت، ص68

142۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، مشمولہ: مشہور مزاحیہ شاعری، ص113

143۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، غزل، کوئے ظرافت، ص113

144۔ نیاز سواتی، قطعہ، مشمولہ: ابّا کہاں سے لبھا تھا، ص143

145۔ سرفراز شاہد، قطعہ، گفتہ شگفتہ، ص62

146۔ نیاز سواتی، قطعہ، مشمولہ: ابّا کہاں سے لبھا تھا، ص218

147۔ سرفراز شاہد، قطعہ، ڈش انٹینا، ص283

148۔ مجذوب چشتی، قطعہ، مشمولہ: مرچیں، ص204

149۔ مرزا محمود سرحدی، قطعہ، مشمولہ: بہترین مزاحیہ شاعری۔ ص147

150۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، ص31

151۔ ظریف لکھنوی، قطعہ، مشمولہ: لاجواب مزاحیہ شاعری، ص73

152۔ سیّد ضمیر جعفری، قطعہ، سرگوشیاں، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 1998، ص18

153۔ ممتاز مفتی، خاکہ ست۔ رنگا ضمیر جعفری، مطبوعہ: چہار سو، جلد دوم، شمارہ 24۔23، مئی، جون، 1994، ص63

154۔ لیاقت علی لیاقت، قطعہ، باقی تو سب ٹھیک ہے، ص46

155۔ مظہر عباس رضوی، ڈاکٹر، قطعہ، گڑبڑ گھٹالہ، ص128

156۔ ماجد صدیقی، قطعہ، منّے تو سچ بولا کر، ص85

157۔ لیاقت علی لیاقت، قطعہ، باقی تو سب ٹھیک ہے، ص67

158۔ مظہر عباس رضوی، ڈاکٹر، قطعہ، گڑبڑ گھٹالہ، ص134

159۔ لیاقت علی لیاقت، قطعہ، باقی تو سب ٹھیک ہے، ص83

160۔ لیاقت علی لیاقت، قطعہ، باقی تو سب ٹھیک ہے، ص62

161۔ فردوس کوثر، پاکستانی طنزیہ اور مزاحیہ شاعری کے سیاسی وسماجی محرکات کا تنقیدی جائزہ۔ (1947 تا 2017) مقالہ، پی۔ ایچ۔ ڈی، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو یجز، اسلام آباد 2017

162۔ مظہر عباس رضوی، ڈاکٹر، قطعہ، گڑبڑ گھٹالہ، ص 54

باب چہارم:

اردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں ازدواجی زندگی کی عکاسی

(متفرق موضوعات)

الف۔(متفرق موضوعات)

انسان کی زندگی میں بے شمار ایسے مواقعے آتے ہیں جو اُس کی زندگی میں یادگار ہوتے ہیں۔جن کی اِس زیست میں بڑی وقعت ہوتی ہے۔یہ تمام رسم ورواج اور اقدار وروایات اِنسان کی زندگی کا خاصا ہوتے ہیں۔زندگی کے یہ حسین لمحات جو ہر انسان کی زندگی میں کم وبیش آتے ہیں۔جس کو وہ اپنے اپنے طریقے سے مناتے ہیں۔زندگی میں آنے والی اِن خوشیوں کو شعراء کرام نے شاعری کی ہر صنف میں بیان کیا ہے۔ہمارے طنز ومزاح لکھنے والے شعراء نے بھی اِس کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے یہ الگ بات ہے کہ طنز ومزاح لکھنے والے نے اِن تمام رسم ورواج کو اپنی دور بین سے بیان کیا ہے۔اس میں پائی جانے والی خامیوں کو ہنسی مذاق میں بیان بھی کیا ہے اور اُن کی طرف متوجہ بھی کیا ہے۔

اس طرح ہنسی دل لگی میں بات اگر قاری کے دل کی گہرائیوں تک پہنچ جاتی ہے تو لکھنے والے کو اس کا صلہ مل جاتا ہے۔وہ جس ڈھکّے چھپے انداز میں اپنے مدّعا کو بیان کرنا چاہتا ہے۔اس کو پڑھنے والے نے سمجھ لیا ہے۔اس کو ایسے ہی طمانیت محسوس ہوتی ہے جیسے مزدور کو اس کی مزدوری ملتے وقت ہوتی ہے۔
ازدواجی زندگی میں بھی مختلف مواقعے ہیں۔جن کو طنز ومزاح لکھنے والوں نے اپنے اپنے نقطہ نظر سے نہ صرف دیکھا ہے بلکہ اُس کو اپنے پڑھنے والوں تک پہنچانے کی بھی سعی کی ہے۔شادی بیاہ کے حوالے سے جو مختلف رسم ورواج کیے جاتے ہیں۔اس موقعے پر دُلہا اور دُلھن کی طرف سے جو جو رسومات کی جاتی ہیں۔وہ ہمارے مذہب کا حصّہ نہیں ہیں۔بلکہ ہندووانہ رسم ورواج ہیں۔جس کی وجہ سے غریب ماں باپ اولاد کی شادیوں کی خاطر کیا کیا تکالیف برداشت کرتے ہیں۔اُس کا تصوّر بھی نہیں کرسکتے چاہے لڑکی کی شادی ہو یا
لڑکے کی۔
لڑکی کی شادی کے لیے جہیز اکٹھا کرنا۔لڑکے تو لڑکے خاندان والے بھی کسی چیز کے کم ہو جانے پر انگلی

اٹھانے سے گریز نہیں کرتے۔ شادی کا دن آجاتا ہے تو اُس دن بھی دُلھا دُلھن کے گھر والوں کی طرف سے چھوٹی چھوٹی رسومات پر ہونے والی بدمزگی شادی کے حسین لمحات کو سارا کِرکِرا کر دیتی ہیں۔

دُلہن والوں کی کوشش ہوتی ہے کہ اس موقعہ پر نکاح، حق مہر اور دودھ پلائی وغیرہ کی رسومات بغیر بدمزگی پیدا کیے افہام و تفہیم کے ساتھ سر انجام دیں۔ اس دن اس وقت ہونے والی اَن بَن ساری زندگی یاد رہتی ہے اور لڑکی کو اسی بات کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ تمھارے گھر والوں نے حق مہر کے سلسلے میں یہ بات کی۔ لڑکی کے والدین اس ڈر اور خوف میں مبتلا ہوتے ہیں کہ کہیں اُن کے منہ کھولنے سے اُن کی بیٹی کی گھر آئی برات واپس نہ چلی جائے۔ پائی پائی جمع کرنے کے بعد ہماری بیٹی دہلیز پر ہی بیٹھی نہ رہ جائے۔

اِن تمام خدشات ڈر اور فہم کو شعراء کرام نے طنزیہ اور مزاحیہ انداز میں اپنی شاعری میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس موقعے پر دُلھن جس طرح بیوٹی پارلر سے تیار ہو کر آتی ہے۔ بعض اوقات تو اُس کو اپنے بھی پہچاننے سے انکار کر دیتے ہیں۔ بیوٹیشن اپنی فنکاریاں جس طرح دکھاتی ہے سب دھنگ رہ جاتے ہیں۔ اُس ایک دن کے لیے لڑکی کے دل میں جو ہزاروں ارمان ہوتے ہیں۔ اُس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ سب سے حسین دکھائی دے۔ ہماری بیوٹیشن اِن سے جس طرح پیسے بٹورتی ہیں۔ وہ ہمارے معاشرے کا بہت بڑا المیہ ہے۔ یہ دن ہر لڑکی کی زندگی میں آتا ہے۔ اس لیے ہر لڑکی حسین سے حسین تر نظر آنے کے چکر میں ہزاروں روپے اِن کو دیتی ہے۔ لیکن اس موقعے پر بعض اوقات دُلھن جس طرح لگ رہی ہوتی ہے۔ اُس کو طنز و مزاح لکھنے والوں نے اپنے اپنے پیرائے میں عمدگی سے بیان کیا ہے۔ جس سے معاشرے میں اِن بڑھتے ہوئے رجحانات کی عکاسی بھی ہوتی ہے کہ ایک زمانہ تھا گھر کی بڑی عورتیں بیٹیوں کو گھر میں ہی اُبٹن وغیرہ لگا کر حسین و جمیل ہونے کے ٹوٹکے بتاتی تھیں۔ پارلر وغیرہ جانے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی لیکن مغرب اور ہندوؤں کے کلچر کی دیکھا دیکھی ہمارے ہاں بھی اب یہ رواج شدّت اختیار کرتا چلا جارہا ہے کہ مہنگے سے مہنگے پارلر کی بکنگ شادی سے پہلے کروائی جاتی ہے۔ اس میں ہونے والے اخراجات کا بار غریب ماں باپ کے لیے بہت مشکل ہوتا ہے۔ وہ بیٹی کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے اپنی جمع پونجی لگا دیتے ہیں۔ برینڈ کا لیبل ہمارے کلچر کا حصّہ بنتا چلا جارہا ہے۔ میک اپ اور بیوٹی پارلر صرف شادی کی تقریبات تک ہی محدود

نہیں بلکہ حسن وزیبائش جو عورت کا خاصا سمجھا جاتا ہے۔ شادی کے بعد بھی بیویاں اپنے خاوند کی کمائی میں سے بناؤ سنگھار کرتی ہیں۔ اس پر جو اخراجات آتے ہیں وہ بھی میاں بیوی کے درمیان ناچاقی کا باعث بنتے ہیں۔
ازدواجی زندگی کے اِن موضوعات میں شعراء کرام کی ایک بڑی تعداد نے بیوی کے مرجانے کے حوالے اس کی قبر اور کتبہ کے حوالے سے بھی تحریر کیا ہے۔ اپنی شوخیٔ تحریر کی بدولت اُس میں رنگ بھرے ہیں۔ وہ بیوی جو ساری زندگی مرد کو تنگ کرتی رہتی ہے۔ جس کی زبان بند نہیں ہوتی۔ وہ مرنے کے بعد کیسے خاموش رہ سکتی ہے۔ انہی کیفیات اور احساسات کا اظہار کبھی طنزیہ اور کبھی مضحکہ خیز انداز میں کیا ہے۔ شادی کے موقعے پر سہرا پہن کر مرد کیسا لگتا ہے اور اس کے جذبات کیسے ہوتے ہیں۔ اُس کی بھی ترجمانی اپنی شاعری میں کی۔
بیوی کے حوالے سے دیکھا جائے تو شعراء حضرات نے اپنی بیویوں کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ جو شعراء حضرات شاعری کرتے ہیں۔ اُن کی زوجائیں اس کے اِس پیشے کے بارے میں کیا نادر خیالات رکھتی ہیں۔ اُن کی عمر بھر کی کمائی کو کس طرح ردّی کے کاغذ سمجھ کر پھاڑ دیتی ہیں۔ اُن کا معاشرہ میں کیا مقام و مرتبہ ہے۔ طنز و مزاح لکھنے والوں نے اپنی بیگمات کی انہی کیفیات اور جذبات کی عکاسی اپنی تخلیقات کے ذریعے کی ہے۔
طنز و مزاح لکھنے والوں نے نہایت عرق ریزی کے ذریعے مقام اور مرتبہ حاصل کیا ہے۔ وہ اس کے ذریعے معاشرے میں اپنی فوقیت اور اہمیت کا رونا روتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں شعراء کی قدر نہیں کی جاتی۔ یہاں تک کے ہماری بیویاں بھی ہمیں یہ کہتی پھرتی ہیں کہ اِن شاعری کے پُرزوں کے ذریعے زندگی بسر نہیں ہو سکتی۔ اس کے لیے کسی کام دھندے کی ضرورت ہے۔ معاشی طور پر جن مسائل کا سامنا ہے۔ شعر و شاعری کے ذریعے پیٹ کے ایندھن کو نہیں جلایا جا سکتا ہے۔
اس طرح دیکھا جائے تو ازدواجی زندگی کے یہ مختلف متفرق موضوعات ہیں جن کو ہمارے مزاح نگار اور طنز نگار نے اپنے قلم کی جولانیاں دکھاتے ہوئے موضوعِ بحث بنایا ہے۔ اُن کو تفصیل کے ساتھ اب بیان کیا جاتا ہے۔

i۔ شادی بیاہ کی رسومات:

شادی بیاہ ہمارے ہاں ازدواجی بندھن کا اہم فریضہ ہے۔ جس میں دو لوگ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو جاتے ہیں۔شادی ہونے سے پہلے طرح طرح کے خواب سجائے جاتے ہیں۔ چاہے لڑکے والے ہوں یا لڑکی والے لڑکی والوں کی یہ آرزو ہوتی ہے کہ لڑکا کماؤ پوت ہو۔ شکل وصورت کے ساتھ ساتھ سرکاری عہدے پر بھی فائز ہو۔اس کی اوپر کی بھی آمدنی ہو۔اس میں کوئی اور گُن ہو یا نہ ہو یہ وصف ضرور ہونا چاہیے۔

افضل پارس بھی اپنے قطعہ میں اس لڑکی کی خواہش کو مزاحیہ انداز میں بیان کر رہے ہیں۔جو کسی ایسے ہی مالدار لڑکے سے شادی کی آرزو مند ہے۔

مجھ سے شادی ہی کرنے کی گر ہے تیری خواہش
لازم ہے پوزیشن اچھی، تیری مالی ہو
شام کو اپنے دفتر سے تو لوٹ کے گھر جب آئے
بے شک خالی مغز ہو تیرا جیب نہ خالی ہو[1]

جن کا بیاہ ہو جاتا ہے وہ ہر وقت اس تاک میں رہتے ہیں۔جن کی شادی نہیں ہوئی ان کی بھی شادی کرائی جائے۔اُن کو اس سے کیوں محروم رکھا جائے۔

مرزا عاصی اختر مزاحیہ انداز میں اس شخص کی دل کی بپتا بیان کر رہے ہیں۔جس میں اپنوں نے اس سے بدلہ لینے کے لیے اس کی شادی کرا دی ہے۔

کرا دی سب نے مل کر میری شادی
کیا اپنوں نے کیسا وار کاری[2]

شادی کے بعد گھریلو زندگی کا جو نقشہ ہوتا ہے اور جس طرح شوہر حضرات کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے۔اس کا بیوی جینا دوبھر کر دیتی ہے۔اس حوالے سے ڈاکٹر انعام الحق جاوید "یقین دہانی" میں کچھ طنزیہ انداز میں کہتے ہیں۔

یہ مانا کہ مذہب سے باغی ہے وہ
جہنم کو تو مانتا ہی نہیں

مگر مجھ سے شادی تو ہو لے ذرا

جہنم پہ لے آئے گا خود یقین[3]

طنزیہ انداز میں شادی کرنے والی کی زندگی کو جہنم سے تشبیہ دے رہے ہیں۔ جس کا مذہب پر ایمان نہیں ہے۔ خود بخود شادی کرنے کے بعد اس کو یقین آ جائے گا۔

سرفراز شاہد اس شوہر کی مظلومیت کا نقشہ شادی کرنے کے بعد بیان کر رہے ہیں۔ جس کو حسرت بھری نگاہ سے لڑکیاں شادی سے پہلے دیکھتی تھیں۔ شادی ہو جانے کے بعد رحم کی نگاہ سے دیکھتی ہیں کیونکہ شادی کے بعد اس بیچارے شوہر کی مجبوریوں اور ذمہ داریوں میں جس طرح اضافہ ہوتا ہے۔ اس کی زندگی وبالِ جان بن جاتی ہے سرفراز شاہد مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں۔

اب رحم کی نگاہ سے تکتی ہیں لڑکیاں

شادی کے بعد کتنا بیچارا ہے آدمی

بیوی کی کی نوج، باس کا ڈر، فکر بچگاں

کن کن مصیبتوں میں بیچارا ہے آدمی[4]

شادی کرنے کے بعد آدمی طرح طرح کے مصائب میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ دفتر کے ساتھ ساتھ گھر کے باس "بیوی" کا بھی ڈر ہوتا ہے۔

شادی بیاہ سے پہلے ماں باپ اپنی بیٹی کی ہزاروں خوبیاں گنواتے ہیں کہ میری بیٹی سے شادی ہو جانے کے بعد تمھارا گھر جنت کا نقشہ پیش کرے گا۔ میری بیٹی میں کوئی بھی خرابی یا عیب نہیں ہے لیکن یہ سب کچھ شادی سے پہلے ہوتا ہے۔ شادی کے بعد وہی گھر زنانہ جنگی کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ جس میں انھوں نے پنجابی الفاظ کے ساتھ تمسخر اڑایا ہے۔ افضل پارس اپنے "زنانہ جنگی" قطعہ میں مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں۔

شادی کر کے بن جاؤ گے تم جنت کے مالک

اک بھی عیب نہ پاؤ گے تم بیٹی "گھنی" میں

شادی کر کے کھل گئی اس پہ بیوی کی ہر خوبی

چاقو اس نے مار دیا جب اس کی "دھنی" میں[5]

ڈاکٹر مظہر عباس رضوی نے شادی کے بعد جو شوہر حضرات کی دُرگت بنتی ہے۔ اس کو ضرب المثال سے تشبیہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ شادی کرنے والے کی مثال ایسے ہوتی ہے جیسے آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا۔ اپنی نظم "دھان پان سے" میں مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں۔

ہوتا نہیں یہ کام بہت آن بان سے
کرنا ہے عشق تم کو، تو کرنا دھیان سے
ہے بعدِ عشق شادی کی بالکل یہی مثال
اٹکا کھجور میں جو گرا آسمان سے[6]

افضل پارس اپنے قطعہ "رَن آؤٹ" میں کرکٹ کے کھیل میں ہونے والے رَن آؤٹ کی اصطلاح کے حوالے سے مزاحیہ انداز میں الفاظ کو الگ الگ کر کے اس کا مفہوم اس طرح بیان کر رہے ہیں۔ جس طرح کھیل میں کھلاڑی کو آؤٹ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح عملی زندگی میں یہاں "رَن" سے مراد کرکٹ کے رنز نہیں بلکہ "رَن" بیوی ہے جو میاں کو شادی ہو جانے کے بعد "رَن" آؤٹ کرتی ہے۔ "رَن" کا لفظ ذو معنی استعمال کر کے ابہام پیدا کیا۔

خود کو خود سر کہتا تھا جو ایک زمانے میں
پل کی بھی وہ دیر نہ کرتا حشر اٹھانے میں

پھر شادی کے بعد اچانک اک عورت کے ہاتھوں
وہ ہی آخر جا پہنچا نا پاگل خانے میں[7]

سرفراز شاہد شادی خانہ بربادی کا جو نقشہ "مردِ مومن" قطعہ میں علامہ اقبال کے مصرعے کو بطور تضمین استعمال کرتے ہوئے کھینچتے ہیں۔ کس طرح شادی کے جھمیلوں سے مرد مومن کی زندگی وبال جان بن جاتی ہے

۔جب وہ شادی کے بعد حقیقت کا روپ دھار کر نظر آتی ہے۔اسی حوالے سے مزاحیہ انداز میں شوہر حضرات کے لیے نکاحِ مرد مومن کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔

ہوئی شادی تو پاؤں میں پڑی ہیں اتنی زنجیریں
اُدھر بیگم کے نخرے ہیں اِدھر بچوں کی نکسیریں
کچھ آنے لگیں اقبال کے مصرعوں کی تفسیریں
"نکاحِ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں"[8]

علامہ اقبال کے زبان زدِعام مصرعے "نگاہِ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں" میں نگاہ کی جگہ "نکاح" لفظ کو لکھ کر پیروڈی کی ہے۔ جس میں شوہر کی شادی کے بعد کی کیفیت کو بیان کیا ہے۔
جس طرح مختلف قسم کے بل کا آرڈیننس ہوتا ہے۔اسی طرح شادی آرڈیننس کی بجائے افضل پارس اس کے لیے مزاحیہ انداز میں بربادی آرڈیننس کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ جس میں وہ اس بات کا کھل کر ذکر کر رہے ہیں کہ شادی کرنا ایک بزنس ہے۔ جس میں لڑکی کے والدین والے لڑکے کو گھر بار اور اور کار دیتے ہیں۔ تو اس میں اچنبھے کی کیا بات ہے کیونکہ لڑکی کا باپ بھی ایک نمبر کا راشی ہے۔ یہ والدین معاشی طور پر لڑکی کے آنے والے مستقبل کو مستحکم کرتے ہیں۔اس میں افضل پارس نے ہمارے معاشرتی رویے کی طرح اشارہ کیا ہے کہ لڑکی کے والدین سے شادی کے نام پر جہیز لیا جاتا ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ لڑکی کے بہتر مستقبل کے لیے یہ سب ضروری ہے۔

شادی کرنا ہتک کیسی ،نہ یہ ایک عیاشی ہے
یہ تو بزنس سوچ پیارے، خالص ایک معاشی ہے
کیا ہے، گر وہ دے گا مجھ کو، کوٹھی، کار، مربعے دو
یہ تو دیکھو اس کا ابّا ایک نمبر کا راشی ہے[9]

شادی کرنا ہر کسی کا خواب ہوتا ہے۔ اس کے لیے ہر کوئی سپنے سجاتا ہے لیکن شادی کے بعد زندگی کس طرح وبال ہو جاتی ہے۔ اس کے بارے میں معلوم شادی کے بعد ہی ہوتا ہے۔ لیاقت علی لیاقت اپنے قطعہ "شادی" میں ہی ایسے ہی نوجوانوں کے خوابوں کا مزاحیہ انداز میں تذکرہ کر رہے ہیں اس کو شادی کے حادثے سے تعبیر کر رہے ہیں کہ یہ حادثے اچانک ہی ہوتے ہیں اس سے پہلے انسان حسین خواب دیکھتا ہے۔

شادی کی آرزو تو ہے ہر نوجوان کی
شادی کی مشکلات کا اندازہ ہے کیسے!
کتنے حسین خواب تھے، جو خواب ہو گئے
شادی کے حادثات کا اندازہ ہے کیسے![10]

افضل پارس بلدیاتی الیکشن کی جگہ "بلدیاتی جنت" کے حوالے سے قطعہ تحریر کرتے ہوئے اس شوہر کے لیے مزاحیہ انداز میں جنت کی بشارت دے رہے ہیں۔ جو شادی کرنے کے بعد ایسے گھر میں رہتا ہے۔ جس کی بیوی ناظم کا کردار ادا کرتی ہے۔ ہر لمحہ اس کی پوچھ گچھ ہو رہی ہوتی ہے۔ ایسا لگتا ہے اس دنیا میں زندگی دوزخ میں بسر کر رہا ہے۔ اس امید پر کہ اگلے جہاں میں جنت ملے گی۔

اس شادی کے بعد ہی ٹوٹی، تجھ پہ ایک قیامت
تیرے گھر میں تجھ پہ، تیری بیوی ناظم ہے
عمر گزاری ساری تو نے، ایک دوزخ کے اندر
آخر میں تو، تجھ کو پیارے، جنت لازم ہے[11]

شادی کے شوقین حضرات ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری کے دلدادہ ہوتے ہیں۔ اُن کے لیے شادی کرنا ایسے ہے جیسے کار بدلنا۔ اسی حوالے سے مرزا عاصی اختر رنگین مزاج مردوں کا تذکرہ مزاحیہ انداز میں کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

میرے اک دوست ہیں، شوقین بس ان دو ہی چیزوں کے

نیا سال آتے ہی وہ کار اور زوجہ بدلتے ہیں
انھیں ہے شادیوں کا شوق اور اس شوق کی خاطر
کبھی دھندا بدلتے ہیں، کبھی شجرہ بدلتے ہیں[12]

یعنی شادی کی خاطر اپنا حسب نسب اور دھندہ تک بدل دیتے ہیں۔ ایسے افراد پر شاعر نے طنز کیا ہے۔ جو شادی کرنے کے لیے اپنے آپ کو کیا سے کیا بتاتے ہیں۔

سرفراز شاہد تو اپنی غزل میں مزاحیہ انداز میں شادی کو عمر قید سے تعبیر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ اس کی سزا عمر قید تھی پھر شادی کیوں کی

جب علم اس کی سزا عمر قید ہے
پھر جرمِ عقد کے لیے تیار کیوں ہوئے[13]

جو لوگ جلد شادی بیاہ کر لیتے ہیں شادی سے پہلے انھیں وہ لڑکی ملکہ دکھائی دیتی ہے لیکن شادی کے بعد وہی لڑکی کسی ہتھنی سے کم معلوم نہیں ہوتی۔ افضل پارس "عجلہء عروسی" کے بجائے "عجلت عروسی" کا لفظ استعمال کر کے مزاحیہ انداز میں اس شخص کی کیفیت بیان کر رہے ہیں۔ جو شادی سے پہلے لڑکی کو دل کی ملکہ سمجھتا ہے وہی ملکہ شادی کے بعد "ہتھنی" والا نلکا معلوم ہوتی ہے۔ جس کو چلاتے ہی جاتے ہیں "عجلت" کا ذو معنی لفظ استعمال کر کے مضحکہ خیز انداز میں اس شخص کی جلد بازی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جو جلدی میں فیصلہ کرنے کے بعد کس قدر پچھتاتا ہے۔

ایک ذرا تم بات بتاؤ مجھ کو بابا میرے
شادی سے کیوں پہلے لڑکی ملکہ لگتی ہے
اور پھر شادی کو جو، ان کی کچھ عرصہ ہی بیتے
وہ بیوی کیوں "ہتھنی" والا نلکا لگتی ہے[14]

شادی بیاہ کی رسومات اور تقریبات ہمارے معاشرے میں عام ہو چکی ہیں۔ دو لوگ جب رشتہ ازواج میں منسلک ہوتے ہیں، تو پھر اِس خوشی کو منانے کے لیے شادی بیاہ کی تقریبات کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ شادی بیاہ کی انہی تقریبات کے حوالے سے شعراء حضرات نے طنزیہ و مزاحیہ کلام تحریر کیا ہے۔ یہاں تک کہ بعض شعراء نے جیسے دلاور فگار اپنی نظم "اونٹ کی شادی" میں دُلھا کو اونٹ ہی سے تشبیہ دی ہے۔ اس کے لیے علامتی لفظ "اونٹ" استعمال کیا ہے۔

میرے بنے کو مبارک یہ خوشگوار گھڑی
کہ سر کا درد بڑھا، ناک میں نکیل پڑی
سمجھ لیا تھا جسے جانور سواری کا
وہ اونٹ بوجھ اٹھائے گا ذمہ داری کام
میاں شتر کو مبارک، یہ رشتہ شادی
اس کو کہتے ہیں اردو میں قیدِ آزادی
میاں شتر نئی گاڑی لیے سفر کو چلے
مجھے خوشی ہے کہ تم آگئے پہاڑ تلے
مجھے بیاہ کی تصویر بھیج دیں جھٹ پٹ
یہ دیکھنا ہے کہ بیٹھے ہیں آپ کس کروٹ[15]

اونٹ کی ناک میں جیسے نکیل ہوتی ہے۔ اُسی مناسبت سے دلاور فگار نے مزاحیہ انداز میں کہا کہ شادی سر کے درد کے ساتھ ساتھ مرد پر پابندی لگانے کا بھی نام ہے۔ جیسے اونٹ پہاڑ تلے آتا ہے۔ اس محاورے کا استعمال بھی مزاحیہ انداز میں کیا تم شادی کرنے کے بعد پہاڑ تلے آگئے ہو۔ اپنی بیاہ کی تصویر فورًا بھیجنا تاکہ دیکھ سکوں کہ تم کس کروٹ بیٹھے ہو۔ " اونٹ "کا لفظ ذو معنی انداز میں استعمال کیا ہے۔ جیسے اونٹ کس کروٹ بدلتا ہے سے مراد کہ تمھاری شادی کس سے ہو رہی ہے۔ اس محاورے کے استعمال سے مزاح کی چاشنی پیدا کی گئی ہے۔

ڈاکٹر انعام الحق جاوید "شادی اور بادی" کے قطعہ میں شادی کے بعد جس طرح بعض لوگ خوشی سے پھولتے ہیں بعض لوگ ویسے ہی اسی مناسبت سے مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں کہ شادی ہونے کی دیر ہے اس کے بعد جسم نے پھولنا ہی ہے۔

شادی ہونے کی دیر ہے ساری

عادی ہونے کی دیر ہے ساری

پھولنا جسم کا مقدر ہے

بادی ہونے کی دیر ہے ساری[16]

دلاور فگار بروقت شادی ہونے پر اللہ کا شکر بجالا رہے ہیں کیونکہ ہماری قوم میں شادی لیٹ سے کرنے کا رواج عام ہوتا چلا جارہا ہے۔ لڑکیوں کی عمریں نکلتی جارہی ہیں۔ شادی بیاہ میں جو کھانا دیا جاتا ہے اس کے حوالے سے بھی شاعر کہتے ہیں کہ لوگوں کی خالی پلیٹ کو دیکھ کر لگتا ہے کہ شادی کا ڈنر ختم ہونے والا ہے "دعوت ولیمہ "میں مزاحیہ انداز میں منظر کشی کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

کیا حُسنِ انتظام ہے شادی کی بزم میں

جو چیز دیکھئے، وہ قرینے سے سیٹ ہے

بروقت ہوگئی، یہ شادی خدا کا شکر

ورنہ یہاں تو قوم کی گاڑی ہی لیٹ ہے

لو ختم کے قریب ہے شادی کا یہ ڈنر

ہر مہمان کے سامنے خالی پلیٹ ہے[17]

ڈاکٹر انعام الحق " چھمک چھلو" قطعہ میں شادی کے بعد کا مزاحیہ انداز میں نقشہ کھینچ رہے ہیں۔ جس میں انہوں نے "محبت کرنے والے کم نہ ہوں گے" زبان زدِعام مصرعے کو استعمال کر کے ذو معنی بات کی ہے کہ اس کے عاشق شادی کے بعد بھی ہوں گے "محبت کرنے والے کم نہ ہوں گے"۔

تری یہ خوش مزاجی کہہ رہی ہے
"اگر کچھ مشورے باہم نہ ہوں گے"
تری شادی کے کچھ دن بعد تک بھی
"محبت کرنے والے کم نہ ہوں گے"[18]

شادی سے پہلے آپ کی زندگی جتنے سکون سے گزر رہی ہوتی ہے۔ شادی کے بعد کی زندگی میں ایک لمحہ بھی سکون نہیں ملتا کیونکہ بیوی اس کو ایک لمحہ بھی سکون نہیں لینے دیتی۔ اسی پر ڈاکٹر انعام الحق جاوید "غمِ شریک حیات" کے موضوع پر مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں کہ زندگی کے غموں سے بڑھ کر شریک حیات کا غم سب سے بڑا ہے مبالغہ ء آرائی کا استعمال کیا ہے۔

ہوا ہے شادی شدہ جب سے اپنا یار عزیز
سکون سے نہیں گزری ہے اس کی ایک بھی رات
سکون کیسے ہو اس کو جس کو لاحق ہو
غم حیات سے بڑھ کر غمِ شریکِ حیات[19]

دلاور فگار شادی بیاہ میں کھانے کا جس طرح ضیاع ہوتا ہے غریب ماں باپ جس طرح پائی پائی جوڑ کر بیٹی کی شادی کے کھانے کے لیے انتظام کرتے ہیں لیکن اس میں آئے ہوئے مہمان کھانے میں طرح طرح کا نقص نکالتے ہیں اور اس کو ضائع کرتے ہیں۔ اسی حوالے سے طنزاً کہتے ہیں کہ "شادی مت کرو" بظاہر مذاقاً کہا ہے لیکن درپردہ اس میں بہت بڑا طنز ہے۔

کھانا ضائع کیوں ہو شادی بیاہ میں
غور کچھ اس پر بھی اے دانش ورو!
ایک دانشور کا کہنا تو یہ ہے
سب سے اچھا ہے کہ "شادی مت کرو"[20]

سیّد ضمیر جعفری تو شادی ہی کو قید سے تشبیہ دیتے ہیں کہ شوہر شادی کرنے کے بعد قید خانے میں قیدی کی زندگی بسر کرتا ہے۔اس کی زندگی کی ساری آزادی سلب کرلی جاتی ہے "شوہر فریادی" کے انداز میں آہ وفغاں کرتے ہوئے کہتے ہیں۔"شوہر فریادی"

کر لی شا د ی
سلب ہوئی ساری آزادی
قید کڑی اور بے معیادی
کر لی شا د ی
ختم ہوا سب دھوم دھڑکا
اکثر تو چپ چاپ رہتا ہے
آدم زدہ ہکّا بکّا
بیوی سے شوہر فریادی
انتِ مولا۔۔انتِ بادی[21]

ڈاکٹر انعام الحق جاوید تو شادی کے بعد جب میاں بیوی کی اصلیت کھلتی ہے۔اُس پر کچھ اس مزاحیہ انداز میں تحریر کرتے ہیں۔"بعد از شادی"

وہ بھی تھا کب وکیل فقط اہلکار تھا
صرف اس کے پاس چند وکیلوں کی لسٹ تھی
کرتی تھی اور اس کو کلینک سے فون جو
وہ بھی کہاں تھی ڈاکٹر ریسیپشنسٹ تھی[22]

شادی کے بعد اس حقیقت سے پردہ چاک ہوتا ہے جو تلخ ہے کہ وہ وکیل نہیں بلکہ اہلکار تھا۔اسی طرح وہ ریسیپشنسٹ تھی ڈاکٹر نہیں۔

شادی شدہ ہو جانے کے باوجود بھی شوہر اپنے آپ کو شادی شدہ نہیں بتاتے بلکہ باہر یہی ظاہر کرتے ہیں کہ کنوارے ہیں۔ انہی پر طنز کرتے ہوئے ڈاکٹر انعام الحق جاوید "رومانس" کی صورت میں قطعہ لکھتے ہوئے کہتے ہیں۔

گھر میں جنہیں ملتا نہیں کچھ چانس وغیرہ
دفتر میں لڑا لیتے ہیں رومانس وغیرہ
ہر چند بتاتے نہیں ہم شادی شدہ ہیں
بس پیار میں کرتے نہیں ایڈونس وغیرہ[23]

شادی ہو جانے کے بعد وہ مرد جو گھر کے کام کاج کرتے ہیں۔ بیوی کے زن مرید شوہر بن کر کبھی کھانا بناتے ہیں کبھی بچے سنبھالتے ہیں۔ جن کی بیویاں گھر سے زیادہ باہر میں دلچسپی لیتی ہیں۔ انھیں شوہروں کا نقشہ مزاحیہ انداز میں خالد مسعود خان نے کھینچا ہے۔ جو بیوی کی جی حضوری میں گھر کے کام کرتے ہیں۔

ہنڈیا پکا رہا ہوں، بچے کھلا رہا ہوں
جب سے ہوئی ہے شادی آنسو بہا رہا ہوں[24]

ii۔ بیوٹی پارلر:

بناؤ سنگھار عورت کا حق ہے۔ ہر لڑکی کی یہ فطری خواہش ہے کہ وہ دوسرے سے زیادہ حسین لگے۔ اس مقصد کے لیے لڑکیاں بیوٹی پارلر کا رُخ کرتی ہیں تا کہ وہ حسین سے حسین نظر آئیں اور ان جیسا کوئی بھی نہ لگے۔ کسی بھی محفل میں جائیں تو سب کی نظریں اُن پر ہوں۔ وہ دوسروں سے منفرد نظر آئیں لیکن بعض اوقات بیوٹی پارلر والی اُن کا ایسے میک اَپ کرتی ہیں کہ اُن کے اصل چہرے کے خدوخال پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے۔ بوڑھیوں کو بھی ایسی نوجوان کلی بنا دیتی ہیں کہ میک اپ کے بغیر اُن کو پہچانا نہیں جا سکتا۔ محبوب عزمی بھی اپنے قطعہ میں اِسی طنز کا اظہار کر رہے ہیں کہ میک اَپ کے بغیر دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔

نکلیں جو پارلر سے تو نوخیز سی لگیں

گو عمر اُن کی خیر سے چالیس سال تھی
میک اپ بغیر دیکھا جو میڈم کو صبح دم
اجڑے ہوئے چمن کی وہ زندہ مثال تھی[25]

میک اپ کا جادو تھا کہ چالیس برس کی عمر میں بالکل نوخیز سی لگیں لیکن اِن حسینہ کو صبح سویرے میک اپ کے بغیر دیکھا تو ایسا لگا جیسے چمن اجڑا ہوا ہو۔ اس میں ویرانہ ہی ویرانہ ہو۔

ڈاکٹر انعام الحق جاوید تو عورتوں کی زندگی میں میک اپ کو ایسے لازم وملزوم سمجھتے ہیں جیسے انسان کے ساتھ اس کا سایہ عورتوں کا بس چلے تو مرتے ہوئے بھی میک اپ میں جائیں۔ اسی طرح کا طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

مرتے ہوئے کل ایک عفیفہ پکار اٹھی
دفنانہ دیجئیو مجھے میک اپ کیے بغیر[26]

بیوٹی پارلر والی اپنے ہاتھوں کا جادو اس طرح چلاتیں ہیں کہ یہ معلوم کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ اس میں سے ا صل شکل کون سی ہے۔ انعام الحق جاوید نے اپنے قطعہ "بیوٹی پارلر" میں کچھ ایسا ہی نقشہ کھینچا ہے کہ جتنی دیر میں میں بجلی چمکتی ہے اور بادل گرجتا ہے۔ اتنی دیر میں بیوٹی پارلروالی عورتوں کا کیا کرشمہ دکھاتی ہیں کہ جو پارلر کے اندر گئی تھی۔ وہ مائی جیسی تھی لیکن جب باہر آئی تو وہ لڑکی تھی۔ "مائی" اور "لڑکی" کا لفظ طنزاً استعمال کیا ہے۔

میں جتنی دیر میں آیا، بس اتنی دیر کے اندر
کوئی بادل دل سا گرجا ہے، کوئی بجلی سے کڑکی ہے

کرشمہ کیا بتاؤں تم ،کو بیوٹی پارلر کا
گئی اندر تومائی تھی ،جو نکلی ہے،تو لڑکی ہے[27]

زاہد فخری نے پیروڈی کے انداز میں "محبت کرکے بھی دیکھا محبت میں بھی دھوکا ہے" کے مصرعے کو استعمال کرتے ہوئے لڑکے اور لڑکی کے درمیان مکالمہ کی شکل میں نظم لکھی ہے۔ جس میں وہ شکوہ کرتے نظر آتے

ہیں کہ میں اس کے حسن میں گرفتار ہو گیا تھا اور یہ سمجھا تھا کہ اس کی آنکھیں خوبصورت ہیں۔ اس تمام حسن و جمال کے پیچھے بیوٹی پارلر والوں کا کمال تھا۔

غبار حسن کے پیچھے بیوٹی پارلر نکلا
میں نیلے لینز میں ڈوبا تو جاکر کا شغر نکلا[28]

سرفراز شاہد نے تو یہ کہا ہے کہ نسوانی حُسن کے پیچھے اصل کمال عورت کا نہیں ہے بلکہ مختلف مصنوعی سہاروں کا جو سہارا لیا جاتا ہے۔ اس کے بعد بدصورت سے بدصورت چہرا بھی حسین و جمیل دکھائی دیتا ہے یعنی عورتوں کو اتنی تیاری کرنی پڑتی ہے تب جاکر حسین لگتی ہیں۔ اس حوالے سے مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں۔

سینٹ کے، کجلے کی، اور غازے کی گلکاری کے بعد
وہ حسین لگتی ہے لیکن کتنی تیاری کے بعد[29]

سرفراز شاہد بیوٹی پارلر میں خرچ ہونے والی رقم کو عورتوں کے حسن کا صدقہ قرار دیتے ہوئے مردوں کو طنزًا حوصلہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ

جو بیوٹی پارلر میں خرچ ہو
اس کو اپنے حسن کا فطرانہ کہہ[30]

عنایت علی خاں بنا میک اپ میں جب کسی کو دیکھ بیٹھے ہیں تو پھر اپنے آپ کو کوس رہے ہیں کہ یہ کام میں نے کیوں کیا ہے۔ میری آرزوؤں کا قتل ہو گیا ہے۔ یہاں میک اپ کی وجہ سے جنس تبدیل ہونے میں بھی کوئی دیر نہیں لگتی۔ میرے ساتھ بھی ایسا دھوکا ہوا ہے۔

بلا میک اپ اسے دیکھا ہو کیوں تھا
تمناؤں کا کونڈا ہو گیا نا!
بدلتے جنس لگتی ہے کوئی دیر
فضیحت سے فضیحتا ہو گیا نا![31]

یعنی میک اپ کا کمال ہے کہ دیر نہیں لگتی کہ یہاں تک کہ لڑکی سے لڑکا اور لڑکا سے لڑکی ہو جاتے ہیں۔

نیاز سواتی خواتین کو میک اپ میں دیکھ کر یہ توجیع بیان کرتے ہیں۔ جب کبھی آپ کو خواتین میک اپ میں نظر آئیں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ بازار شاپنگ پر جار ہی ہیں۔ خواتین اپنے خاوند کے بجائے دوسرے کو دکھانے کے لیے زیادہ سے زیادہ تیار ہوتی ہیں۔ اسی طرح طنز بھرے انداز میں کہتے ہیں۔

میڈم نے بازار کو شاید شاپنگ کرنے جانا ہے

اسی لیے میک اپ سے اس نے چہرے کو چمکایا ہے[32]

خواتین جس طرح اپنے آپ کو میک اپ سے تھوپ کر باہر نکلتی ہیں۔ ان کو دیکھ کر ڈر لگ جاتا ہے کیونکہ سر سے لے کر پاؤں تک اپنے آپ کو مختلف سازوسامان سے لیس کیا ہوا ہوتا ہے۔ اسی حوالے سے طنز کا نشانہ بناتے ہوئے کہتے ہیں۔ اس طرح مسّلح ہو کر نکلتی ہیں جیسے ہتھیار اپنی حفاظت کے لیے ساتھ لے کر چل رہی ہوں۔ اسی حوالے سے طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں حکومت نے ہتھیاروں کی نمائش پر پابندی لگائی ہوئی ہے۔ اپنے قطعہ "ہتھیاروں کی نمائش" میں طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

لپ اسٹک، نیل پالش رَوج، کجلا اور مسکارا

سَر زلفوں کا جوَڑا، گورے ہاتھوں کی حنا بندی

مسّلح ہو کے میک اپ سے خدارا گھر سے مت نکلو

حکومت نے لگا رکھی ہے ہتھیاروں پہ پابندی[33]

یہاں میک اپ کے بہت سے فائدے ہیں وہاں اس کے نقصانات بھی بہت ہیں۔ شادی کے موقع پر لڑکیاں اپنے روپے خرچ کرکے اپنا میک اپ کرواتی ہیں اور ڈر کے مارے رخصتی پر رو نہیں سکتیں۔ کہیں ان کا میک خراب نہ ہو جائے اس حوالے سے مرزا عاصی اختر نے قطعہ "رویا نہیں جاتا" میں طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

بن کے دُلھن، آرام سے سویا نہیں جاتا

چہرے کو بھی اشکوں سے بھگویا نہیں جاتا

برباد نہ کر دیں کہیں، میک اپ ترے آنسو
اس خوف سے جی کھول کے، رویا نہیں جاتا[34]

عورتیں میک اپ کی شوقین ہوتی ہیں کسی موقعے پر بھی میک اپ کے بغیر کہیں نہیں جاتیں۔

ڈاکٹر انعام الحق جاوید اپنے قطعہ "صراحی دار گردن" میں اِسی حوالے سے مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں کہ عورتیں دفناتے ہوئے بھی یہی کہیں گی کہ مجھے میک اپ کے بغیر مت دفنانا۔

عورت اور بسر کرے گپ شپ کیے بغیر
محفل میں آئے اور چلے ٹپ ٹپ کئے بغیر
مرتے ہوئے کل ایک عفیفہ پکار اٹھی
دفنانہ دیجیو مجھے میک اپ کئے بغیر[35]

شاہد الوری نے اپنے قطعہ میں مزاحیہ انداز میں تضمین کا استعمال کیا ہے کہ اس کی اصل صورت دیکھ کر میں اپنے دل کو روؤں یا جگر کو پیٹوں۔ میری نظر دھوکا کھا گئی اُس نے میک اپ کیا ہوا تھا۔ جب قریب سے دیکھا تو وہ پچپن برس کی تھی

میک اپ سے ان کے کھا ہی گیا دل میرا فریب
اب آپ بتائیں کیوں کیا نظر کو میں
دیکھا قریب سے تو وہ پچپن برس کی تھیں
"حیران ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں"[36]

سرفراز صاحب نے اپنی نظم "فیشن کدہ" میں زبان زدِ عام مصرعے "نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا نے دی" معمولی ردوبدل کے ساتھ میک اپ اور بیوٹی پارلر کے حوالے سے نظم لکھی ہے۔ جس میں بیوٹی پارلر والیاں اس طرح میک اپ کر کے دُلھنوں کو تیار کرتی ہیں کہ ان کا اصل چہرہ پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے۔ ساری نظم مزاحیہ انداز میں اسی تناظر میں لکھی گئی ہے۔

کبھی اس پہ توجہ بھی کسی کافر ادا نے دی؟

"نہیں محتاج میک اَپ کا جسے خوبی خدا نے دی"

کوئی اس فکر میں غلطاں کہ رنگت اس کی کالی ہے

مگر اگلے مہینے اس کی شادی ہونے والی ہے

بیوٹی پارلر اِن جیسوں کو پار کرتا ہے

مناسب فیس لے کر دُلھنیں تیار کرتا ہے

جو اس فیشن کدے میں بھول کر اک بار آتی ہے

وہ دُلھن بعد شادی پھر یہاں سو بار آتی ہے[37]

نوجوان لڑکیاں تو لڑکیاں بوڑھی عورتیں بھی میک اپ کرتی ہیں۔ اُن کو دیکھ کر بے اختیار ہنسی آجاتی ہے۔ نوجوان لڑکے تو ان پر جملہ کستے ہوئے بھی نہیں تھکتے۔ اسی طرح شاہد الوری نے بھی مزاحیہ انداز میں بوڑھی عورتوں کے میک اپ کے انداز پر ضرب الامثال کے حوالے سے طنز کیا ہے۔

میک اپ کر کے نکلی وہ گھر سے

جھٹکے کھاتی گام بہ گام

پیچھے سے کچھ لڑکے چیخے

"بوڑھی گھوڑی لال لگام"[38]

بیوٹی پارلر سے دُلہن اس طرح تیار ہو کر آتی ہے جسے دیکھ کر گھر والے بھی اس کو پہچاننے سے انکار کر دیتے ہیں ۔ جس طرح دیواروں پر پلستر کیا جاتا ہے تا کہ خوبصورت نظر آئیں۔ اسی طرح چہرے پر ایسا غازہ کیا جاتا ہے کہ پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے۔ انور مسعود بھی اپنے قطعہ " تازہ بہ غازہ" میں میک اپ کو پلستر سے تشبیہ دیتے ہوئے مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں۔

رخ زیبا پلستر در پلستر

عجب کوہان سا اندھا ہے

ٹھٹھک کر رہ گئی ہے والدہ بھی

دُلھن آئی ہے بیوٹی پارلر سے[39]

آج کل بیوٹی پارلر پر خواتین اپنے آپ کا بناؤ سنگھار کرنے جاتی ہیں۔ دُلھنیں بھی بیوٹی پارلر میں تیار کی جاتی ہیں۔ سرفراز شاہد مزاحیہ انداز میں معاشرے میں بدلتی ہوئی اقدار کا تذکرہ کر رہے ہیں۔ اب گھروں میں تیار ہونے کی بجائے ماں باپ کی خواہش پر لڑکیاں دُلھن بننے کے لیے بیوٹی پارلر جاتی ہیں۔

بروز عقد وہ فیشن کدے پہنچی دھڑلے سے
کہ شامل پیشگی تھی، اس میں بابل کی رضامندی
گھروں میں آج کل کب دُلھنیں تیار ہوتی ہیں
"بیوٹی پارلر" کرتا ہے لیلیٰ کی حنا بندی[40]

میک اپ میں لڑکیاں اتنی خوبصورت لگتی ہیں کہ جو اِن کو ایک بار دیکھ لیتا ہے بار بار دیکھنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ سارا کمال اِس میں میک اپ کا ہوتا ہے کیونکہ میک اپ کی بدولت بوڑھی بھی جوان دکھائی دیتی ہیں۔ اِسی حوالے سے افضل پارس طنز کرتے ہوئے "نیم برہنہ ایشو" قطعہ میں کہتے ہیں کہ میک اپ کی بدولت اِن کی عمر چھپ جاتی ہے۔ ایک ہی جگہ رُک جاتی ہے۔

میک اپ کی بدولت لڑکیاں اتنی حسین و جمیل لگتی ہیں کہ پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہر طرف انہی کے حسن کے چرچے ہوتے ہیں۔ جس کو دیکھ کر اکثر ہم دھوکا کھا جاتے ہیں۔ میک اپ میں تو وہ جوان لڑکی لگتی ہے لیکن اصل میں اس کی ماں ہوتی ہے۔ افضل پارس اپنے "کارستانی" قطعہ میں اسی طرح کی منظر کشی کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

جس نے جھلک ہے دیکھ لی اس کے جمال کی
خواہش ہزار بار کی اس نے وصال کی
میک اپ کا اس پہ دیکھنا کتنا کمال ہے
پچھلے جو بچّی 25 سال سے ہے بیس سال کی[41]

لڑکیوں کا آج کل میک اپ کے بغیر دکھائی دینا بہت مشکل نظر آتا ہے۔ ہر لڑکی نے اپنے چہرے کو ہزاروں پردوں میں چھپایا ہوا ہوتا ہے۔ ان مصنوعی سہاروں کے بجائے کوئی اصلی حالت میں بغیر میک اپ کے دکھائی دے تو بڑا عجیب محسوس ہوتا ہے سرفراز شاہد اسی حوالے سے کہتے ہیں۔

میک اپ بغیر اب اگر آئے کوئی نظر

چہروں میں وہ عجیب سا چہرہ دکھائی دے[42]

ایک اور جگہ مرزا عاصی اختر مزاحیہ انداز میں لڑکیوں کو اپنی اصلی حالت میں رہنے کی تلقین کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

اتنے میک اپ نہ تھوپیے جاناں

کچھ تو رہیے حدودِ قدرت میں[43]

انور مسعود تو یہ مشورہ بھی دیتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کہ تمھیں اپنی ذات کے ساتھ انصاف کرنا چاہیے۔ اپنا خیال رکھنا چاہیے۔ اللہ تعالی نے تمھیں خوبصورت پیدا کیا ہے۔ میک اپ کے بغیر تم زیادہ حسین ہو۔ اس عارضی سہارے کی ضرورت نہیں ہے۔

اتنا میلا تو نہیں ہے تیرا چہرہ جانِ من

یہ ضروری ہے کہ اپنے ساتھ کچھ انصاف کر

میں تجھے اک مشورہ دیتا ہوں ہو اس کو مان لو

آئینہ تو صاف ہے، عینک کے شیشے صاف کر[44]

میک اپ کی بدولت لڑکیاں اتنی حسین اور جمیل لگتی ہیں کہ پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہر طرف انہی کے حسن کے چرچے ہوتے ہیں۔ اس کو دیکھ کر اکثر ہم دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ میک اپ میں تو وہ جوان لڑکی لگتی ہے لیکن اصل میں اس کی ماں ہوتی ہے۔ افضل پارس اپنے "کار۔ستانی" قطعہ میں اس طرح کی منظر کشی کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

جس کے حسن کی رعنائی کا ہر سو ہی اب چرچا ہے
پروانوں کے بیچ وہ ہو تو شمع ہوتی ہے
میک اپ میں جو اکثر ہم کو بلو لگتی ہے
میک اَپ اترے تو بلو کی اماں لگتی ہے[45]

سرفراز شاہد اپنے قطعہ "فیشنی تماشا" میں آج کل خواتین کے حسن وجمال کے حوالے سے ہر وقت اِن تماشوں کا دیدار کرنے کے لیے بیوٹی پارلر کے چکر لگاتے ہوئے اُن لڑکوں کا تذکرہ کیا ہے۔ جو اگر کسی لڑکی کو بغیر میک اپ کے دیکھ لیں تو وہ چہرہ انھیں بڑا عجیب دکھائی دیتا ہے۔ پورا معاشرہ فیشن کے ان تماشوں کو دیکھتا رہتا ہے جس کی وجہ سے اب اگر اِس مصنوعی دنیا میں بغیر میک اپ کے نظر آئے تو چہرہ عجیب سا دکھائی دے ۔

فیشن پرست ہوگئے چھوٹے بڑے سبھی
ہر شخص دیکھنے میں تماشا دکھائی دے
میک اپ بغیر اب اگر، آئے کوئی نظر
چہروں میں وہ عجیب سا، چہرہ دکھائی دے[46]

عنایت علی خان نے مزاحیہ انداز میں اپنے قطعہ "کچھ" میں میک اپ کی وجہ سے فلائٹ کے لیٹ ہونے کی جو توضیح بیان کی ہے۔ اس کو پڑھ کر بے اختیار ہنسی لبوں پر آ جاتی ہے۔ ایک ائیر ہوسٹس کی میک اپ کی وجہ سے فلائٹ میں تاخیر ہوگئی ہے۔

چار گھنٹے جو ہوئی لیٹ فلائیٹ کل رات
منتظر لوگوں میں یہاں احقر دلگیر بھی تھا
کسی ہوسٹس کے تھی میک اپ میں کمی "کچھ" باقی
ہوئی تاخیر تو "کچھ" باعثِ تاخیر بھی تھا[47]

بیوٹی پارلر والی کس طرح حسین و جمیل چہرے کو بدل کر رکھ دیتی ہے۔ لڑکیوں کی ساری معصومیت ختم ہی ہو جاتی ہے۔ ان کا حسن ماند پڑ جاتا ہے۔ بیوٹی پارلر میں جس سادگی کے ساتھ جاتی ہیں۔ جب وہ باہر نکلتی ہیں تو آفت کی پڑیا لگتی ہیں۔

سرفراز شاہد اسی حوالے سے مزاحیہ انداز میں اپنے قطعہ "بیوٹی پارلر" میں کہتے ہیں۔

بیوٹی پارلر جانے سے پہلے
مجھے وہ اک معصوم بڑھیا لگ رہی تھی
مگر میک اپ کرا کے جب وہ نکلی
تو پھر آفت کی پڑیا لگ رہی تھی[48]

اسی موضوع کے حوالے سے سے سرفراز شاہد ایک اور جگہ یوں رقم طراز ہیں۔

"میک اپ" سے یوں بگاڑ لیں لوگوں نے صورتیں
خود آئینے بھی دیکھ کے حیرانیوں میں تھے[49]

شوہر حضرات تو بیویوں کے میک اپ سے اس طرح تنگ آ چکے ہیں کہ اللہ تعالی سے دعائیہ انداز میں 1لتجا کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ یا اللہ مجھے اتنا مال و زر دے کہ میں اس کے میک اپ کا سامان خرید سکوں یا میک اپ کا سامان سستا کر دے۔ افضل پارس مزاحیہ انداز میں ایسے شوہر کی فریاد سنا رہے ہیں۔

یا تو اک دن تجھ کو پیاری میری ہستی ہو جائے
یا پھر مولا! میک اپ کی ہر چیز سستی ہو جائے
یا پھر دے دے مال و زر کا ایک خزانہ مجھ کو
یا بیوی پہ مولا میری بالا دستی ہو جائے[50]

ڈاکٹر مظہر عباس رضوی نے تو پوری نظم "بیوٹی پارلر میں "اس دُلھن کی گزارش لکھ کر اس صورت حال کو بیان کیا ہے۔ جو بیوٹی پارلر والی سے اس بات کی درخواست کر رہی ہے کہ مجھے اتنا تیار کرو کہ مجھے دیکھ کر دُلہا دنگ رہ

جائے۔ طنز و مزاح کی اس کیفیت کو ڈاکٹر مظہر عباس رضوی نے علامہ اقبال کی نظم کی لَے میں لکھ کر ہمارے معاشرے میں پائی جانے والی اس خرابی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

بیوٹی پارلر میں

(بیوٹیشن سے دُلھن کی گزارش علامہ اقبال سے معذرت کے ساتھ)

دورِ خزاں کو اس طرح موسم پُر بہار کر کر
"میں ہوں حذف تو مجھے گوہر شا سوار کر"
دیکھیں جو وہ تو دنگ ہوں، ایسی دُلھن بنا مجھے
"ہوش و خرد شکار کر، قلب و نظر شکار کر"
حسن نظر کے واسطے میک اپ کی تہہ پہ تہہ چڑھا
"مجھ کو بھی بے قرار کر، اُن کو بھی بے قرار کر"
زلفوں میں ڈال ایسے بل، شوہر الجھ کر گر پڑے
"گیسوئے تابدار کو اور بھی تابدار کر"
میک اپ کر احتیاط سے، ایسا نہ ہو کہ پھر کہیں
"آپ بھی شرمسار ہو، مجھ کو بھی شرمسار کر"
ہو جائیں دیکھ کر مجھے، بس وہ بہ یک نظر فدا
حُسن کمال اس طرح چہرے پہ آشکار کر
آساں نہیں سنگھار یہ، کر اس کو دیکھ بھال کے
مجھ کو نہ ایسے چھوڑ دے دو چار ہاتھ مار کر
یہ کہا کہ مجھ چھوڑ کر اس کو بناتی ہے دُلھن
"یا مجھے ہمکنار کر یا مجھے بے کنار کر"
ٹائم پہ بھیج دے مجھے ایسا نہ ہو کہ وہ کہیں

"کارِ جہاں دراز ہے اب میرا انتظار کر"[51]

خواتین نے اتنا میک اَپ کیا ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے اُن کا اصل چہرہ دکھائی نہیں دیتا۔ ایسا لگتا ہے، اُس نے اپنے چہرے کو پردے میں چھپا رکھا ہے۔ امیر الاسلام ہاشمی اسی حوالے سے طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس ملبے سے اصل چہرہ تلاش کرنا بہت مشکل ہے۔

بہت مشکل تھا جن کو ڈھونڈنا میک اَپ کے ملبے سے
سو اندازے سے اُن کا بانکپن لکھنا پڑا مجھ کو[52]

رخسانہ نازی نے تو اپنی طبیعت کے بگڑنے کا اصل مقصد یہ بیان کیا ہے کہ شوہر جب سے بیوی کو بغیر میک اَپ کے دیکھ لیا ہے اُس وقت سے اس کی حالت غیر ہے۔ اسی بات کو طنزیہ انداز میں کہہ رہی ہیں۔

کیسے بتلائیں ڈاکٹر صاحب یہ ماجرا
برہم طبیعت اُن کی یہ کس بات سے ہوئی
میک اَپ بغیر دیکھا تھا بیوی کو ایک شب
حالت خراب ان کی اسی رات سے ہوئی[53]

iii۔ عشق:

محبت اور عشق کی باتیں چاہے شادی سے پہلے ہوں یا شادی کے بعد۔ کسی بھی انسان کی زندگی میں بنیادی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ کیونکہ شادی سے پہلے کیا گیا عشق شادی کے بعد میں کئے گئے عشق سے مختلف ہوتا ہے ۔ ہمارے شعراء حضرات نے عشق، عاشق اور رقیب کو اپنی شاعری کا موضوع سخن بنایا ہے۔ چاہے وہ سنجیدہ شاعری کرنے والے ہوں یا مزاحیہ عشق اپنی جولانیوں کے ساتھ ہر جگہ دکھائی دیتا ہے۔ عشق حقیقی اور عشق مجازی کا تذکرہ تو ہماری شاعری کی روایت میں بھرا پڑا ہے۔ شعراء حضرات کا سب سے پسندیدہ موضوع بھی یہی رہا ہے۔ اسی طرح طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں ازدواجی حوالے کے ساتھ ساتھ شادی سے پہلے عشق اور شادی کے بعد بیوی یا محبوبہ سے عشق و محبت کے قصّے طنزیہ اور مزاحیہ انداز میں بیان کرکے زیرلب تبسّم کی سی کیفیت پیدا کی ہے۔ اردو طنز و مزاح میں زیادہ تر لکھنے والا طبقہ مرد حضرات پر مشتمل ہے۔ اس لیے انہوں نے

شاعری میں رقیب کی بجائے محبوبہ کا تذکرہ کیا ہے۔ جو اس معاشرے میں مرد کی حاکمیت کو ظاہر کرتا ہے۔ جس میں رقیب کا تذکرہ شاذونادر ہی دکھائی دیتا ہے ۔ عشق انسان کی ضرورت ہے چاہے وہ شادی شدہ ہو یا کنوارا۔ اسی حوالے سے مزاحیہ انداز میں اس خواہش کا اظہار مرزا عاصی اختر اپنے قطعہ " شرط " میں کرتے ہیں۔

کیوں کنواروں ہی تک رہے محدود
یہ تو ایک شرط آدمیت ہے
بیوی والا ہو کوئی یا رنڈوا
عشق انسان کی ضرورت ہے[54]

ڈاکٹر مظہر عباس اپنے قطعہ "نصیحت" میں علامہ اقبال کے مصرعے کی تضمین استعمال کر کے مزاحیہ انداز میں کہہ رہے ہیں کہ عشق کے جنون سے بہتر کوئی جنوں نہیں ہے۔ تمھیں حسین و جمیل چہروں سے تعلقات پیدا کرنے چاہیے کیونکہ علامہ اقبال نے بھی اس کے حوالے سے کہا ہے۔

جنون عشق سے بہتر نہیں ہے کوئی جنوں
تعلقات حسینوں سے عام پیدا کر

یہ دیکھ شاعرِ مشرق بھی کہہ رہے ہیں یہی
"دیار عشق میں اپنا مقام پیدا کر"[55]

علامہ اقبال کے مصرعے کو بطورِ تضمین استعمال کر کے مزاحیہ رنگ بھرا ہے۔

شادی سے پہلے اور شادی کے بعد کے عشق میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ شادی سے پہلے محبوب کو حاصل کرنے کے لیے اس کے راستے میں آنے والی ہر چیز کو تہس نہس کر دیا جاتا ہے۔ یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کا محبوب اس کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارے۔ اس سے شادی کرنے کے چکر میں ابّا کو بھی دشمن بنالیا جاتا ہے لیکن

وہ لڑکی جو گھر میں بیگم بن کر آتی ہے تو سب کو ناکوں چنے چبوا دیتی ہے۔ افضل پارس اپنے قطعہ "بے وفا۔ قی حکومت" میں اِسی دکھتی ہوئی رگ کو طنزاً بیان کر رہے ہیں۔

اس مغرور کے بت کو آخر اس لڑکی نے توڑا ہے
جو کہتا تھا میرے عشق میں ابا ہی اک روڑا ہے
جس لڑکی سے شادی کر کے دشمن دنیا کر لی تھی
اس لڑکی نے اس کو ہی پھر پاگل کر کے چھوڑا ہے[56]

عشق کرنے کے بعد جب وہ بیوی بن کر آتی ہے۔ تو سب کو پاگل کر کے دم لیتی ہے۔ اس سے دور رہا نہیں جا سکتا۔ اس کے ہر حکم کی تعمیل کی جاتی ہے۔ اس کی محبت میں گرفتار ہونے کی وجہ سے اس کے سامنے چُوچرا اس نہیں کی جاتی اور وہ عاشق ہونے کی بنا پر مزدوروں سے بھی بدتر زندگی بسر کرتا ہے۔ افضل پارس نے ایسی عورت کے لیے "مینٹل وومن" کا لفظ استعمال کر کے مزاح تخلیق کیا ہے۔

میں بھی تو اس سے ہوتا نہیں دور جان کر
خود کو مجھ سے ملتی ہے کیوں حور جان کر
عاشق ہوں اس لیے ہوں میں نوکر بنا ہوا
لیتی ہے مجھ سے کام وہ مزدور جان کر[57]

عشق و محبت کے کھلاڑی ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ جو کھیل کھیلتے ہیں۔ ان کے درمیان میں جو معاملات ہوتے ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مخلص نہیں ہیں۔ ڈاکٹر انعام الحق جاوید "محبت کا پلئیر" قطعہ میں کچھ ایسی ہی کھلاڑیوں کی داستان طنزیہ انداز میں بیان کرتے ہیں۔ جس میں انہوں نے انگریزی الفاظ کی پیوند کاری کی ہے۔

نہ یہ fair، نہ ہے وہ اس سے fair
چلا ہے ان میں لیکن کیا affair

ہے وہ تو شادی کے چکر میں لیکن

یہ ہے خالص، محبت کا player[58]

محبت کا یہ کھیل محض افیئر تک ہی محدود ہوتا ہے۔ جس میں شادی کا جھنجھٹ نہیں پالا جاتا بلکہ صرف وقت گزاری کی جاتی ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ عشق و محبت کے طور طریقے بھی بدلتے جاتے ہیں۔ اس حوالے سے شعراء حضرات نے وقت کے گزرتے ہوئے حالات وواقعات کو مد نظر رکھتے ہوئے طنزیہ اور مزاحیہ شاعری میں بھی اس کو اسی حوالے سے بیان کیا ہے۔ آج کل سائنس کا زمانہ ہے ایک وقت تھا جب انسان چاند کو صرف دیکھ سکتا تھا۔ آج انسان چاند سے آگے کی دنیا کو تسخیر کر رہا ہے۔ پہلے شعراء حضرات اپنے محبوب کو چاند سے تشبیہ دیتے تھے۔ جس کو سن کر محبوب کا دل باغ باغ ہو جاتا تھا لیکن آج جب چاند کی حقیقت معلوم ہو چکی ہے۔ اسی حوالے سے محبوب کو چاند سے تشبیہ دی جاتی ہے تو وہ ناراض ہو جاتا ہے۔ سرفراز شاہد بھی" تسخیرِ ماہتاب "قطعہ میں مزاحیہ انداز میں محبوب کی ناراضگی کی توجیع پیش کر رہے ہیں۔

اب عشق بھی محال ہے، سائنس کے دور میں

جو ان دنوں ہوا ہے، وہ پہلے ہوا نہیں

اس واسطے خفا ہے مری جانِ آرزو

اک روز کہہ دیا تھا اسے چاند سا حسیں[59]

پیار و محبت کے راستے پر جو بھی چل پڑتا ہے۔ اسے ہر طرف سے طعن تشنیع کا ہی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ چاہے وہ شادی شدہ ہو یا کنوارا اس کی زندگی میں شادی سے پہلے بھی رسوائی ہوتی ہے اور شادی کے بعد بھی۔ اسے اس خفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دنیا والے اس کو پاگل کہیں یا دیوانہ۔ یہ سب ان کی سوچ کا کمال ہے۔ لیاقت علی لیاقت "محبت" کے قطعہ میں مزاح کے پردے میں نصیحت کر رہے ہیں۔

اس پیار محبت میں ہوتا ہے یہی بھائی

آغاز بھی رسوائی انجام بھی رسوائی

اب اہلِ خرد سمجھوں یا اہلِ جنوں ان کو

جو لوگ لیاقت کو کہنے لگے سودائی[60]

محمد طٰہٰ خان غالب کے مصرعے "شرم تم کو مگر نہیں آتی" کی تضمین استعمال کر کے بوڑھے لوگوں کو بڑھاپے میں عشق کرنے سے باز رہنے کی تنبیہ مزاحیہ انداز میں کرتے ہیں۔

اس بڑھاپے میں عشق اف اللہ!

"شرم تم کو مگر نہیں آتی"[61]

عشق و محبت کے قصے چھپ نہیں سکتے بلکہ سب کو اس بات کی خبر ہو جاتی ہے۔ اسی ڈر اور خوف کے مارے کے اہل محلہ کو خبر نہ ہو جائے۔ مرزا عاصی اختر محلہ بدل کر عشق کرنے والوں کی حالت زار کا ذکر مزاح کے پیرائے میں بیان کر رہے ہیں۔

اب دوسرے مقام پہ فرمارہا ہوں عشق

اپنی گلی میں تو بڑی رسوائیاں ہیں[62]

ڈاکٹر شاہد الوری نے اپنی غزل میں آج کل کے زمانے میں ایسی حسینوں و جمیل دلربا کی تلاش میں سرگرداں نوجوانوں کی داستان کو مزاح کے پیرائے میں قلمبند کیا ہے۔ جب سے اس راستے پر چلے ہیں ہمارے دل کی دھڑکن بند ہو گئی ہے۔ محبوب سے پٹنے کے بعد ہمیں اپنی ابتدا اور انتہا کی خبر نہیں ہے۔

عشق کرنے کو کوئی شیریں ادا ملتی نہیں

دور قیس و کوہکن سی دلربا ملتی نہیں

ایسا سناٹا ہوا ہے عشق میں پٹنے کے بعد

ڈھونڈھتے ہیں دل دھڑکنے کی ملتی نہیں[63]

ڈاکٹر مظہر عباس رضوی اپنی نظم "پہلے اس کی فکر میں دبلا ہوا" میں عشق کے پیچ و خم کے ساتھ ساتھ اس شوہر کی حالت زار کو طنز و مزاح کے پیرائے میں بیان کر رہے ہیں۔ جو شادی سے پہلے اس کی محبت میں مارا مارا پھرتا تھا لیکن شادی ہو جانے کے بعد مہنگائی کے دور میں اس کو جو پاپڑ بیلنے پڑے۔ جس کی بدولت عشق و محبت سب قصہ پارینہ بن گئے۔

پہلے اس کی فکر میں دبلا ہوا
شادی کر کے اور بیچارہ ہوا
عاشقی کی اور پھر شادی بھی کی
جرم سرزد اس سے دوبارہ ہوا
دورِ مہنگائی میں کرلی نوکری
قیس بھی دفتر میں ہر کارہ ہوا
مضمحل تھے جسم و جاں کب بے سبب
تھا وہ مظہر عشق کا مارا ہوا[64]

شادی سے پہلے عشق و محبت کی باتیں بڑی دلفریب لگتی ہیں۔ ہر لمحہ اسی سحر میں انسان جکڑا رہتا ہے ایک دوسرے کے حسن و جمال کی تعریف و توصیف بیان کی جاتی ہے۔ شادی ہو جانے کے بعد انسان جب گھر داری کے جھمیلوں میں الجھتا ہے۔ تو سارا عشق جھاگ کی طرح بیٹھ جاتا ہے۔ خالد مسعود خان بھی ایسے ہی عاشق کی بپتا مزاحیہ انداز میں کہہ رہے ہیں۔

مصالحہ پیس رہا ہوں شب وصال کے بعد
سب عشق وشق گھریلو امور میں اٹکا[65]

یعنی شادی کے بعد بیگم مصالحہ پیسنے پر کس طرح لگاتی ہے۔ اس کو خالد مسعود خان نے طنزاً مصالحہ پیسنے سے کہا ہے چاہے کھانے کے لیے مصالحہ پیسنا ہو یا بیگم کے ہاتھوں پیسنا ہو۔

ایسے لوگ جو شادی کے بعد بھی عشق و محبت کرتے ہیں۔ انھیں اپنا قدم پھونک پھونک کر رکھنا پڑتا ہے کیونکہ دنیا والے ہر لمحے اسی ٹوہ میں لگے ہوتے ہیں۔ وہ پیار کے دشمن ہوتے ہیں۔ انور مسعود اپنی قطعہ "لوک لاج" میں میں ایسے ہی بیوی بچوں والوں کی داستان عشق مزاحیہ انداز میں بیان کر رہے ہیں۔

لوگ تو رہتے ہیں ہر لمحے ٹوہ میں ایسی باتوں کی

پیار محبت کے ہیں دشمن دل کے ایسے کالے ہیں

دیکھیئے کچھ محتاط ہی رہیئے اس جاسوس زمانے سے

میں بھی بچوں والی ہوں اور آپ بھی بچوں والے ہیں[66]

عشق و محبت ناکام ہونے والے اپنی قسمت کا رونا ہوتے رہتے ہیں۔ محبت میں ناکامی پر دنیا کو آگ لگانے کو بھی تیار ہوتے ہیں ہر وقت گلہ شکوہ زبان پر لاتے ہیں۔ ڈاکٹر انعام الحق جاوید نے اپنے قطعہ "تضمین" میں تضمین کا استعمال کر کے اس عاشق زار کی کیفیت کو مزاحیہ انداز میں لکھا ہے جو محبت کے نہ ملنے پر آہ وفغاں کر رہا ہے۔

کیوں نہ کوسوں میں اپنی قسمت کو

آگ لگ جائے اس محبت کو

"جھکنے والوں نے نے رفعتیں پائیں"

ہم ترستے ہیں ایک رفعت کو[67]

ہمیں ایک رفعت نہیں مل رہی ہے "رفعت" کا لفظ ذو معنی ہے۔ بلندی بھی اور نام بھی شاعر کا مدّعا یہاں محبوبہ سے ہے دنیاوالوں کو بہت سی خواتین مل گئیں۔ ہمیں ایک بھی نہیں مل رہی۔

شادی ہو جانے کے بعد میاں بیوی کے درمیان وہ پہلی سی محبت قائم نہیں رہتی کیونکہ شادی کے بعد زندگی کی شب و روز بدل جاتے ہیں۔ روحی کنجاحی بھی "بیوی کے حضور" نظم میں ایسی ہی بیوی کے بدل جانے پر شوہر حضرات کو جو گلہ شکوہ ہوتا ہے طنز کے پیرائے میں بیان کر رہی ہیں۔

عشق کا ناس کرو گی مجھے معلوم نہ تھا

میرے پلے ہی پڑو گی مجھے معلوم نہ تھا[68]

سید ضمیر جعفری شادی شدہ عورت سے اور عشق کسی اور سے مزاحیہ انداز میں پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہماری زندگی کی اینٹ پہلے دن ہی ٹیرھی رکھی گئی۔

زندگی کی اینٹ پہلے دن ہی کج رکھی گئی
عشق مس زیب النساء سے عقد مس گلشن کے ساتھ [69]

مرد حضرات اکثر آہیں بھرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کہ وہ عشق کسی اور سے کرتے ہیں اور شادی کسی اور سے ہو جاتی ہے۔

اسرار اشفاق اپنے قطعہ کو پیروڈی کے انداز میں شاعر کے مصرعے کو استعمال کر کے محبوب کے چلے جانے کے بعد کمرے کی جو چیکنگ کی جاتی ہے کیونکہ وہ پہلے ہی اس کا دل لے چکا ہے۔ جو اس راستے پر گامزن ہوتا ہے اس کو عشق کے راستے میں آنے والے پیچ و خم سے نبرد آزما بھی ہونا پڑتا ہے۔ محبوب کی فرمائشی لِسٹ بھی بہت طویل ہوتی ہے۔

"ماڈرن عشق" کے عنوان سے جو نقشہ کھینچا ہے کہ محبوب کے چلے جانے کے بعد گھر کی ایک ایک چیز کو دیکھتا ہوں کہ وہ میرے دل کی طرح کہیں لے کر تو نہیں گئی۔

اور بھی چیزیں بہت سی لٹ چکی ہیں دل کے ساتھ
یہ بتایا دوستوں نے عشق فرمانے کے بعد
اسی لیے کمرے کی اک اک چیز چیک کرتا ہوں میں
"اک تیرے آنے سے پہلے اک ترے جانے کے بعد" [70]

ڈاکٹر انعام الحق جاوید نے "جدید عشق" کے نام سے قطعہ لکھا ہے۔ جس میں جدید عشق کے حوالے سے طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ آج کل کے عاشق یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی محبت بہت قدیم محبت سے ہٹ کر ہے۔ جس میں جلن یا رقیب کا کوئی کردار نہیں اس لیے عاشق اور رانجھا میں تضاد پیدا کر کے برجستگی پیدا کی ہے۔ میں عاشق ہوں رانجھا نہیں ہوں میں۔

دریائے عشق بحر کے پانی میں آگیا
میں کس جگہ پہ اپنی روانی میں آگیا

عاشق ہوں ٹھیک ٹھاک پہ رانجھا نہیں ہوں میں

کیدو کہاں سے میری کہانی میں آگیا[71]

سید ضمیر جعفری تو نوجوان نسل کو ترقی اور مال و متاع حاصل کرنے کے گر سکھاتے ہوئے مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں

اگر مفلس ہے خود تو عشق مالا مال لڑکی سے

وگرنہ ڈھونڈ کر قلاّش و خستہ حال لڑکی سے[72]

اگر تم غریب ہو تو امیر ہونے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ کسی امیر عورت سے شادی کرلو ورنہ کسی مفلس اور قلاش لڑکی سے۔

استاد احمد گجراتی محبت کی شادی کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہتے ہیں۔ جو لوگ سیر و سیاحت کیلیے مری اور دیگر مقامات پر جاتے ہیں تو وہاں پہاڑی لڑکیوں سے عشق ہو جاتا ہے۔ اسی حوالے سے مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں۔

سادے گئے تھے یہاں سے وہاں عشق ہو گیا

بیگم اڑا کے لائے ہیں اب کے مری سے ہم[73]

مجذوب چشتی تو عشق کے بحر میں بلبل اور پروانے کے ساتھ ساتھ عاشق کو غرق دیکھتے ہیں۔ عاشق اور الّو کا لفظ استعمال کر کے مزاحیہ انداز میں برجستگی کی ہے۔ عاشق اور الّو دونوں میں ایک چیز مشترک ہے وہ ہے ساری ساری رات جاگنا۔

باغ میں بلبل اور محفل میں پروانے

بحرِ عشق میں کس کا بیڑا غرق نہیں

دونوں ساری رات نہیں سوتے اک پل

عاشق اور الّو میں کوئی فرق نہیں[74]

ضیاء الحق قاسمی مزاحیہ انداز میں عشق کے ناکامی کے سبب بتاتے ہوئے کہتے ہیں۔ جو عاشق اپنی محبوب کی فرمائشیں پوری نہیں کرسکتے۔ وہ عشق میں ناکام ہو جاتے ہیں

جو یار کی فرمائشیں پوری نہیں کرتے
وہ عشق میں ہو جاتے ہیں نہ کام فٹافٹ[75]

دلاور فگار عشق اور پڑھائی کو اکٹھا کرنے سے ڈراتے ہوئے کہتے ہیں۔ جس طرح عاشق کے لیے عشق میں میٹرک کرنا مشکل ہے کیونکہ دونوں کا رزلٹ آتا ہے۔ عاشق رزلٹ سے نہیں ڈرتا کیونکہ رزلٹ کچھ بھی آئے فارم بھرنا ہی پڑتا ہے۔ دلاور فگار نے مصرعے " نظر بھر کے دیکھتے ہیں " میں ردوبدل کر کے پیروڈی کی ہے۔

سنا ہے عشق میں مشکل ہے میٹرک کرنا
رزلٹ کچھ بھی سہی، فارم بھر کے دیکھتے ہیں[76]

نیاز سواتی عشق اور عاشقی کو نوجوانوں کا طرّہ امتیاز سمجھتے ہیں اس لیے حسینوں سے مرغوں کو بچ کر رہنے کی ترغیب مزاحیہ پیرائے میں کرتے ہوئے کہتے ہیں

حسینوں سے تمھاری دوستی اچھی نہیں لگتی
بڑھاپے میں یہ عشق و عاشقی اچھی نہیں لگتی[77]

حسینائیں عاشق کی جیب خالی کرنے کے چکر میں ہوتی ہیں۔ خواتین شاپنگ کی دلدادہ ہوتی ہیں۔ اسی عاشق کی کیفیت کا اظہار عزیز احمد طنزیہ انداز میں کر رہے ہیں کہ عشق میں تمھاری جیب کا صفایا بھی ہو سکتا ہے۔

اس حسینہ کو ہے شاپنگ کا بہت شوق عزیز
عشق میں جیب کا نقصان بھی ہو سکتا ہے[78]

رخسانہ نازی بھی اسی حوالے سے نوجوانوں کو تنبیہ کر رہی ہیں کہ پیار و محبت بھی آج کل کنگلے سے نہیں کی جاتی بلکہ پیسے والے سی کی جاتی ہے۔ ورنہ اس میں فاقوں کی نوبت آجاتی ہے۔ اس سے بہتر ہے وہ مزاحیہ انداز میں کہتی ہیں عشق ہی نہ کیا جائے۔

پیار میں دل لگا کے کنگلے سے
بھوکا مرنے کا فائدہ کیا ہے
بینک بیلنس نہ ہو جو عاشق کا
عشق کرنے کا فائدہ کیا ہے[79]

iv۔ کتبہ اور قبر:

شعراء حضرات نے اپنی شاعری میں بیوی کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی اس کی قبر اور کتبہ کو طنزیہ اور مزاحیہ انداز میں اپنی شاعری میں موضوع بحث بنایا ہے۔ جس میں بیوی کے حوالے سے ہی تحریر کیا ہے۔ وہ ساری زندگی مجھ سے لڑتی جھگڑتی رہتی تھی۔ کسی لمحے بھی اُسے چین نہیں تھا۔ مرنے کے بعد اب خدا جانے کیسے قبر میں سکون میں ہے۔ یہ چیز شاعر کو بے چین رکھتی ہے کہ اب کیسے قبر میں جا کر خاموش ہو گئی ہے۔ اس انسانی نفسیات کو طیب علی اطہر طنزیہ انداز میں کہتے ہیں۔

عمر بھر تڑپتی رہی مجھ سے میرے بچوں کی ماں
اور پھر اس نک چڑھی کی موت واقع ہو گئی
زندگی میں بن لڑے سوتی نہ تھی جو چین سے
جانے کیسے قبر میں خاموش ہو کر سو گئی[80]

سید ضمیر جعفری قطعہ "بیوی کی قبر پر" اس خوشی کا اظہار کر رہے ہیں کہ اس دنیا سے چلے جانے کے بعد میں بھی آرام و سکون کی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ وہ بھی قبر میں سکون کی زندگی بسر کر رہی ہے۔ سید ضمیر جعفری مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں۔

میری بیوی

بیوی قبر میں لیٹی ہے جس ہنگام سے

وہ بھی آرام سے

اور میں بھی ہوں آرام سے [81]

بیوی کی قبر پر شوہر اس لیے پانی نہیں دیتا۔ بیوی کے مرنے کے باوجود اسے اس بات کا وہم ہے کہ اس کی قبر پر چھڑکاؤ کرنے سے وہاں سے بیوی دوبارہ نہ زندہ ہو جائے۔ نیاز سواتی ایسے ہی "زن مرید" شوہر کے اس وہم کو مزاحیہ انداز میں بیان کرتے ہیں۔

زن گزیدہ ایک شوہر سے یہ جب پوچھا گیا
مرقدِ زوجہ پہ تم چھڑکاؤ کیوں کرتے نہیں
وہ یہ بولا میں نہیں پانی چھڑکتا اس لیے
ڈر رہا ہوں اہلیہ پھر سے نہ اُگ آئے کہیں [82]

میاں بیوی جو ساری زندگی ساتھ رہنے کے باوجود ایک دوسرے کے نہیں بن سکتے۔ لڑائی جھگڑا ان کے درمیان جاری و ساری رہتا ہے۔ زندگی میں ہمیشہ مشرق و مغرب کی طرح ایک دوسرے کے مخالف رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ مرنے کے بعد بھی ایک کا منہ مشرق کی طرف اور دوسرے کا مغرب کی طرف۔ اس چیز کی تمنا کرتے ہیں کہ جب صور پھونکا جائے گا۔ تو میری بیگم مجھ سے پہلے اٹھ گئی تو میری یہی تمنا ہے کہ میں جا کے پھر سو جاؤں۔

اسی خواہش کو سید ضمیر جعفری نے "قبر کتبے" میں مزاحیہ انداز میں لکھا ہے۔

اس قبر کے کتبے نیچے

ہم موت کی نیند میں سوئے ہوئے

یعنی میں اور میری زوجہ

اس کا منہ مغرب کی جانب، میرا مشرق کی جانب

محشر کے گجر کی دَھپ سن کر

وہ مجھ سے اگر پہلے اٹھی

میں جاگ کے پھر سو جاؤں[83]

دلاور فگار اس چیز کی حسرت کر رہے ہیں کہ کاش میں میاں کی قبر میں بیوی محو خواب ہو جائے۔ اس کے لیے انہوں نے مشہور مصرعے "محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی" میں "دنیا" کی جگہ "تربت" کا لفظ استعمال کر کے تحریف نگاری کی ہے۔ تُربت کا لفظ ذو معنی استعمال کیا ہے۔ جگہ کی تنگی کی وجہ سے خاوند کی قبر میں بیوی اگر سو جائے تو قبر کی کیا حالت ہو گی۔

تربت شوہر میں اس کی اہلیہ سو جائے گی
"محو حیرت ہوں کہ تربت کیا سے کیا ہو جائے گی"[84]

انور مسعود نے دلاور فگار کے حوالے سے کہا ہے۔

تضمین کے مصرع میں ادنٰی سا تصرف دلاور فگار کا ہنر خاص ہے۔ انہوں نے اس حربے کو بڑے تواتر، بڑی ہنرمندی اور بڑی بے ساختگی سے استعمال کیا ہے۔ ان کے یہاں معروف مصرعوں میں خفیف سا تغیّر ایسی زعفرانی کیفیت پیدا کرتا ہے کہ بے ساختہ داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ صرف ایک لفظ کے بدلنے سے غالب کے مصرعے کی کیا صورت بن گئی ہے۔[85]

v۔ شاعر اور شاعر کی بیوی:

ازدواجی زندگی میں اردو طنزیہ اور مزاحیہ شاعری میں شعراء کرام نے اپنی بیویوں کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ کبھی شعراء حضرات ان سے نالہ دکھائی دیتے ہیں۔ کبھی بیوی شعراء سے گلہ شکوہ کرتی نظر آتی ہے۔ ان کے پاس اپنی بیویوں کے لیے وقت ہی نہیں ہے۔ ہر وقت خیالی دنیا میں کھوئے رہتے ہیں۔ کبھی رات یہاں بسر کی، کبھی وہاں بسر کی۔ گھر سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ رؤف رحیم مزاحیہ انداز میں لکھتے ہیں۔

ہوٹل میں دن کٹے، تو کٹے محفلوں میں رات
شاعر ہوں، مجھ کو گھر سے سروکار ہی نہیں[86]

ہمارے ہاں شعر اکرام کی اتنی بہتات ہے کہ گھر کا ہر فرد جس کو تھوڑا سا بھی لکھنا پڑھنا آجاتا ہے۔ شاعری کرنا شروع کر دیتا ہے۔ شوکت تھانوی "شاعر حق" رُباعی میں اُن کا مذاق اُڑاتے ہوئے کہتے ہیں۔

ہر راہ گزر پر قدم پر شاعر
آقا نہیں گھر کا ہے، نوکر شاعر
اللہ رے شعر و شاعری کی بہتات
بیوی شاعرہ ہیں اور شوہر شاعر[87]

ہمارے ہاں شعراء کرام کا جو مقام و مرتبہ ہے معاشرے میں ان کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ ان کو نکما سمجھا جاتا ہے۔ معاشرے میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ شاعر خود اپنی بیوی سے طنزاً یہ کہہ

رہاہے۔ کل ہمارا بیٹا بھی اگر شاعر ہو گیا تو پھر ہمارا کیا ہو گا۔اب اس لیے بہتر ہے کہ اور بچے بھی ہونے چاہیے یعنی شاعر کی نظر میں بھی اس کی کوئی اہمیت نہیں۔

ڈاکٹر انعام الحق جاوید ان خیالات کا اظہار کر رہے ہیں۔

کل کو شاعر جو یہ نکل آیا
کیا کرے گا پھر اے میرے ہمسر
وقت گزرا نہیں ہے کچھ کر لے
ایک بیٹے پہ اکتفا مت کر[88]

نصیر عسکری اس شاعر کا نقشہ اپنے قطعہ میں پیش کر رہے ہیں۔ جب وہ گھر میں ہوتا ہے اسے شعر کی آمد ہوتی ہے۔ کوئی کاغذ نہیں ملتا یہاں تک کہ بیگم گھر کے سارے صفحے جو شاعر نے شاعری کر کے لکھے ہوتے ہیں انھیں ردی سمجھ کر پھینک دیتی ہے۔

جب شعر کی آمد ہو تو کاغذ نہیں ملتا
جب لال ٹپکتی ہے تو رومال ندارد
ردی جو پڑی بیچ دی بیوی نے اٹھا کر
سب رومی و فردوسی و اقبال ندارد[89]

سید ضمیر جعفری نے اپنی نظم " شوق کی بلندی " میں ایک ایسے ہی شاعر کی کی بتا بیان کی ہے۔ جو شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ چھوٹا سا افسر بھی ہے۔ جس کے بچوں کی فوج ہے۔ قرض کی پونجی سے گھر بناتا ہے۔ گھر کی ہر چیز ادھار پر رکھ دیتا ہے تا کہ گھر مکمل ہو جائے۔ بیوی کے زیورات تک بیچ دیتا ہے۔

ایک بڑا شاعر بہت چھوٹا سا جو افسر بھی ہے
ماورائے دو جہاں بھی داخل دفتر بھی ہے

مدتوں سے پالتو انداز کا شوہر بھی ہے
خیر سے اولاد بتدریج کا لشکر بھی ہے

قرض کی پونجی سے تعمیر مکاں کرنے لگا
مثلِ ابنائے جہاں، کارِ جہاں کرنے لگا[90]

اس گھر کو بنانے کے لیے شاعر اپنی کل جمع پونجی تک بیچ دیتا ہے تاکہ اپنے بچوں کو سکون دے سکے۔ ایک چھت دے سکے۔ اسی خواہش کا اظہار آگے جا کر حسرت بھرے انداز میں کرتے ہوئے کہتا ہے۔

گھر کا کل ساماں اسی ارماں کے اوپر رکھ دیا
اپنا مفلر رکھ دیا، بیوی کا جھومر رکھ دیا
جانے کس عالم میں پہلے ایک پتھر رکھ دیا
پھر کلیجہ رکھ دیا، دل رکھ دیا، سر رکھ دیا[91]

سید ضمیر جعفری تضمین کا استعمال کرتے ہوئے مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں۔

کتنی چیزیں تھیں جو اس ملبے میں پنہاں ہو گئیں
"سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں"[92]

شعراء کی بیویاں ان سے اکثر کام نہ کرنے کا گلہ شکوہ کرتی رہتی ہیں کہ شاعری بھی کوئی کام ہے۔ آپ کو بیوی بچوں کا خیال نہیں ہے۔ شاعری سے تو صرف پیٹ نہیں بھرا جا سکتا ہے۔ نور عالم امروہوی بھی ایسی بیوی کے خیالات کی مزاحیہ انداز میں ترجمانی کرتے ہیں۔

بولیں اک شاعر کی بیوی کام کیوں کرتے نہیں
مفلسی کی دھوپ میں بچے چھوارہ ہو گئے

چیخ کر بولے میاں اب اس سے زیادہ کیا کریں

ہم کبھی تربوز تھے آلو بخارا ہو گئے[93]

شاعر اپنے آپ کو تربوز سے تشبیہ دیتا ہے کہ کبھی میں بھی صحت مند تھا۔ اب زمانے کی گردش وجہ سے دن رات شاعری کر کے میری یہ حالت ہو گئی ہے کہ میں آلو بخارا کی طرح ہو گیا ہوں۔ میری بیوی کہتی ہے کہ میں کام نہیں کرتا۔

شعراء کی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ حالت ہو گئی ہے کہ اب کوئی بھی ان کے شعر سننے پر راضی نہیں ہو تا کیونکہ انٹرنیٹ کا زمانہ ہے۔ ہر چیز ایک بٹن دبانے سے مل جاتی ہے۔ اسی بات کو طنزیہ انداز میں خالد عرفان اپنے شعر میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

اب ہمارے شعر سننے پر کوئی راضی نہیں

مل گئے جس روز سے قوال انٹرنیٹ پر[94]

موجودہ زمانہ میں ہر شخص اتنا مصروف ہو گیا ہے۔ اس کے پاس اب وقت ہی نہیں کہ مشاعرہ سنے کیونکہ کمپیوٹر کا ایک بٹن کلک کرنے سے سب کچھ آن لائن آجاتا ہے۔

شاعر حضرات مشاعروں میں خواتین کو جس طرح گھورتے اور دیکھتے ہیں۔ شاعری کم اور مشاعرے میں عورتوں کو تاڑتے رہتے ہیں۔ اسی حوالے سے سید فہیم الدین اپنی نظم "تاڑنے والے" میں طنزاً کہتے ہیں۔

ہم تو خیر شاعر ہیں اپنا یہ ہی دھندہ ہے

اس کو تاڑنے والے اور بھی ہوں گے[95]

ڈاکٹر مظہر عباس رضوی آج کل کے شعراء پر طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انھیں شاعری کے بحر اور اوزان کی کچھ خبر نہیں، کہتے کچھ اور کرتے کچھ۔

نہیں ہے بات اس کی کوئی سیدھی
کہ کہتا در کو ہے دیوار شاعر
ہیں باتوں میں اشارے اور کنائے
ہوا ہے یار طرح دار شاعر[96]

ڈاکٹر مظہر عباس رضوی نے "تخیّل شاعر" نظم میں ایک ایسی بیگم کا نقشہ کھینچا ہے۔ جس کے گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہے اور وہ اپنے خاوند کو طنزاً کہتی ہے کہ آپ جس طرح تصوراتی دنیا میں کھوئے رہتے ہیں۔ تصور ہی تصور میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں۔ اسی طرح تصور ہی تصور میں دال کو مرغی سمجھ لیں۔ گھر میں پکانے کے لیے گیس نہیں کیونکہ اس کا بل تم نے ادا نہیں کیا ہے۔ بجلی نہیں ہے، نہ اپنا گھر ہے نہ اپنی زمیں ۔شاعر کی پوری کی پوری نظم عاجز بیوی کے دل کے پھپھولوں پر زخم لگاتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ جس کے ہر شعر میں طنز کے تیر برستے ہیں۔

قافیہ باندھتے باندھتے یہ ہوا
قافیہ تنگ تو نے مرا کر دیا
نے مکاں ہے نہ اپنی زمیں ہے کہیں
گھر غزل کی زمیں پر بنائے گا کیا؟
شعر سے دور ہوتی ہے کب تیرگی
گھر میں بجلی نہیں شمعِ جاں کو جلا
اے میرے شوہر شاعرِ خستہ تن
اس تخیّل کی دنیا سے باہر بھی آ
چاہتا ہے اگر گھر میں کھانا ملے

چل کے "اتوار بازار" سودا یہ لا
بھوک سے سارے بچے ہوئے جاں بہ بلب
گھر میں کھانا نہیں اُن کو کھانا کھلا
گیس ہے منقطع اک مہینے سے اب
ہائے تو نے ابھی تک نہ یہ بل دیا
گھر میں ماچس کی تیلی بھی اب تو نہیں
سوزِ غم سے ذرا گھر کا چولہا جلا
آہِ سوزاں میں بھر دے تپش اس طرح
ایک گھنٹے میں پک جائے کھانا مرا
داد لینے سے گر پیٹ تیرا بھرے
ڈونگرے داد کے تجھ پہ برساؤں آ
اک غزل چھیڑ ایسی کے ہو پُر شکم
بھوک میں شعر دیں فیرنی کا مزا
تو تخیّل کی دنیا میں گم ہے تو پھر
بس تخیّل تخیّل میں کھانا اڑا
ہے خیالی پلاؤ تیرے واسطے
ڈال دے اس میں شعروں کی چٹنی ذرا
ہو تخیّل کی سبزی بھی مرغی بنے
چشمِ حیرت کو وا کر کے "ٹیبل" پہ آ
یوں تخیّل کی دنیا کو آباد کر
مرغ و ماہی سمجھ کر مری دال کھا[97]

" تخیل شاعر " پوری کی پوری نظم ایک عاجز بیوی کی بپتا بیانیہ انداز میں بیان کر رہی ہے۔ جس کے ایک ایک حرف میں سچائی ہے۔ جس شاعر کے ہاں کھانے کو کچھ نہیں ہوتا لیکن وہ ہر وقت تصوراتی دنیا میں کھویا رہتا ہے۔ بیگم اس سے عاجز ہوتی ہے طنزاً یہی کہتی ہے کہ تصور ہی تصور میں تم آنکھیں واکر کے کھانا کھاؤ اور اس کے مزے لو۔ شاعر کے ایک ایک شعر میں طنز کے تیر برستے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ کس طرح اُس نے دکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھا ہے۔

سرفراز شاہد شاعرہ کے حوالے سے اپنے قطعہ "صنفِ نازک۔ بھاری ادب" کے عنوان سے مزاحیہ انداز میں ایسی شاعرہ کی منظر کشی کی ہے کہ وہ جتنی صنف نازک ہوتی ہے اتنا ہی موٹا اس کا کلام ہوتا ہے۔ جس کو وہ طنزاً کہتے ہیں کہ موٹی جسامت کے ساتھ ساتھ ان کا کلام بھی موٹا یعنی جتنی ضخیم ہوتا ہے۔ اس میں دو گرام کی شاعری نہیں ملتی

خود بھی موٹی، کلام بھی موٹا
لفظ کی شکلِ خام بھی نہ ملی
دو کلو کی کتاب میں شاہد
شاعری دو گرام بھی نہ ملی[98]

ڈاکٹر انعام الحق جاوید نے علامہ اقبال کے مصرعے "ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن" میں الفاظ کی ردوبدل کر کے شاعر کے حوالے سے پیروڈی کی ہے۔ جس میں انہوں نے "مومن" کی جگہ "شاعر" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ چالیس کی محفل میں آدھے تو شاعر ہیں اور چند مہمان۔ شاعر کبھی ہاتھوں میں شاپر اور کبھی تھیلے اور کبھی دیوان پکڑے ہوئے آتے ہیں۔

شاپر، کبھی تھیلے، کبھی ہاتھوں میں ہیں دیوان
ہر لحظہ ہے شاعر کی نئی شان نئی آن
چالیس کی محفل میں تناسب ذرا دیکھو
بتیس تو شاعر ہیں فقط آٹھ ہیں مہمان[99]

شوکت تھانوی نے اپنی نظم "شاعر کی بیوی" میں بیانیہ انداز میں شاعر کی ازدواجی زندگی کی عکاسی کی ہے۔ جس میں اس کی بیوی شاعر سے گلہ شکوہ کرتے ہوئے دکھائی دیتی ہے کہ اُس کا خاوند ہر وقت شاعری کرتا رہتا ہے۔ گھر کے اخراجات شاعری کے بل بوتے پر نہیں چل سکتے۔ پوری کی پوری نظم شاعر کی کہانی کو بیان کر رہی ہے۔

شاعری اور پیٹ کا دھندا، عجب ثم عجب
جان کے گاہک ہیں بیوی اور بچے سب کے سب
فاعلاتن فاعلاتن بیٹھ کر کرتے ہیں جب
اہلیہ کو یاد آتی ہے ہماری بے سبب
ایک سروتا ہاتھ میں اور پاندان اپنا لیے
سر پہ آجاتی ہے لڑنے خاندان اپنا لیے
ایک لڑکا جس کو پچھلے چار دن سے ہے بخار
ایک لڑکی جس کی آنکھیں دکھ چکی ہیں بار بار
تیسرا جو ٹھیک ہے وہ رو رہا ہے نابکار
شامتِ اعمال کی ہر قسم ہے سر پر سوار
شاعرِ شیریں بیاں بیٹھا ہے گھبرایا ہوا
ذہن میں ہے طرح کا مصرع بھی بولایا ہوا
وہ یہ کہتی ہیں کہ جائے بھاڑ میں یہ شاعری
ایڑی چوٹی پر کروں قربان یہ کاریگری
اتنے دن سے کوئی بھی پیسہ ملا سوچو ذری
یاد کرلوں خود دسمبر، جنوری، پھر فروری
تم ہی سوچو، کس طرح ہو گا اب ہمارا نباہ

مجھ کو روٹی چاہیے اور تم کو خالی واہ واہ

میں یہ کہتا ہوں کہ اے شمعِ شبستانِ حرم!
تو ہے اک شاعر کی بیوی، کیا ہے یہ اعزاز کم
تجھ کو کیا معلوم میرا مرتبہ، میرا حشم
گھر کے باہر دیکھ چل کر، کس قدر ہوں محترم
تو سمجھتی ہے مجھے، یوں ہی سا اک انسان ہوں
اے مری نادان بیوی میں ادب کی جان ہوں
جان وہ اپنی جلا کر منہ چڑھاتی ہیں مجھے
منہ چڑھا کے میرا آئینہ دکھاتی ہیں مجھے
گھر کی جو حالت ہے وہ سب کچھ بتاتی ہیں مجھے
شرم میری شاعری پر پھر دلاتی ہیں مجھے
وہ یہ کہتی ہیں کہ شاعر تو یقینا آپ ہیں
لیکن ان بچوں کے بھی تھوڑے بہت تو باپ ہیں
شاعری کرتے ہیں اور بھولے ہوئے ہیں شوہری
کوئی دھندا بھی نہیں کرتے، نہ کوئی نوکری
باپ دادا کی کمائی بھی نہیں گھر میں دھری
میں تو پلے باندھ کے اک شاعر کے جیتے جی مری
یہ نحوست شاعری جس کلموہی کا نام ہے
مجھ سے پوچھو، یہ نکھٹو مردوں کا کام ہے
میں گئی چولہے میں، حلیہ دیکھئے اپنا ذرا

جیسے خود رو گھاس ہو، خط اس طرح سے ہے بڑھا
جیسے اک قیدی جو کاٹے کوئی لمبی سی سزا
مرحبا! اے شاعر رنگین بیاں صد مرحبا
بھاڑ میں جائے یہ تیری شاعری، یہ تیرا فن
"تو اگر میرا نہیں بنتا، نہ بن، اپنا تو بن"[100]

نیاز سواتی شعر و شاعری کرنے والے شوہر کے حوالے سے طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ شعر و شاعری کا شعف بھی ہونا چاہئے۔ اس کے ساتھ ساتھ گھر کا چولہا جلانے کے لیے کھانے کے لیے کھانے پینے کا سامان مہیا کرنا بھی مرد کی ذمّہ داری ہے۔ ایسے ہی شوہر کے حوالے سے طنزیہ انداز میں کہتے ہیں۔

شاعری کا شغل گو ہر آن ہونا چاہیے
گھر میں کھانے کا بھی کچھ سامان ہونا چاہیے[101]

انور مسعود نیاز سواتی کی شاعری کے حوالے سے کہتے ہیں۔

نیاز سواتی کے ہاں دو ہی بڑے مسئلے ہیں۔ گھر میں بیوی دفتر میں باس۔ ان دونوں مسائل سے نمٹتے ہوئے اُس نے اچھا خاصا مزاح فراہم کیا ہے۔[102]

شاعر کی بیویاں اُس کی شاعری کی عادت سے عاجز آئی ہوئی ہوتی ہیں۔ کسی شاعر کی بیوی سے کسی نے سوال کیا کہ تمھارا شوہر شاعری کے علاوہ کیا کرتا ہے تو وہ اپنا سر پیٹ کر جواب دیتی ہے کہ وہ ہر وقت میر اگلہ شکوہ کرتا رہتا ہے۔ رخسانہ نازی ایسی ہی شاعر کی بیوی کی دُکھی کہانی مزاحیہ انداز میں بیان کر رہی ہیں۔

زوجۂ حضرت شاعر سے کسی نے پوچھا
تیرا سر تاج بجز شاعری کیا کرتا ہے
اپنا سر پیٹ کے کہتی ہے کہ ہائے نازی

میرا سر تاج فقط میرا گلِہ کرتا ہے[103]

vi۔ سہرا:

ہمارے معاشرے میں شادی کے حوالے سے دُلھا کا سہرا لکھا جاتا ہے۔ جس میں شاعر دولہے کی تعریف بیان کرتے ہیں۔ جس کی زندگی میں یہ خصوصی موقعہ آتا ہے۔ اس موقعہ پر دُلھا کے لیے تاثرات ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ماں باپ اور بہن بھائی اس موقعہ پر کیسا محسوس کرتے ہیں۔ اس کا حلیہ، اس کی چال ڈھال اور اس کی دلی کیفیت کیا ہوتی ہے ان سب کو شاعر اپنے انداز سے تحریر کرتا ہے۔

دلاور فگار جن کا طنز و مزاح لکھنے میں اپنا ایک انداز ہے۔ ایک بزرگ کی آٹھویں شادی کا سہرا" آٹھواں سہرا" کے عنوان سے تحریر کرتے ہیں۔ جس میں وہ مزاحیہ انداز میں بزرگوں کی آٹھویں شادی کو ان کا مشغلہ قرار دیتے ہیں۔ اس ساری نظم میں ایسی منظر کشی کی گئی ہے کہ اس بزرگ کی آٹھویں شادی میں اس کے پوتے بھی شرکت کرتے ہیں۔ ان کو جہیز میں جو کچھ ملا وہ ایسا ہے جیسے خود وہ بزرگ زندگی کی آخری سانسیں لے رہا ہے۔ شادی کا مشغلہ انھیں چین سے بیٹھنے نہیں دیتا۔ اس ساری نظم میں شاعر کا مزاحیہ انداز اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ دکھائی دیتا ہے۔

مرے بنّے کا تو ہے مشغلہ یہی ورنہ
کوئی مذاق ہے سات آٹھ شادیاں کرنا
حسد سے آج یہ کہتے ہیں شاہ کے پوتے
کہ دادجان کے سہرے میں کاش ہم ہوتے
عجیب شان سے سسرال جا رہی ہے برات
غم حیات سے بڑھ کر، غم شریک حیات
میرے بنّے کو ملا ہے بڑا عجیب جہیز
بغیر آرام کی کرسی، بغیر ٹانگ کے میز
ڈنر دیا ہے، ولیمہ میں کیا سلیمانی

پلاؤ، قورمہ، کندم کباب، بریانی

جہیز میں چہ یہ جو اک گرم شیروانی ہے

میرا خیال ہے اس کا بھی عقد ثانی ہے[104]

شاعر مزاحیہ انداز میں بزرگ کو جہیز میں ملنے والی گرم شیروانی کی حالت دیکھ کر کر کہتا ہے مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس کا بھی دوسرا نکاح ہے۔

دلاور فگار نے ہی اپنی نظم "سہرے میں مرثیہ، مرثیہ میں سہرا" میں جو انداز اختیار کیا ہے اسے پڑھ کر بے اختیار زیرلب تبسم کی سی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ دلاور فگار نے مرثیے اور سہرے کے اشعار کو ضم کر دیا ہے۔ جو بظاہر مرثیے کے حوالے سے لکھے گئے شعر ہیں۔ لیکن درپردہ دُلھا کی شادی کے بعد جو دُرگت بنتی ہے اس کے حوالے سے بھی تحریر کیا ہے۔ اس میں بیک وقت موازنہ اور تضاد کی کیفیت بھی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تضمین کا استعمال کر کے "گرہ" لگائی ہے۔

اچھے میاں کا، عقد ہوا ہے بہار میں

کہہ دو کسی سے پھول نچھاور مزار میں

روئے حسیں پہ سہرے سے کیسی بہار ہے

اے موت آ بھی جا کہ تیرا انتظار ہے

دُلھا دُلھن شریف گھرانے میں ہیں پلے

"لائی حیات، آئے قضا لے چلی چلے"

اس شعر میں غالب کا مصرعہ "لائی حیات آئے، قضا لے چلی چلے" سے پیروڈی کا انداز جھلکتا ہے

نوشاہ کو عروس بڑی ذی ہنر ملی

مرحوم کو حیات مگر مختصر ملی

اس شعر میں یہاں شاعر دُلھن کی تعریف کر رہا ہے۔ وہاں دوسرے مصرعے میں مرثیہ لکھ کر شاعر نے مزاحیہ انداز میں کہا ہے کہ مرحوم کو زندگی بہت مختصر ملی۔ دُلھن تو اچھی ملی لیکن زندگی نے وفا نہ کی۔

نوشاہ کو عروج وہ ربِّ جلیل دے

اور اس کے وارثین کو صبر جمیل دے[105]

پہلے مصرعے میں دُلھا کی سربلندی اور عروج کی تعریف کر رہا ہے جبکہ مزاحیہ انداز میں دوسرے مصرعے میں مرثیہ کے شعر کو پیروڈی کے انداز میں استعمال کرکے اس کے گھر والوں کو صبر کی تلقین کر رہا ہے۔

سرفراز شاہد دُلھا کے سہرا پہن لینے کے بعد جو حالت ہوتی ہے وہ کسی مجرم سے کم دکھائی نہیں دیتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اس سے کوئی جرم سرزد ہو گیا ہے۔ اس لیے اس کو گرفتار کرکے لایا جارہا ہے۔ سرفراز شاہد نے اس کو مزاحیہ انداز میں مجرم سے تشبیہ دی ہے۔

باندھ کر سہرا نظر آیا ہے یوں نوشہ میاں

جس طرح مجرم دکھائی دے گرفتاری کے بعد[106]

vii۔ دُلھن:

ازدواجی زندگی کی بنیاد شادی سے ہوتی ہے۔ لڑکی جب دُلھن بنتی ہے تو ہزاروں سپنے سجا کر وہ اگلے گھر جاتی ہے۔ اس ایک دن کے لیے وہ پیدا ہوتے ہی سپنے دیکھنا شروع کر دیتی ہے۔ جس دن اس کی شادی ہوتی ہے اس دن اس کے خواب کی تکمیل ہوتی ہے۔ دلہن بن کر وہ سب سے منفرد دکھائی دینا چاہتی ہے۔ جو ہر لڑکی کی آ رزو

ہوتی ہے۔ ہمارے شعراء حضرات نے بھی اردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں دُلھن کو موضوع بنایا ہے۔

دُلھن بننا ہر لڑکی کا خواب ہوتا ہے اس کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ حسین سے حسین لگے اور شادی کے موقع پر اس کا دُلھا بھی سب سے خوبصورت ہو۔ دُلھن کو اپنے بہن بھائیوں اور والدین سے اتنی محبت ہوتی ہے کہ اگلے گھر جا کر بھی وہ خاوند میں بھی اپنے عزیز و اقارب کا چہرہ تلاش کرتی ہے۔ اس دُلھن کے جذبات کو اطہر شاہ خان جیدی نے شادی کی رات دُلھا کے گھونگھٹ اٹھانے کے بعد جو اس کی چیخ نکلتی ہے کہ حوالے سے مزا حیہ انداز میں عکاسی کی ہے۔

گھونگھٹ اٹھتے ہی چیخ اٹھی دُلھن

اف اسی شکل کے جواں ہیں آپ

مجھ کو مرحوم کتنے پیارے تھے

ہو بہو میرے بھائی جان ہیں آپ[107]

دُلھن آتے ہی کس طرح دُلھا پر رعب و دبدبہ جھاڑنے کی کوشش کرتی ہے۔ دُلھن کے لمبے لمبے ناخن کی بدولت دُلھا ان ہتھیاروں کی تاب نہ لاتے ہوئے بے ہوش ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر مظہر عباس رضوی نے مزاحیہ انداز میں "پارسا کے ہاتھ "میں دُلھن کے ناخن دکھانے کی بدولت دُلھا کو جو آنکھوں کے سامنے تارے دکھائی دیتے ہیں۔ اس محاورے کا استعمال کر کے قطعہ میں مضحکہ خیز صورتِ حال پیدا کی۔

دُلھا سنا ہے گھر میں ہے بے ہوش اب تلک

دُلھن نے کل دکھائے تھے ناخن لگا کے ہاتھ

پھر ناچتے ہیں تارے نگاہوں کے سامنے

چلا کے بیوی بولتی ہے جب نچا کے ہاتھ[108]

اب کبھی بھی بیوی ہاتھ اٹھا کر دکھاتی ہے تو آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگتے ہیں۔

آج کل دُلھن کی شکل و صورت کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ دُلھن اپنے ساتھ کتنا جہیز لے کر آئی ہے۔ جہیز دُلھن کے سارے عیب چھپا دیتا ہے۔ شادی کی تقریب میں آنے والے دُلھن کے حسن و جمال کی تعریفیں نہیں کرتے بلکہ ہر زبان پر دُلھن کی خوبصورتی کے بجائے اس کے سازو سامان کی باتیں ہوتی ہیں ۔ سرفراز شاہد بھی اپنی غزل میں ایسی دُلھن کا تذکرہ مزاحیہ انداز میں کر رہے ہیں۔ جو شکل و صورت میں واجبی ہے لیکن اپنے ساتھ لاکھوں کا جہیز لائی ہے۔ لڑکے والے دُلھن کی خوبصورتی کے بجائے اس کے جہیز کے حوالے سے رطب اللسّان ہوتے ہیں۔

بھینگی اگر دُلھن ہے ذرا سی تو کیا ہوا

لاکھوں کا مال بھی تو ہماری نظر میں ہے[109]

نئی نویلی دُلھن گھر میں آتے ہی اپنے قدم جمانا شروع کر دیتی ہے۔ اپنے "گُن" بتاتے ہوئے فخر محسوس کرتی ہے کہ مجھے کھانا پکانا نہیں آتا۔ میرے والدین نے مجھے اس کی ٹریننگ نہیں دی۔ آج کل کی لڑکیاں کھانا نہ پکانے کو بڑے فخر سے بیان کرتی ہیں کہ ہمیں یہ تو بنانا ہی نہیں آتا۔ ڈاکٹر انعام الحق جاوید اسی حوالے سے "ٹریننگ" قطعہ میں مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں۔

نئی دُلھن نے گھر آتے ہی اِٹھلا کے یہ فرمایا

مجھے تو کچھ ٹریننگ ہی نہیں باورچی خانے کی

کہا شوہر نے بیگم فکر کیا یہ گھر ہے شاعر کا

یہاں نوبت ہی آئے گی کہاں کھانے پکانے ک[110]

ہمارے روایتی معاشرے میں جو ایک تصور کیا جاتا ہے کہ لڑکی (دُلھن) نئے گھر میں ایسا رول ادا کرے گی کہ سب کو اپنی انگلیوں کے اشاروں پر نچائے گی۔ اسی حوالے سے استاد احمد گجراتی مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں۔

ہر شخص کہہ رہا ہے کہ جوڑی ملی ہے خوب

تو ناچ میں بجاؤں میری جان ڈگڈگی[111]

ہر شخص دُلھا دُلھن کی جوڑی کی تعریف کر رہا ہے ساتھ مزاحیہ انداز میں یہ بھی شاعر کہہ رہا ہے کہ اب میری زندگی میں یہ کام رہ گیا ہے۔ میں ڈگڈگی بجاؤں گا تم میرے کہے پر ناچوں گی۔ درپردہ اسے اپنے اشاروں پر ناچنے کی بات کرتا ہے کہ اب تم نے میری حکم عدولی نہیں کرنی۔ جو روایتی شوہروں کی طرح کہوں تم نے اس پر عمل کرنا ہے۔

ڈاکٹر انعام الحق جاوید نے ازدواجی زندگی کی اس دکھتی رگ کی طرف اشارہ کیا ہے اکثر چھوٹی عمر کی بجائے بڑی عمر کے لڑکے لڑکی کی شادی کی جاتی ہے۔ ان کی عمریں بیاہ کے انتظار میں زیادہ ہو چکی ہوتی ہیں۔ جب ان کی عمریں پوچھی جائیں تو پچاس، ساٹھ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو لڑکا اور لڑکی ہی کہلاتے ہیں۔ قطعہ میں دُلھا اور دُلھن کی عمر پوچھ کر مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں۔

یوں تو خاصی دیر میں جا کر عشق کا شعلہ بھڑکا ہے
چھوٹی عمر میں شادی کے نقصان کا پھر بھی دھڑکا ہے
دُلھا اور دُلھن کی عمریں پوچھیں تو معلوم ہوا
پچپن سال کی لڑکی ہے اور ساٹھ برس کا لڑکا ہے[112]

ہمارے ہاں جو چھوٹی عمر میں شادیاں کر دی جاتی تھیں جس کی وجہ سے ہر لمحہ دھڑکا لگا رہتا تھا۔ آج کل اتنی عمر گزر جانے کے بعد جو لڑکا اور لڑکی شادی کرتے ہیں اس وقت وہ آدھی سے زیادہ عمر گزار چکے ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر انعام الحق نے بھی اسی بے حسی کی طرف مزاحیہ انداز میں اشارہ کیا ہے کہ اگر دُلھا اور دُلھن کی عمریں پوچھی جائیں تو پچاس ساٹھ سال کے ہوں گے۔

وقت کے ساتھ ساتھ معاشرے میں جتنی تیزی سے تبدیلی آتی ہے۔ رسم و رواج اور ثقافت کو موجودہ وقت کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے دلاور فگار نے بھی "ثقافتی انقلاب" کے حوالے سے لڑکے اور لڑکی کی شادی کی منظر کشی کچھ اس انداز میں کی ہے۔ آج کل یہ پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے۔ لڑکا (دُلھا) کون ہے اور لڑکی (دُلھن) کون ہے کیونکہ دونوں لباس اس طرح زیب تن کرتے ہیں ان میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے دلاور فگار کہتے ہیں۔

میں شیروانی میں پھنسی تو بیل باٹم پر مرا
میں مرد ہوں، عورت ہے تو، کوئی نہیں خواجہ سرا
میں تو سمجھتی تھی کہ ہے تعلیم ہی زیور تیرا
دیکھا تو اک چمپا کلی پہنے تھا کل دیور تیرا
اب کون کرے گا یقین میں ہوں دُلھن دُلھا ہے تو
صورت سے تو یہ لگتا ہے مجنوں ہوں میں لیلیٰ ہے تو[113]

دلاور فگار نے دُلھن اور دُلھا کے لیے لیلیٰ اور مجنوں کی تشبیہ استعمال کی ہے۔ جس کی بدولت لگتا ہے کہ میں مجنوں ہوں تم لیلیٰ ہو۔ آج کل کے دور میں لڑکوں میں ایسی نزاکت آگئی ہے کہ وہ لڑکی دکھائی دیتے ہیں اور لڑکی لڑکا اس لیے یقین کرنا مشکل ہے کہ یہ دُلھا اور وہ دُلھن۔

"دعوت ولیمہ" کی نظم میں دلاور فگار نے یہاں دُلھا دُلھن کی تعریف کی ہے وہاں معاشرے کی بے حسی کی طرف طنزاً مخاطب ہو کر کہتے ہیں۔ کہ لڑکے والوں کے آج کل اتنے ہیوی ریٹ ہیں کہ بیاہ کے لیے لڑکے دستیاب ہی نہیں ہوتے۔ انگریزی الفاظ کے ذریعے مزاح پیدا کیا ہے۔

یہ انتخاب شوہروزن فرسٹ ریٹ ہے
دُلھا بھی ہے گریٹ دُلھن بھی گریٹ ہے
کیا حسنِ انتظام ہے شادی کی بزم میں
جو چیز دیکھئے وہ قرینے سے سیٹ ہے
دُلھا میاں بھی ملتے نہیں بیاہ کے لیے
لڑکوں کا لڑکیوں سے بہت ہائی ریٹ ہے[114]

لڑکے کے گھر والوں کی اتنی لمبی لسٹ ہوتی ہے جس کے مطابق اگر وہ لڑکی ان کے معیار پر پوری اترتی ہے۔ زیادہ جہیز لاتی ہے تب وہ اس کے مطلوبہ لڑکے سے شادی کرتے ہیں۔ اسی لیے شاعر نے طنزاً کہا ہے کہ لڑکی کی نسبت لڑکوں کے ریٹ بہت ہائی ہیں۔

ڈاکٹر انعام الحق جاوید نے "لاہوری دُلھن" کے قطعہ میں لاہور میں رہنے والی دُلھن کے حوالے سے مزاحیہ انداز میں کہا ہے کہ لاہور میں رہنے والی لڑکیوں کے لیے کسی دوسری جگہ رہنا مشکل ہوتا ہے۔

پنساری کی ہٹی پہ اراروٹ میں رہنا
منظور ہے مجھ کو کسی اخروٹ میں رہنا
میکے میں پہنچتے ہی دُلھن چیخ کے بولی
میرے لیے ممکن نہیں چنیوٹ میں رہنا[115]

دلاور فگار نے "کوئی اور ہے" مصرعے کی پیروڈی کے انداز میں نقل کی ہے۔ جس میں وہ مزاحیہ انداز میں یہ کہتے ہیں کہ مہر کی جو رقم طے ہوئی تھی۔ وہ دُلھن کا مجھ سے مذاق تھا۔ مجھے گھر پہنچ کر پتہ چلا کہ میری اہلیہ کوئی اور ہے۔

وہ جو مہر بہر نکاح تھا، وہ دُلھن کا مجھ سے مزاح تھا

یہ تو گھر پہنچ کے پتا چلا، میری اہلیہ کوئی اور ہے[116]

دُلھن کے آنے کے بعد ماں کی حیثیت کیسے بدل جاتی ہے۔ وہ اپنے لختِ جگر کو تلاش کرتی رہتی ہے۔ لیکن اس کا ملنا مُحال ہوتا ہے۔ رخسانہ نازی نے "آنکھ کا تارا" محاورے کا استعمال کر کے طنز کیا ہے۔ مائیں دُلہن تو لے آتی ہیں۔ اپنے چاند سے ٹکڑے کو پھر تلاش کرتی رہتی ہیں۔

بیٹے کو جب سے لا کے دی اک چاند سی دُلھن

امّاں کو اس کی آنکھ کا تارا نہیں ملا[117]

viii۔ دُلھا:

دُلھا جس طرح اپنی شادی پر تیار ہوتا ہے آنے والے دنوں کے حسین سپنے سجائے دُلھن کے گھر جاتا ہے لیکن بعد میں جو اس کی دُرگت بنتی ہے۔ اس حوالے سے افضل پارس اپنے قطعہ "بلّی دن" میں دُلھا اور قربانی کے بکرے دونوں کی مماثلت قرار دیتے ہوئے مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں کہ دونوں کو آخر کار دار پر چڑھنا ہوتا ہے۔ دُلھا بھی قربانی کا بکرا ہی ہوتا ہے۔

پہلے پہل تو دونوں کو ہی خوب سجایا جاتا ہے

ہر لحظہ ہی رکھتے ہیں ہم ہاتھوں کے اک جھولے میں

آخر دم تو دونوں کو ہی دار پر چڑھنا ہوتا ہے

فرق نہیں ہے قربانی کے بکرے یا پھر دولہے میں[118]

دُلھا جس طرح دُلھن کے گھر میں جا کر جو رویہ اختیار کرتا ہے، سمجھتا ہے کہ میں اس وقت لڑکی والوں سے جو بات منوانا چاہتا ہوں منوالوں گا۔ مجبور اور بے بس والدین ان کی منت سماجت کرتے رہتے ہیں لیکن دُلھا کے

نخرے ہی ختم نہیں ہوتے۔ گھر والے کھانے پینے کے حوالے سے کہتے ہیں اور وہ شادی میں والدین کی طرف سے گھر نہ ہونے کی فرمائش کرتا رہتا ہے۔ طنزیہ انداز میں مرزا عاصی اختر ایسے ہی دُلھا کا تذکرہ کر رہے ہیں۔

کھانا کھایا نہیں ہے دُلھانے
اور کرتا ہے کار کی باتیں[119]

گولڈن شیک ہینڈ کی اصلاح کی بجائے امیر الاسلام ہاشمی "گولڈن ہینڈ شیک" کی اصطلاح مزاحیہ انداز میں استعمال کر کے اس دُلھا کی مانگیں گئیں دعاؤں کا تذکرہ مزاحیہ انداز میں کر رہے ہیں۔ جو شادی کی گولڈن رات کو اپنے کم تعلیم یافتہ ہونے پر دعائیں مانگ رہا ہے کہ آج کی خوبصورت رات کو میری بیوی کے سامنے میرا بھانڈا نہ پھوٹ جائے کیونکہ اس کی بیوی اس سے زیادہ تعلیم یافتہ ہے۔

دعائیں گولڈن نائٹ میں اک دُلھا نے یوں مانگیں
دُلھن بن کر جو اک نوخیز میرے گھر میں آئی ہے
سند میں بیچلرز کی اس سے کس طرح بچاؤں گا
وہ مس ہو کر بھی ڈگری ماسٹر کی ساتھ لائی ہے[120]

ix۔ ہمسائی:

ازدواجی زندگی میں یہاں میاں بیوی اپنے گھر میں رہتے ہیں۔ وہاں سسرال کے ساتھ ساتھ دیگر لوگ بھی ہوتے ہیں جو ان کی زندگی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ جو آپ کے گھر میں تانک جھانک کرتے رہتے ہیں۔ جن کی وجہ سے گھریلو زندگی میں بعض اوقات توتو میں میں بھی ہو جاتی ہے اور نوبت علیحدگی تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ اہم کردار ہمسائیوں کا ہوتا ہے۔ ہمارے مذہب میں ہمسایہ کو "ماں جایا" کہا جاتا ہے یعنی ماں کے بیٹی جیسا۔ اسلام نے تو ہمسائیوں کے اتنے حقوق بیان کیے ہیں کہ صحابہ کرام اس بات سے پریشان ہو گئے کہیں ان کو بھی جائیداد میں سے حصہ نہ مل جائے۔ ہمسائیوں کا کردار یہاں آپ کی زندگی میں رس گھولتا ہے وہاں

یہی ہمسائے آپ کی زندگی کو تباہ و برباد کرنے پر بھی تلے ہوئے ہوتے ہیں۔ شعراء کرام نے اپنی شاعری میں اکثر ان ہمسایوں خاص طور پر ہمسائی کا تذکرہ کیا ہے۔ جس کو دیکھ کر ہر مرد خاص طور پر شوہر کی رگ محبت پھڑک اٹھتی ہے۔اسی قسم کی حسرت کا اظہار مزاحیہ انداز میں اعجاز گیلانیؔ اپنے قطعہ میں کرتے ہیں۔ ہر مرد کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی بیوی میکے میں رہے اور پڑوسن کے ہاتھ کا بنا ہوا کھانا اسے نصیب ہو۔

دشت غربت میں مرے دل کو تسلی دینے
دست زوجہ میں چھری ہو تو غزل ہوتی ہے
بیوی میکے میں رہے کھانا پڑوسن بھیجے
اس پر جب ساس لڑی ہو تو غزل ہوتی ہے[121]

سرفراز شاہد نے پروین شاکر کی زبان زدِ عام مصرعے "اک یہی بات ہے اچھی میرے ہرجائی کی" کی پیروڈی ہمسائی کی شکل میں کی ہے۔ جس میں لفظ "ہرجائی" کی جگہ "ہمسائی" استعمال کر کے ہمسائی کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے۔

میرے افسانے سناتی ہے محلے بھر کو
اک یہی بات ہے اچھی میری ہمسائی کی
ایسے ملتا ہے چنریا سے ہیر بینڈ کا رنگ
جس طرح سوٹ سے میچنگ ہے میری ٹائی[122]

ثروت شکیل ایسی ہمسائی کی منظر کشی مزاحیہ انداز میں کر رہی ہیں۔ جو بڑی تند و تیز ہے جبکہ اس کے برعکس اس کا شوہر برف کی مانند ٹھنڈا۔

میری پڑوسن دبلی پتلی نازک سے استانی ہے

شوہر اس کا باقر خان ہے خود وہ نازک سی باقر خانی ہے

اس کی تُند مزاجی کے ہیں چرچے سارے گاؤں میں

اس کا شوہر نرم طبیعت، سرتا پا برفانی ہے[123]

اطہر علی شاہ خان اقبال کی مشہور نظم "یارب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے" کی پیروڈی کی ہے۔ جس میں انہوں نے اقبال کی اس نظم کے مصرعوں میں ردوبدل کر کے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا ہے۔ اے خدایا اب ہم گھر بدلیں تو ایسی ہمسائی ملے "جو قلب کو گرما دے اور روح کو تڑپا دے"۔

یارب دل جیدی میں ایک زندہ تمنا ہے

تو خواب کے پیاسے کو تعبیر کا دریا دے

اس بار مکاں بدلوں تو ایسی پڑوسن ہو

"جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے"[124]

اقبال کے مصرعے جو" قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے "ہمسائی کے حوالے سے استعمال کر کے تحریف نگاری کی ہے۔

عاشق مزاج شوہر کی خواہش کا اظہار عزیز احمد اپنے شعر میں کچھ اس طرح طنزیہ انداز میں کہتے ہیں۔ میں بہت سے لوگوں سے محبت کیوں کروں میرے لیے ایک ہمسائی ہی کافی ہے۔

محبت کیوں محلے بھر سے کرلیں

ہمیں تو ایک ہمسائی بہت ہے[125]

اطہر خان جیدی نے پڑوسن سے میل ملاقات کرنے کے لیے اس کے ساتھ رشتہ رکھنے کے لیے اپنی ہمسائی کو ہی بہن بنالیا۔ تا کہ لوگوں کو اس مقدس رشتے کے حوالے سے شک نہ ہو۔ اسی لیے اپنے دل پر پر پتھر رکھ کر

طنزیہ انداز میں کہتے ہیں۔

بہن بنالیا جیدی نے اک پڑوسن کو
کچھ اس طرح سے وہ ذہنی فتور میں اٹکا[126]

سرفراز شاہد علاقے میں اپنی شہرت کی بنیادی وجہ ہمسائی کو قرار دیتے ہیں کیونکہ ہر گھر میں ہمسائی چکر لگاتی رہتی ہے۔ ہر گھر کی ٹوہ میں رہتی ہے اور گھر گھر جا کر اس گھر میں ہونے والی باتوں کو طشت از بام کرتی ہے۔ اسی حوالے سے شاعر مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں کہ گھر گھر میرا چرچا اس ہمسائی کی بدولت ہی ہے۔

محلے میں میری شہرت پڑوسن ہی کے دم سے ہے
یہ بی بی گر نہ ہوتی میرے افسانے کہاں جاتے[127]

مجذوب چشتی اس شوہر کی فریاد بیان کر رہے ہیں۔ جس کے گھر میں ہر وقت بیوی بچوں نے ہنگامہ برپا کر رکھا ہوتا ہے۔ بیوی خاوند کو الگ غصے ہو رہی ہے۔ بچے گھر میں الگ رو رہے ہیں ایک ہنگامہ برپا ہوتا ہے۔ جس کی آواز ہمسائیوں تک جاتی ہے لیکن مظلوم شوہر کی کوئی سننے والا نہیں ہوتا۔ اس بات کو بیان کرنے کے لیے مجذوب چشتی نے "تضمین" یہاں تو بات کرنے کو کو ترستی ہے زباں میری" کا مزاحیہ انداز میں استعمال کیا ہے

میرے گھر کا جو نقشہ ہے بیان میں کر نہیں سکتا
میرے ہمسائے بھی سنتے ہیں آہ و فغاں میری
ادھر بچوں کا رونا ہے، ادھر ہے ڈانٹ بیوی کی
"یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری"[128]

ڈاکٹر مظہر عباس رضوی اپنی پڑوسن کا ذکر کر رہے ہیں جو کسی کے گھر میں جاتی ہے۔ تو باتوں کے ساتھ ساتھ اس کی نگاہیں ہر طرف گھوم رہی ہوتی ہیں۔ ایک چوری وہ چوری ہوتی ہے کہ چیزیں اٹھا کر کی جاتی ہے۔ ڈاکٹر مظہر عباس "چوری" میں طنزاً کہتے ہیں کہ ہماری پڑوسن نظروں ہی نظروں میں گھر کی "چوری" کرتی ہے۔

گھر کی ہر چیز پے رکھتی ہے پڑوسن نظریں
آنکھ ہی آنکھ میں کرتی ہے وہ گھر کی چوری [129]

افضل پارس تو اپنے قطعہ "لوز ٹاک" میں ہمسائے کو بیوی کی طرح ہم راز بنا دیتے ہیں۔ بیوی جو خاوند کے تمام بھیدوں سے واقف ہوتی ہے لیکن میاں بیوی کے درمیان ہونے والی گفتگو نہ صرف گھر میں موجود بہن، پھوپھی اور خالہ سنتی ہیں بلکہ اس کی ہمسائی بھی ان کی لوز ٹاک سے واقف ہوتی ہے۔ اسی حوالے سے افضل پارس مزاحیہ انداز میں "لوز ٹاک" کے قطعہ میں کہتے ہیں کہ ہمسائی گھر کے تمام رازوں سے سے واقف ہوتی ہے۔

تیرے گھر میں پھوپھی خالہ ماں جائی بھی ہوتی ہے
اک مخلوق تو بیوی جیسی شرمائی بھی ہوتی ہے
سوچ رہا ہے ایک اکیلی بیوی ہے ہمراز تیری
تیرے گھر کے راز سے واقف ہمسائی بھی ہوتی ہے [130]

اسی طرح اپنے قطعہ " غیر قانونی مشورے" میں اقبال کا مصرعہ " ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں" کا مزاحیہ انداز میں استعمال کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

تو جس گھر میں رہتا ہے عرصے سے پیارے
مکاں اس سے بہتر یہاں اور بھی ہیں
وہاں پہ ہے تیری پڑوسن ستارہ
"ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں" [131]

افضل پارس کے حوالے سے سر فراز شاہد لکھتے ہیں۔

ہمارے معاشرتی، قومی اور بین الاقوامی مسائل میں روز بروز تیزی سے اضافی ہوتا جارہا ہے۔ ان کا علاج صرف ہومیو تھراپسٹ ہی کر سکتے ہیں۔ اور وہ ہومیو تھراپسٹ ہیں ہمارے مزاح نگار۔ افضل پارس کا کلام پڑھ کر ایک خوشگوار حیرت سے دوچار ہوا ہوں۔ ان کے ہاں خالص مزاح بھی ہے اور طنزیہ ظرافت بھی۔[132]

ضیاالحق قاسمی ہمسائی کے تعلقات کے حوالے سے مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں۔ اس کی ڈپلومیسی کیسی ہے کہ یہ سب کے سامنے مجھے انکل جی کہتی ہے۔ حقیقت درپردہ اس کے مختلف ہے۔

وہ بھری عزم میں کہتی ہے مجھے انکل جی
ڈپلومیسی ہے یہ کیسی مری ہمسائی کی[133]

وہ شوہر حضرات جو اپنے بیوی بچوں سے ڈرتے ہیں۔ اس کے باوجود اُن کی تانک جھانک کی عادت نہیں بدلتی۔ یہاں تک کے اپنی ہمسائی کو بھی نہیں بخشتے۔ جب بھی گلی سے گزرتے ہیں۔ سیٹی مار کر گزرتے ہیں۔ ایسے ہی شوہروں کی فطرت کو مزاحیہ انداز میں رخسانہ نازی بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں۔

مجھ پر بھی وہ دل و جان سے مرتا ہے
لیکن بیوی بچوں سے ڈرتا ہے
برسوں سے عاشق ہے مری پڑوسن پر
سیٹی مار کے وہ جو روز گزرتا ہے[134]

مجموعی حوالے سے جائزہ لیا جائے تو بعض متفرق موضوعات ازدواجی زندگی سے منسلک ایسے ہیں۔ جن کو تقریباً تمام طنز و مزاح لکھنے والوں نے اپنے اپنے انداز سے طنز و ظرافت کے مختلف حربے استعمال کر کے مسرت و انبساط کی کلکاریاں بکھیرنے کی کوشش کی ہے۔

اس حوالے سے جو موضوع زیادہ زیرِ بحث آئے اس میں دُلھا، دُلھن اور شادی بیاہ کی رسومات وغیرہ شامل ہیں شادی بیاہ کی رسومات میں جس طرح وقت گزرنے کے ساتھ تبدیلی آئی ہے، اس کو بھی شعراء کرام نے عمدگی سے بیاں کیا ہے۔ اس موقعے پر ہونے والے ہنسی مذاق اور بدمزگی کو شعراء کرام نے نپے تلے انداز میں پیش کر کے اس کو طنز و مزاح کا حصّہ بنایا۔ اس کے لیے کبھی انھوں نے شادی بیاہ سے پہلے کی زندگی اور کبھی شادی بیاہ کے بعد کی زندگی کا موازنہ کیا ہے۔ کبھی اس میں در آنے والی تلخیوں اور پریشانیوں کو طنز و مزاح کے ذریعے دریا کو کوزے میں بند کرنے کی کوشش کی ہے۔

شادی بیاہ کے یادگار موقعے پر مرکز نگاہ دُلھا، دُلھن ہوتے ہیں۔ اس دن سب کی جانب اپنی توجہ مبذول کرواتے ہیں۔ ایسے موقعے پر مرد و زن ان کے حوالے سے کیا تبصرہ کرتے ہیں اور کن کن نظروں سے دیکھتے ہیں۔ اس کا نقشہ اور ان کا لب و لہجہ ان شعراء کے ہاں کبھی مزاح کی پھلکاریوں اور کبھی طنز کے تیروں کی صورت میں دکھائی دیا ہے۔

بیوٹی پارلر شادی بیاہ کے حوالے سے دُلھن کو تیار کرنے کا جو ذریعہ بن چکا ہے۔ اس موقعہ پر بیوٹی پارلر والیاں کس طرح پیسے بٹورتی ہیں۔ نہ صرف اس کا بلکہ دُلھن کا حلیہ اور نین نقشہ جس طرح بناتی اور بگاڑتی ہیں۔ اس کی تصویر کشی بھی طنز و مزاح لکھنے والوں نے خوب کی ہے۔ جس کو پڑھ کر بے اختیار ہنسی آجاتی ہے۔

ازدواجی زندگی سے ہی منسلک عشق کا موضوع بھی شعراء کے ہاں زبان زدعام دکھائی دیا ہے۔ نوجوان نسل کس طرح ہمارے معاشرے میں شادی سے پہلے محبت کے دام میں گرفتار ہوتی ہے۔ نوبت پھر شادی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہی عشق ومحبت کی شادی کس طرح تُوتُو میں میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ جس میں ہمارا مڈل کلاس اور لوئر کلاس طبقہ زیادہ جکڑا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ یہاں اس طرح کی شادی کا انجام طلاق کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ ایک دوسرے سے زیادہ توقعات وابستہ کرلی جاتی ہیں۔ جب خواب چکنا چور ہوتے ہیں تو لڑائی جھگڑے اور گلے شکوے کس طرح زبان پر آتے ہیں۔ اس کو شعراء کرام نے اپنے لہجے کے زیروبم سے اجاگر کیا ہے۔

ازدواجی زندگی کے حوالے سے بعض لوگوں پر بیوی کا خوف ایسے طاری ہوتا ہے کہ اس کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی وہ اس کے سحر سے آزاد نہیں ہو پاتے۔ اسی کا خوف ہر لمحہ ان پر طاری ہوتا ہے، اسی کیفیت کو شعراءنے "کتبہ" کے عنوان کی صورت میں ہماری شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ مرنے کے بعد بھی وہ بیوی کے ڈر کی وجہ سے اس کی قبر پر جاتا دکھائی دیتا ہے۔

شادی کے موقعے پر دُلھا کے حوالے سے جو سہرابندی کی رسم کی جاتی ہے۔ اس موقعے پر دولہے کو جس طرح تیار کیا جاتا ہے۔ ان رسومات کی عکاسی اور ان کے حوالے سے پڑھا جانے والا "سہرا" بھی ہمارے شعراء کا موضوع بنا ہے۔

ازدواجی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو شعراء کرام نے اپنی شاعری میں اجاگر کیا ہے۔ یہاں تک کے اپنی ذات کو بھی طنز و مزاح کا نشانہ بنایا ہے۔ دوسروں پر انگلی اٹھانا تو آسان ہوتا ہے لیکن اپنے آپ کو تنقید کا نشانہ بنانا مشکل۔ اس سلسلے میں طبقہ ء شعراء نے اپنی اور اپنی بیوی کے خیالات کی ترجمانی بھی کی ہے۔ جو اس کے ہر وقت نہایت باریک بینی کے ساتھ عرق زیری سے نالاں دکھائی دیتی ہے۔ کیونکہ شاعری سے پیٹ نہیں بھرا جاسکتا۔ اس سلسلے میں ان میں جو چپقلش ہوتی ہے وہ کس طرح خاوند کو سودا سلف لانے کے لیے پکارتی ہے۔ اور شاعر کس طرح شاعری کرتے کرتے اکتاہٹ کا اظہار کرتا ہے۔ اس کا نقشہ طنز و مزاح کے آئینے میں کھینچا ہے۔

ازدواجی زندگی میں ہماری روز مرّہ زندگی کا اہم کردار ہمارے ہمسائیوں کا بھی ہے۔ جو میاں بیوی کی زندگی میں ہونے والے اتار چڑھاؤ کے چشم دید گواہ ہوتے ہیں۔ ہمسائی جو نہ صرف ہمارے گھروں کے راز سے واقف ہوتی ہے۔ بلکہ موقعہ بہ موقعہ وارد ہوتی رہتی ہے۔ جس کی وجہ سے مرد حضرات اپنی بیوی کی نسبت ہمسائی کی مثالیں دیتے نظر آتے ہیں اس حوالے سے طنز و مزاح لکھنے والوں نے نہ صرف مرد کی نفسیات بلکہ عورت کے اندر پائی جانے والی رقابت اور حسد کو بھی اپنے اپنے اسلوب و بیان کی بدولت بیان کیا ہے۔ کس طرح ہمسائی ان میاں بیوی کے درمیان میں سلگتی ہوئی چنگاری کا کام سرانجام دیتی ہے۔ جس کی وجہ سے خاوند کو اپنی بیوی میں برائیاں اور ہمسائی میں اچھائیاں نظر آتی ہیں۔

ہمارے قلم کاروں نے مجموعی طور پر ان متفرق موضوعات کو اپنی شاعری کا حصّہ بنایا ہے۔ اپنے قلم کی طاقت کی بدولت اس میں پائی جانے والی اچھائیوں اور برائیوں کو ابھارا ہے جو انہی کا شیوہ ہے۔

حوالہ جات

۱۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، ص48

۲۔ مرزا عاصی اختر، غزل، گُد گُدّی، ایجو کیشنل پریس، کراچی، دسمبر، 2009، ص80

۳۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، سوبٹا سو، ص80

۴۔ سرفراز شاہد، غزل، ڈش انٹینا، ص116

۵۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، ص56

۶۔ مظہر عباس رضوی، ڈاکٹر، دھان پان (نظم)، گڑبڑ گھٹالہ، ص103

۷۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، ص88

۸۔ سرفراز شاہد، قطعہ، گُفتہ شگُفتہ، ص47

۹۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، ص

10۔ لیاقت علی لیاقت، قطعہ، باقی تو سب ٹھیک ہے، ص101

11۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، ص67

12۔ مرزا عاصی اختر، قطعہ، گُدگُدّی، ص62

13۔ سرفراز شاہد، غزل، گُفتہ شگُفتہ، ص95

14۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، ص28

15۔ دلاور فگار، اونٹ کی شادی (نظم)، کلیات دلاور فگار، ص203-202

16۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ

17۔ دلاور فگار، نظم، کلیات دلاور فگار، ص300

18۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، ص

19 انعام الحق جاوید، ڈاکٹر،، ص115

20۔ دلاور فگار، اونٹ کی شادی (نظم)، کلیات دلاور فگار، ص406

21۔ سید ضمیر جعفری، شوہر فریادی (آزاد نظم)، نشاطِ تماشا، ص155۔152

22۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، کوئے ظرافت، ص83

23۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، کوئے ظرافت، ص117

24۔ خالد مسعود خان، قطعہ، مشمولہ: ابّا کہاں سے لبّھا تھا، ص20

25۔ محبوب عزمی، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، ص273

26۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، کوئے ظرافت، ص156

27۔ زاہد فخری، قطعہ، مشمولہ: مشہور مزاحیہ شاعری، ص124

28۔ سرفراز شاہد، قطعہ، مشمولہ: مشہور مزاحیہ شاعری، ص69

29۔ سرفراز شاہد، قطعہ، مشمولہ: مشہور مزاحیہ شاعری، ص73

30۔ عنایت علی خاں، قطعہ، مشمولہ: مشہور مزاحیہ شاعری، ص98

31۔ نیاز سواتی، قطعہ، مشمولہ: مشہور مزاحیہ شاعری، ص102

32۔ سرفراز شاہد، غزل، گُفتہ شگُفتہ، ص29

33۔ مرزا عاصی اختر، قطعہ، گُد گُدّی، ص110

34۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، سوبٹا سو، ص32

35۔ شاہد الوری، قطعہ، ص298

36۔ سرفراز شاہد، فیشن کدّہ (نظم)، (کلیات) ڈش انٹینا، ص159۔158

37۔ شاہد الوری، قطعہ، مشمولہ: لاجواب مزاحیہ شاعری، ص181

38۔ انور مسعود، قطعہ، در پیش، ص60

39۔ سرفراز شاہد، قطعہ، گُفتہ شگُفتہ، ص43

40۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، ص110

41۔ سرفراز شاہد، قطعہ، گُفتہ شگُفتہ، ص143

42۔ مرزا عاصی اختر، قطعہ، گُد گُدّی، ص57

43۔ انور مسعود، قطعہ، در پیش، ص74

44۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، ص44

45۔ سرفراز شاہد، قطعہ، ڈش انٹینا، ص275

46۔ عنایت علی خان، قطعہ، مشمولہ: مرچیں، ص59

47۔ سرفراز شاہد، قطعہ، ڈش انٹینا، ص262

48۔ سرفراز شاہد، غزل، ڈش انٹینا، ص78

49۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، ص116

50۔ مظہر عباس رضوی، ڈاکٹر، بیوٹی پارلر میں (نظم)، گڑبڑ گھٹالہ، ص83۔82

51۔ امیر الاسلام ہاشمی، مشمولہ: انور مسعود سے خالد مسعود تک، مرتب: حسن عباسی، نستعلیق مطبوعات، لاہور، مئی 2004، ص20

52۔ رخسانہ نازی، کنوارا نہیں ملا، مون پبلی کیشنز، لاہور، اپریل 2007، ص 111

53۔ مرزا عاصی اختر، قطعہ، گُد گُدّی، ص109

54۔ مظہر عباس رضوی، قطعہ، گڑبڑ گھٹالہ، ص152

55۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، ص126

56۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، ص120

57۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، تبسّم طرازیاں، ص64

58۔ سرفراز شاہد، قطعہ، ڈش انٹینا، ص252

59۔ لیاقت علی لیاقت، قطعہ، باقی تو سب ٹھیک ہے، ص207

60۔ محمد طٰہٰ خان، قطعہ، مشمولہ: ابّا کہاں سے لبھا تھا، ص106

61۔ مرزا عاصی اختر، قطعہ، گُد گُدّی، ص59

62۔ شاہد الوری، ڈاکٹر، غزل، مشمولہ: لاجواب مزاحیہ شاعری، ص172

63۔ مظہر عباس رضوی، ڈاکٹر، پہلے اُس کی فکر میں دُبلا ہوا (نظم)، گڑبڑ گھٹالہ، ص74

64۔ خالد مسعود خان، قطعہ، ابّا کہاں سے لبھّا تھا، ص15

65۔ انور مسعود، قطعہ، قطعہ کلامی، ص73

66۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، تبسّم طرازیاں، ص142

67۔ روحی کنجاہی، بیوی کے حضور (نظم)، مشمولہ: ابّا کہاں سے لبھا تھا، ص85

68۔ سیّد ضمیر جعفری، قطعہ، نشاطِ تماشا، ص155

69۔ اسرار اشفاق، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ مشاعرہ، ص104

70۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، کوئے ظرافت، ص115

71۔ سیّد ضمیر جعفری، قطعہ، نشاطِ تماشا، ص42

72۔ استاد احمد گجراتی، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، ص32

73۔ مجذوب چشتی، قطعہ،

74۔ ضیاالحق قاسمی، قطعہ، مشمولہ: مشہور مزاحیہ شاعری، ص34

75۔ دلاور فگار، قطعہ، مشمولہ: مشہور مزاحیہ شاعری۔ ص82

76۔ نیاز سواتی، قطعہ، مشمولہ: مشہور مزاحیہ شاعری۔ ص103

77۔ عزیز احمد، مشمولہ: انور مسعود سے خالد مسعود تک، مرتب: حسن عباسی، نستعلیق مطبوعات، لاہور، مئی2004، ص104

78۔ رخسانہ نازی، کنوارا نہیں ملا، مون پبلی کیشنز، لاہور، اپریل2007، ص110

79۔ طیب علی اطہر، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، ص198

80۔ سید ضمیر جعفری، آزاد نظم، نشاطِ تماشا، ص328

81۔ نیاز سواتی، قطعہ، مشمولہ: مرچیں، ص217

82۔ سید ضمیر جعفری، قبر اور کتبہ (نظم)، نشاطِ تماشا، ص325

83۔ انور مسعود، شاخِ تبسّم، ص110

84۔ دلاور فگار، قطعہ، مشمولہ: لاجواب مزاحیہ شاعری، ص67

85۔ روف رحیم، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، ص147

86۔ شوکت تھانوی، قطعہ، مشمولہ: اردو ادب کی مزاحیہ شاعری، ص65

87۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، کوئے ظرافت، ص105

88۔ نصیر عسکری، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، ص307

89۔ سید ضمیر جعفری، شوق کی بلندی (نظم)، نشاطِ تماشا، ص148

90۔ سید ضمیر جعفری، شوق کی بلندی (نظم)، نشاطِ تماشا، ص151

91۔ سید ضمیر جعفری، قطعہ، نشاطِ تماشا، ص151

92۔ نورِ عالم امروہوی، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، ص308

93۔ خالد عرفان، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، ص100

94۔ سید فہیم الدین، تاڑنے والے (نظم)، مشمولہ: بہترین مزاحیہ شاعری، ص151

95۔ مظہر عباس رضوی، ڈاکٹر، قطعہ، گڑبڑ گھٹالہ، ص167

96۔ مظہر عباس رضوی، ڈاکٹر، تخیّل شاعر (نظم)، گڑبڑ گھٹالہ،، ص18۔17

97۔ سر فراز شاہد، قطعہ، گُفتہ شگُفتہ، ص53

98۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، سوبٹا سو، ص27

99۔ شوکت تھانوی، شاعر کی بیوی (نظم)، مشمولہ، مرچیں، ص161

100۔ شوکت تھانوی، جواب (نظم)، مشمولہ، مرچیں، ص163۔162

101۔ نیاز سواتی، مشمولہ: انور مسعود سے خالد مسعود تک، مرتب: حسن عباسی، نستعلیق مطبوعات، لاہور، مئی 2004، ص146

102۔ انور مسعود، سوالنامہ از راقمہ

104۔ دلاور فگار، آٹھواں سہرا (نظم)، کلیات دلاور فگار، ص414۔413

105۔ دلاور فگار، سہرے میں مرثیہ، مرثیہ میں سہرا (نظم)، کلیات دلاور فگار، ص155۔154

106۔ سر فراز شاہد، قطعہ، مشمولہ: مشہور مزاحیہ شاعری، ص69

107۔ اطہر شاہ خان جیدی، قطعہ، مشمولہ: گلہائے تبسّم، ص49

108۔ مظہر عباس رضوی، ڈاکٹر، قطعہ، گڑبڑ گھٹالہ، ص5

109۔ سر فراز شاہد، قطعہ، گُفتہ شگُفتہ، ص81

110۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، سوبٹا سو، ص81

111۔ استاد احمد گجراتی، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، ص33

112۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، مشمولہ: مشہور مزاحیہ شاعری، ص59

113۔ دلاور فگار، ثقافتی انقلاب (نظم)، کلیات دلاور فگار، ص637

114۔ دلاور فگار، دعوت ولیمہ (نظم)، کلیات دلاور فگار، ص300

115۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، کوئے ظرافت، ص43

116۔ دلاور فگار، معاملہ کوئی اور ہے (نظم)، کلیات دلاور فگار، ص666

117۔ رخسانہ نازی، کنوارا نہیں ملا، مون پبلی کیشنز، لاہور، اپریل 2007، ص100

118۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، ص42

119۔ مرزا عاصی اختر، قطعہ، گُدگُدّی، ص52

120۔ امیر الاسلام ہاشمی، قطعہ، مشمولہ: لاجواب شاعری، ص169

121۔ اعجاز گیلانی، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، ص42

122۔ سرفراز شاہد، قطعہ، مشمولہ: مشہور مزاحیہ شاعری، ص68

123۔ ثروت شکیل، قطعہ، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، ص82

124۔ اطہر شاہ خان جیدی، قطعہ، مشہور مزاحیہ شاعری، ص121

125۔ عزیز احمد، نظم، مشمولہ: مزاحیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا، ص223

126۔ اطہر شاہ خان جیدی، قطعہ، مشمولہ: ابّا کہاں سے لبھّا تھا، مرتبہ: خالد مسعود خان، فن پبلی کیشنز، اسلام آباد، مارچ2005، ص16

127۔ سرفراز شاہد، قطعہ، گُفتہ شگُفتہ، ص147

128۔ مجذوب چشتی، قطعہ، مشمولہ: مرچیں، مرتبہ: زاہد فخری، خزینہ علم و ادب، لاہور، 2005، ص205

129۔ مظہر عباس رضوی، ڈاکٹر، چوری (نظم)، گڑبڑ گھٹالہ، ص60

130۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، ص101

131۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، ص55

132۔ سرفراز شاہد، مشمولہ: عقل بڑی کہ بیوی، افضل پارس، سجاد پبلی کیشنز۔ لاہور، ص15

133۔ ضیاالحق قاسمی، مشمولہ: انور مسعود خان تک، مرتب، حسن عباسی، نستعلیق مطبوعات، لاہور، مئی2004، ص44

134۔ رخسانہ نازی، کنوارا نہیں ملا، مون پبلی کیشنز، لاہور، اپریل2007، ص67

باب پنجم:

مجموعی جائزہ / نتائج وسفارشات

مجموعی جائزہ:

مجموعی جائزہ کے اجمال سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اردو طنزیہ ومزاحیہ شاعری میں ازدواجی زندگی کی عکاسی کے سلسلے میں "اودھ پنچ" کو سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ اس سے پہلے بھی شاعری میں خال خال ازدواجی

زندگی کا تذکرہ ملتا ہے۔ جس کو اس عہد کے شعراء نے اپنی شاعری کی مختلف اصناف میں استعمال کیا ہے۔ جیسے میر تقی میر نے اپنے گھر کی حالت کے سلسلے میں اپنی ہجو "گھر" میں اپنی ذات کو طنز کا نشانہ بنا کر گھر کی خستہ حالی کا نقشہ کھینچا ہے۔

اس دور میں شعراء کبھی رندانہ انداز میں، کبھی ہجو اور کبھی ریختی کو اپنا ذریعہ اظہار بناتے نظر آتے ہیں۔ "اودھ پنچ" میں یوں تو طنز و مزاح لکھنے والوں کی بھرمار نظر آتی ہے۔ لیکن اکبر الہ آبادی ان سب سے مختلف انداز اپناتے نظر آتے ہیں۔ جن کی شاعری میں رعایت لفظی، بازی گری اور تحریف نگاری کی مثالیں ملتی ہیں۔ جس میں انہوں نے عورت کو بھی موضوع بنایا ہے جو مغربی تقلید میں مشرقی روایات کو ترک کرتی چلی جارہی ہے۔

تعلیم کی خرابی سے شوہر پرست بیویاں

پبلک لیڈی بن گئی ہیں (اکبر الہ آبادی)

اکبر الہ آبادی نے چادر اور چار دیواری کے تقدّس کے حوالے سے عورت کی بحثیت بیوی، ماں، بیٹی اور بہو کے جو ذمہ داریاں ہیں اور وہ مغربی تقلید میں کس ڈگر پر چل رہی ہے اس کو اپنے طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ اقبال بھی سماجی اور معاشرتی اقدار کے کھوکھلے ہونے پر اپنے مخصوص اندازِ بیان کی بدولت طنز کے تیر برساتے ہیں۔ جس میں کبھی زیرِ لب تبسّم کی سی کیفیت ہے۔

"اودھ پنچ" کی جدید رَو جو تقسیم پاکستان کے بعد کی ہے۔ جس میں شعراء نے سماجی، معاشرتی اور معاشی حالات و واقعات کے تناظر میں نت نئے موضوعات کو جگہ دی۔ جس میں طنز و مزاح لکھنے والا معاشرے میں ہونے والی شکست و ریخت کو کبھی اپنے طنز کے ذریعے اور کبھی مضحکہ خیز انداز سے، مزاح کو ابھارتے نظر آتے ہیں کیونکہ شاعر معاشرے کا حساس طبقہ تصور کیا جاتا ہے۔ وہ معاشرے میں ہونے والی اِن بے اعتدالیوں اور ناہمواریوں کو نہاہت باریک بینی سے نہ صرف دیکھتا ہے بلکہ اپنی شاعری کے لیے ذریعہ اظہار بھی تلاش کرتا ہے۔ جس میں کبھی اِن حماقتوں کو طنز کے لبادے میں اور کبھی زیرِ لب تبسّم کی کیفیت میں بیان کر دیتا ہے جس

کا مقصد معاشرے کی اِن کج ادائیوں کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے۔ جس سے اُس مسئلے کو سدھارا جاسکے یا اس کی اصلاح کی جاسکے اور یہ فریضہ ہمارے اہلِ قلم بلخصوص طنز و مزاح لکھنے والے سر انجام دے رہے ہیں۔ اس مقصد کے لئے طنز و مزاح لکھنے والوں نے ازدواجی زندگی کے مختلف رنگوں کو اپنی شاعری میں فروغ دیا۔ گھریلو زندگی میں ہونے والی اِن اُونچ نیچ کو کبھی بیوی کے ظلم، کبھی خاوند کی زن مریدی، کبھی خاوند اور بیوی کے درمیان میں ہونے والی چپقلشوں، ساس اور بہو کی نوک جھونک، کبھی عقد ثانی کی آرزوؤں اور کبھی منصوبہ

آبادی پر عمل درآمد کرنے کے منصوبوں پر عمل پیرا ہونے کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا۔ جس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

ہے غلط بہبودِ آبادی کا ہم پر اعتراض
گرچہ ہم لگتے نہیں بڑے ہشیار ہیں
دو کا اوسط ہم نے رکھا ہے ابھی تک برقرار
آٹھ بچے ہیں تو کیا ہے بیویاں بھی چار ہیں (مرزا حیدر عباس)(1)

جج نے پوچھا غصّے میں اک عورت سے
آپ نے شوہر کو ہانڈی کیوں ماری تھی؟
اس پر وہ معصوم عورت یوں بولی
دیگ اٹھانی چاہیے تھی وہ بھاری تھی (مبارک صدیقی)(2)

اس کو دے رکھا ہے اللہ نے ایسا جوہر
جنگ کی آگ جہاں چاہے لگا سکتی ہے

اس کو جنگل میں جو چھوڑ آئے اعضا اس کے
وہ درختوں کو بھی آپس میں لڑا سکتی ہے (انور مسعود) (3)

سر عام گالیاں کچھ اور بھی ہی
"ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہین"
ابھی تو فقط ایک بیگم نے پیٹا
"مقاماتِ آہ و فغاں" اور بھی ہیں" (مرزا عاصی اختر) (4)

آج پھر تیری خاطر اے بیگم
فارم بیمے کا بھر رہا ہوں
گولڈن چانس ہے یہ تیرے لیے
تیسری بار مر رہا ہوں میں (ڈاکٹر انعام الحق) (5)

وہی بیگم کی خونخواری جو پہلے تھی سو اب بھی ہے
وہی غصّے کی بیماری جو پہلے تھی سو اب بھی ہے
وہی ٹرٹر وہی خفگی وہی غمزے وہی عشوے
وہی طعنوں کی بمباری جو پہلے تھی سو اب بھی ہے (نظر برنی) (6)

طنز و مزاح کے لکھنے والوں نے اس مقصد کے لیے کبھی لفظی بازی گری کے ذریعے ایسے مضحکہ خیز واقعات کو قلمبند کیا ہے جس سے سارا منظر نگاہوں کے سامنے گھوم جاتا ہے خالص مزاح کا یہ حربہ جو لفظی مزاح کی صورت میں شعراء نے بیان کیا ہے ازدواجی زندگی میں ہونے والے اُتار چڑھاؤ کو پُر مزاح بنا کر ہمیں

معاشرے میں پائے جانے والے خلاء اور بے اعتدالیوں کی طرف سوچنے پر مجبور تو کرتا ہے لیکن مقصد محض ہنسنا اور ہنسانا ہوتا ہے جس سے زیرِلب تبسّم کی کیفیت جنمّ لیتی ہے۔ لفظی مزاح کی چند مثالیں بطورِ نمونے ملاحظہ ہوں۔

ایک گھر کا نقشہ:

اِدھر والی کھانے پکانے کی ماہر
اُدھر والی گانے پکانے کی ماہر
اِدھر ایک بیٹھی ہے چُولھا سنبھالے
اُدھر دوسری اپنا دُلھا سنبھالے
اِدھر ننّھے بچّے کی کلکاریاں ہیں
اُدھر اس کی ماں کی پچکاریاں ہیں
جو بیٹھی ہے دادی تو دادا کھڑا ہے
تو اجلتے چُولہے پہ الٹا پڑا ہے (انعام الحق جاوید)[7]

چلیئے پاکستان چلیں

بیگم کا فرمان، یہاں سے چلیئے پاکستان چلیں
بچوں کی گردان، یہاں سے چلیئے پاکستان چلیں
کھاتے ہیں سب کان، یہاں سے چلیئے پاکستان چلیں
کہتے ہیں مہمان، یہاں سے چلیئے پاکستان چلیں
مشکل ہو آسان، یہاں سے چلیئے پاکستان چلیں

چلئے پاکستان یہاں سے چلئے پاکستان چلیں
کب تک برتن دھوئیں یہاں پر اور کموڈیں صاف کریں
نوکر چاکر کچھ نہیں رکھا کچھ مجھ سے انصاف کریں
ہمّت توڑ ہے جھاڑو پوچا مجھ کو آپ معاف کریں
کہتے تھے امریکہ چل کر اکثر "سیر کوہ قاف" کریں
جان ہوئی ہلکان، یہاں سے چلئے پاکستان چلیں
چلئے پاکستان، یہاں سے چلئے پاکستان چلیں (جعفر رضوی)(8)

شعر میں کہہ دوں اگر کوئی بگڑ جاتی تھی وہ
جب سجے بزمِ سخن بیمار پڑ جاتی تھی وہ
وہ کسی صورت نہ جاتی تھی کسی شاعر کے گھر
میں کسی کو گھر بلا لیتا تو لڑ جاتی تھی وہ
اس قدر بدذوق تھی چڑتی تھی میرے کام سے
وہ بھی ہے آرام سے اور میں بھی ہوں آرام سے

وہ کسی باعث سمجھ بیٹھی تھی ناکارہ مجھے
اس نے سب کے سامنے سوبار دھتکارہ مجھے
بات کا موقعہ دیا اس نے نہ دوبارہ مجھے
ایسا لگتا تھا اسے نفرت تھی میرے نام سے (ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبد)(9)

ساتھ برخوردار کے روتا تھا اس کا باپ بھی

اور کہتا تھا کہ کیوں اے بے خبر پیدا ہوا
میں مخالف،ماں مخالف اور حکومت بھی مخالف
دشمن منصوبہ بندی کیوں مگر پیدا ہوا
میں تو پیداوار ہوں سستے زمانے کی مگر
تو بتا اس دور میں کیا سوچ کر پیدا ہوا
اس دفعہ بچہ سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں تمھیں
مار ڈالوں گا اگر بارِ دگر پیدا ہوا (محمد طہٰ خان)[10]

اردو طنزیہ اور مزاحیہ شاعری میں میں ازدواجی زندگی کی عکاسی کے حوالے سے دیکھا جائے تو یہاں شعراء کرام نے طنز و مزاح میں مضحکہ خیز حالات وواقعات اور بذلہ سنجی کی بدولت نئے نئے موضوعات اور خیالات کو شاعری کا موضوع بنایا وہاں انہوں نے زبان و بیان کی صفائی الفاظ وتراکیب، محاورات کا برجستہ استعمال، پنجابی اور انگریزی زبان کی پیوندکاری، صنعت تضاد، مکالماتی لب و لہجہ، تکرار لفظی، رعایت لفظی، حسنِ تعلیل، تحریف نگاری (پیروڈی) اور تضمین کا برملا استعمال کر کے اس میں چار چاند لگا دیے ہیں۔ جس سے ایک طرف تو زبان کے ذخیرہ الفاظ میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ دوسری طرف شعر کے ظاہری حُسن میں بھی اضافہ ہوا ہے جس سے اردو طنزیہ اور مزاحیہ شاعری میں زمانے کے ساتھ ساتھ جو معاشرتی، معاشی اور سماجی تبدیلیاں رونما ہوئیں ان کو شعر کے قالب میں ڈھال کر کہیں ہمیں ناہمواریوں اور تلخیوں سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ بھی دیا کہیں زیر لب تبسم کی کیفیت پیدا کی۔ اسی حوالے سے الفاظ وتراکیب اور دیگر فنی محاسن کو مدنظر رکھ عمدہ مثالیں پیش کیں ہیں جس میں اردو طنزیہ ومزاحیہ شاعری میں ازدواجی زندگی میں آنے والے پیچ وخم کا جائزہ لیا جاسکتا ہے۔

صنعت تضاد:

ہو کوئی بھی سرکاری منصوبہ مٹی گاڑے کا

"ٹی وی" اس کی فلمی تصویری مشہوری کرتی ہے
ایسی لچر مثال نہ دیکھی ہوگی اپنے کلچر کی
مرد تو ڈھول بجاتا ہے عورت مزدوری کرتی ہے (سید ضمیر جعفری)(11)

اس پیار محبت میں ہوتا ہے بھائی
آغاز بھی رسوائی انجام بھی رسوائی
اب اہلِ خرد سمجھوں یا اہلِ جنوں اُن کو
جو لوگ لیاقت کو کہنے لگے سودائی (لیاقت علی لیاقت)(12)

مشکل ہو آسان، یہاں سے چلیئے پاکستان چلیں
چلئے پاکستان یہاں سے چلیئے پاکستان چلیں (جعفر رضوی)(13)

لڑیں جھگڑیں میاں بیوی تو خوش ہوتے ہیں گھر والے
چمن ان کی محبت کا سدا آباد رکھتے ہیں (سجاد مرزا)(14)

محاورات:

تم اگر مار وگی بیلن پھینک کر
میری جانب سے بھی چمٹا جائے گا
یہ بیان اصلی ہے اخباری نہیں

آہنی ہاتھوں سے نمٹا جائے گا   (افضل پارس)[15]

بولے رو کر یہ عاشق ناکام
اب نہیں ہوتی عاشقی ہم سے
دل لگانے کی جب بھی کوشش کی
وہ لگے ہم سے دل لگی کرنے   (ڈاکٹر مظہر عباس رضوی)[16]

محبوب میرے ہاتھوں کے طوطے اڑا گیا
اور اپنے عقدِ خاص کا قصّہ سنا گیا   (لیاقت علی لیاقت)[17]

بیگم نے کہا اے میرے سرتاجِ نامدار
اب آپ کا بھی سر سفید ہو رہا ہے ہی ہے
میں نے کہا کہ ان سے میں بہتر ہی بہت ہوں
جن لوگوں کا لہو ہی سفید ہو گیا ہی ہے   (لیاقت علی لیاقت)[18]

تکرار لفظی:

بے شک میاں کے ساتھ رہے بیوی رات دن
"لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے"   (ایم۔ ناشاد)[19]

کبھی بیلنوں کے، کہیں پھکنوں کے
پڑے ہیں بدن پر نشان کیسے کیسے   (مرزا عاصی اختر)[20]

ایک سے ہی یہاں نہیں بنتی

بیویاں چار چار کون کرے (ڈاکٹر مظہر عباس رضوی)[21]

جو چیخ چیخ کر لڑتے تھے اپنی بیوی سے

گزرتی گھر میں ہے ان کی بہو بہو کرتے (ڈاکٹر مظہر عباس رضوی)[22]

تیرے ظاہر کے لشکارے نے مجھ کو مار ڈالا تھا

مجھے معلوم کیا تھا، دال میں کچھ کالا کالا تھا

جسے چابی سمجھتا تھا، مری قسمت کا تالا تھا

نجانے کس لیے دل نے کئی آسوں کو پالا تھا (خاور نقوی)[23]

ہوئی جو دال گراں اور سبزیاں مہنگی

کچن میں جا کر بھلا کیا وہ دلنواز کرے

معاملاتِ محبت کا اب یہ عالم ہے

میں پیار پیار کروں اور وہ پیاز پیاز کرے (سرفراز شاہد)[24]

ضرب المثال:

عقل بڑی یا بھینس بڑی ہے فیصلہ خاصا مشکل تھا

ختم ہوئی پھر آئے دن کی مجھ میں اور بیگم میں گھنس

شفٹ ہوا جو مجبوراً میں لانڈھی سے چورنگی میں

تب جا کر یہ علم ہوا ہے جس کی لاٹھی اس کی بھینس (ڈاکٹر انعام الحق جاوید)[25]

میک اپ کر کے نکلی وہ گھر سے
جھٹکے کھاتی گام بہ گام
پیچھے سے کچھ لڑکے چیخے
"بوڑھی گھوڑی لال لگام" (ڈاکٹر شاہد الوری)[26]

جب بیوی کے ذہن پہ حاوی خانہ جنگی ہوتی ہے
ایسے موقعوں پر تو یارو چپ ہی چنگی ہوتی ہے
بھیج رہا ہو جیسے کوئی الٹے بانس بریلی کو
ایسے گنجوں کی پاکٹ میں اکثر کنگھی ہوتی ہے (افضل پارس)[27]

موسیقیت:

بجلی والوں کی مٹھی کو کر کے گرم
کوئی بجلی چرائے تو میں کیا کروں
گھر میں جلتا ہے میرے فقط اک بلب
بل ہزاروں کا آئے تو میں کیا کروں (سائل آزاد)[28]

کل چودھویں کی رات تھی آباد تھا کمرہ ترا
ہوتی رہی دن تک دن بجتا رہا طبلہ ترا (دلاور فگار)[29]

خوابوں میں رات بھر میرے مہنگائیاں رہیں
شب بھر فشارِ خوں کی انگڑائیاں رہیں (مرزا عاصی اختر)[30]

انگریزی الفاظ:

بی بی شریفاں آج کل Advance ہو گئی
والد کو "ڈیڈ" اور ماں کو "مام" کہتی ہے
اردو میں اب تو بات بھی کرتی نہیں ہے وہ
بیٹی کو "جیری" بیٹے کو وہ "ٹام" کہتی ہے (لیاقت علی لیاقت)[31]

جسم میں دوڑری تھی برقی رو مگر
اس سے نکلا تھا کوئی شعلہ نہیں
shock پہنچا تھا ہمیں جس حصے حضور
بل کا جھٹکا تھا وہ بجلی کا نہیں (ڈاکٹر مظہر عباس رضوی)[32]

ساس بہو کا جھگڑا جب ویمن تھانے میں آیا
تفتیشی افسر نے بس دو فقروں میں نمٹایا ہے
اللہ! ایسی نائس میچنگ تم نے کس سے سیکھی ہے؟

اللہ! یہ جوڑا تم نے کس ٹیلر سے سلوایا ہے؟ (عنایت علی خان)[33]

وہاں یہ اکثر شادیاں ای میل سے ہوتی ہیں
یہاں پر اکثر شادیاں فی میل سے ہوتی ہیں (ڈاکٹر انعام الحق جاوید)[34]

سخت مشکل ہے میں تیرے ساتھ جا سکتا نہیں
تیرا ڈیڈی مل گیا، تو جاں ہوا ہو جائے گی
اب تجھے میں اپنے گھر میں، لے کے جاؤں کس طرح
مجھ کو ڈر یہ ہے، مری ممی خفا ہو جائے گی (مجذوب چشتی)[35]

پنجابی الفاظ:

تم لمبے ہو، بیوی ٹھگنی کچھ تو تم احساس کرو
گاڑی گھر کی چلے تو ایسے، ڈر نہ ہو کوئی پھڈے کا

وہ گاڑی کیا سوچ برادر تم نے چلتی دیکھی ہے
اک پہیہ ہو کار کا جس میں، اک پہیہ ہو "گڈے" کا (افضل پارس)[36]

خدا جانے کیا شے پسند آئی میری
نہ "کم" دیکھتے ہیں نہ "چم" دیکھتے ہیں (صابر آفاقی)[37]

حسن تعلیل:

کون سا غم ہے جو یہ حال بنا رکھا ہے
نہ تو میک اپ ہے، نہ بالوں کو سجا رکھا ہے
خواہ مخواہ چھیڑتی رہتی ہیں یہ رخساروں کو
تم نے زلفوں کو بہت سر پہ چڑھا رکھا ہے (مسٹر خواہ مخواہ)[38]

ایک سیاستدان کی بیوی یوں ہمسائی سے
میرا شوہر نیند میں کوئی بات بتانے لگتا ہے
"میں نہ مانوں" کہہ کر مجھ سے، چھپ سا پھر ہو جاتا ہے
وردی وردی کا پھر اکثر شور مچانے لگتا ہے (افضل پارس)[39]

استفامیہ لہجہ:

وسوسے اٹھتے ہیں دل میں اس قدر
ہول آتا ہے مجھے یہ سوچ کر

ہوں جگر کے عارضے میں مبتلا
کیسے بیٹے کو کہوں لختِ جگر؟ (ڈاکٹر مظہر عباس رضوی)[40]

ابّا تو گھسے رہتے ہیں دفتر میں ہی اکثر
حالانکہ یہاں اپنا بھی اک بڑھیا مکاں ہے
ابّا نے کہا بیٹے کو یہ کیسے ہو معلوم؟
دفتر میں مزا ہے جو بھلا گھر میں کہاں ہے؟ (لیاقت علی لیاقت)[41]

"خدا کا شکر کیا؟ سونے سے پہلے تم بھی کرتے ہو"
"نہیں میں تو نہیں۔۔۔ امّی سدا یہ کام کرتی ہیں"
"کہو! امّی تمھاری کس طرح یہ کام کرتی ہیں؟"
"زباں میری ذرا سی بھی اگر چلنے سے باز آئے
وہ کہتی ہیں۔۔ خدا کا شکر ہے اب سو گیا ہے یہ"
عوام الناس کی حیثیت عرفی بھلا کیا ہے (ماجد صدیقی)(42)

مکالماتی انداز:

ہم نے چھٹی بیوہ سے، ایک دن یہ جب یہ پوچھا
"زندہ آج ہوتے تو، کیا تیرے میاں کرتے؟"
اُس خدا کی بندی نے، صاف کہہ دیا ہم سے
عمر گر وفا کرتی، سات شادیاں کرتے (نیاز سواتی)(43)

بیٹے سے پاپا نے کہا مجھ کو بتایئے
سارے ہی "پاپے" آپ جیسے ہی ہوتے ہیں؟
پاپا نے کہا بیٹا یہ اس دور کا ہے رنگ
"پاپے" تو فی زمانہ سب بے چارے روتے ہیں (لیاقت علی لیاقت)(44)

کس لئے بیاہ لائے گھر میں چاند سی بیوی؟
"کاٹنے کو آتا تھا گھر مجھے اکیلے میں"

اب کہو تمھیں کیسی اور ہے پریشانی؟
"میرے کاٹ کھانے کو دوڑتے ہیں اب دونوں " (ماجد صدیقی)(45)

جو یہ ہو سکے تو میرا صرف ایک کام کر دو
یہ مکاں ہے جو تمھارا اُسے میرے نام کر دو (ڈاکٹر انعام الحق جاوید)(46)

تضمین:

مولوی یوں تو الرجک ہیں وجودِ زن سے
بیویاں پھر بھی وہ رکھتے ہیں کبھی دو کبھی چار
تبصرہ اس پہ کیا حضرت اقبال نے خوب
"آہ۔بے چارے کے اعصاب پہ عورت ہے سوار" (ضیا الحق قاسمی)(47)

تو جس گھر میں رہتا ہے عرصے سے پیارے
مکاں اس سے بہتر یہاں اور بھی ہیں
وہاں پہ ہے تیری پڑوسن "ستارا"
"ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں" (افضل پارس)(48)

خدا کا شکر جو مانی یہ بات بیگم کی
وقار چاہیے تجھ کو تو دام پیدا کر
پیش جب فہرست کی بیگم نے شاپنگ کی مجھے

میں یہ سمجھا تھا کہ ہو گی وہ نہایت مختصر
جب پڑھی وہ کھول کر تو اس قدر لمبی سی تھی
"نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر" (نیاز سواتی)[49]

فیل تو میں ہوا ہوں ابّا کو
"نیند کیوں رات بھر نہیں آتی" (مرزا عاصی اختر)[50]
بھری بزم میں اپنے شوہر کو پیٹا
وہ بیگم بھی تیز اور طرّار کیا تھی!
اگر ریل ہی لیٹ دو روز پہنچی
"خطا اس میں بندے کی سرکار کیا تھی" (ڈاکٹر صابر آفاقی)[51]

پیروڈی:

کرتا نہیں بالکل وہ زیبائی میں کوتاہی
بے ذوق نہیں مظہر اس راہ کا اب راہی
سرمہ ہے، لپ اسٹک ہے، مہندی کہیں غازہ ہے
اب حسن سکھاتا ہے آداب خود آگاہی (ڈاکٹر مظہر عباس رضوی)
[52]

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے تازہ
اب اس ہی کو ارباب نظر کہتے ہیں غازہ
اب علم و ہنر سے اُسے نسبت نہیں کوئی
زن نے تو فقط اوڑھا ہے میک اپ کا لبادہ (لیاقت علی لیاقت)(53)

اتنی مہنگائی کی ویرانی کے بعد اے جاناں
"تیری آنکھوں کے سوا ملک میں کیا رکھا ہے" (سید ضمیر جعفری)(54)

تربت شوہر میں اس کی اہلیہ سو جائے گی
"محوِ حیرت ہوں کہ تربت کیا سے کیا ہو جائے گی" (دلاور فگار)(55)

مجھے چکروں میں پھنسا دیا، مجھے عشق نے رُلا دیا
"میں تو مانگ تھی کسی اور کی مجھے مانگتا کوئی اور ہے" (ضیا الحق قاسمی)(56)

اردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں ازدواجی زندگی کے کی عکاسی کے حوالے سے شعراء نے مختلف میدان میں طبع آزمائی کی جس میں زبان و بیان اسلوب اور موضوعات کے حوالے سے وقت کے ساتھ ساتھ نت نئی تبدیلیاں سماجی، معاشی اور معاشرتی حالات و واقعات کے ساتھ پے در پے رونما ہوتی رہیں۔ جن کو ہمارے شعراء نے مختلف انداز بیان کی بدولت نہ صرف قبول کیا بلکہ ان میں اپنے فن کے جوہر بھی دکھائے جس کی وجہ سے وہ طنز و مزاح کے میدان میں اپنی انفرادیت کو برقرار رکھتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ جیسے راجہ مہدی علی خان، سید ضمیر جعفری، دلاور فگار، ڈاکٹر انعام الحق جاوید اور سرفراز شاہد جن کا طنز و مزاح کے میدان میں ایک جداگانہ مقام و مرتبہ اور حیثیت ہے جن کے ہاں طنز کی کاٹ بھی ہے تو وہ اپنے مخصوص لہجے اور اپنے اسلوب بیان کی بدولت اپنا الگ الگ مقام رکھتے ہیں۔ جو اُن کا طُرّہ امتیاز ہے۔ خالص مزاح میں بھی پھکڑ پن اور ہزل کی کیفیت

دکھائی نہیں دیتی بلکہ ایک زیرِ لب تبسّم کی کیفیت نمودار ہوتی ہے۔ جو غمگین چہروں پر شگفتگی کا باعث بنتی ہے۔

بعض موضوعات ایسے ہیں جو آزادی کے بعد سے اب تک ہماری طنزیہ اور مزاحیہ شاعری کا موضوع سخن بنے رہے لیکن یہ الگ بات ہے کہ اس دور کے شعراء اور آج کے شعرا کے ہاں یکساں موضوع ہونے کے باوجود ان کے ساتھ ساتھ اس میں جو تبدیلی اور شدت آئی ہے۔ اس کو طنز و مزاح لکھنے والوں نے اپنے اسلوب کی بدولت سینچا ہے۔ جیسے مہنگائی، کثرت اولاد، دوسری شادی کی آرزو، جہیز وغیرہ کے موضوعات جو ہر زمانے میں موجود رہے لیکن اس میں جو سماجی، معاشرتی اور معاشی حوالے سے تبدیلیاں در آتی رہیں۔ اس میں جو بہت بڑا فرق نظر آیا ہے وہ پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد میں لکھنے والو، اور اسّی، نوے اور اکیسویں صدی کے لکھنے والوں میں طنز و مزاح کی اونچ نیچ کی صورت میں نظر آیا ہے۔ ہمارے معاشرے میں معاشی اور معاشرتی انقلاب آیا ہے۔ جس کی وجہ سے ہماری اقدار و روایات بھی تبدیلی ہوئی ہیں۔ جیسے ایک وقت تھا لوگ اپنی بیٹی کی شادی کرتے تھے تو اس کو طور طریقے ادب و آداب سکھاتے تھے کہ اگلے گھر میں جا کر سب کے دلوں میں گھر کرنے کے طریقے بتائے جاتے تھے۔ کیونکہ اس نے صرف شوہر کے ساتھ نہیں بلکہ اس کے پورے خاندان کے ساتھ زندگی بسر کرنی ہوتی تھی اسے یہی کہا جاتا تھا کہ تمھارا اس گھر سے جنازہ ہی اٹھے گا لیکن اب آج کل کا موجودہ زمانہ لڑکی کے ساتھ ساتھ اس کے ماں باپ کی تربیت کو بھی ظاہر کر رہا ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں کو کس طرح تربیت کرتے ہیں۔ بیٹیاں صرف شوہر سے غرض رکھتی ہیں۔ وہ بھی ایسا جو اس کے اشاروں پر چلے اس کے حکم کا غلام ہو۔ نام کی مسلمان ہوتی ہیں۔ نت نئے فیشن اور روشنیوں کی دلدادہ ہوتی ہیں۔

ع۔ ء۔ بخار علیگ کی نظم "جشن آوارگی" ہمارے ایسے ہی ماحول کی عکاسی کر رہی ہے۔ پوری کی پوری نظم میں ہماری معاشرتی اور سماجی بے اعتدالیوں اور ناہمواریوں پر گہرا طنز بھی ہے کہ کس طرح آج کل کا باپ اپنی بیٹی کو رخصت کرتا ہے تو داماد کو اسکی کیسے کیسے خوبیاں بیان کرتا ہے جو سب کے لئے المیہ کا باعث ہے۔

ایک لیڈر کے یہاں کل رات آئی تھی برات
ہر براتی سے نمایاں اہل مغرب کی صفات
شامیانے میں عجب تھا نقشۂ باغِ ارم
ہنس حوریں کررہی تھیں عاصیوں کو ویلکم
بجلیاں جلتی تھیں عریاں بلبلوں کا رقص تھا
باغباں پہنے ہوئے کپڑے تھا اتنا نقص تھا
ساز ونغمہ، حوروغلماں بزمِ آدم زاد کی
محفل شادی نہ تھی فردوس تھی شداد کی
آخری شب جشن کا آیا جو وقتِ اختتام
گھر سے بلوایا گیا بیچارہ مسجد کا امام
مشرقی ڈھب سے اداہونے لگی رسمِ نکاح
رہر دان راہ مغرب پر کھلی راہِ فلاح
وقتِ رخصت باپ بیٹی کا سرِ محفل اٹھا
اور ہنس کر اس طرح داماد سے کہنے لگا
میری بیٹی ہے حسیناں جہاں میں انتخاب
فرد ہے ناز و ادا میں ناچنے میں لا جواب
کمپی ٹیشن حُسن کا جیتا ہے اوّل آئی ہے
بن کے یہ ایک حسن کا لیٹسٹ ماڈل آئی ہے
دوستوں یا دشمنوں میں جب بھی لے جاؤ گے تم
کوئی موقع ہو اسے سینہ سپر پاؤ گے تم
لڑکے منوائے گی ہرگز یہ نہ اپنی بات کو

دوستوں کے ساتھ رہ لے گی کلب میں رات کو
تم کہو تو بے ٹکٹ پیرس بھی ہو آئے گی یہ
حکم فیشن کے مطابق سب بجا لائے گی یہ
مکتب فیشن میں اس کا آرٹ ہی سبجیکٹ ہے
الغرض بیٹی میری ہر کام میں پرفیکٹ ہے
یہ مسلمان ہے مگر اس کا نہ کرنا تم ملال
یہ کبھی اسلام کا دل میں نہ لائے گی خیال
دیکھنے والے بھی حیراں ہوں وہ آئینہ ہے یہ
اور ہر بامِ ترقی کے لئے زینہ ہے یہ
بل ہر اک منظور افسر سے کرا لائے گی یہ
کام جو بھی تم سے بگڑے گا بنا لائے گی یہ
لو کمائی عمر بھر کی دے کے غم لیتا ہوں میں
کیش ہو ہر بینک میں وہ چیک بک دیتا ہوں میں
لو سدھارو میری بیٹی ہر طرح تم خوش رہو
اپنے شوہر سے سوا تم دوستوں کو خوش رکھو
فکر یہ رکھنا لڑائی میں نہ ہو شوہر ملول
تم زیادہ سے زیادہ بھی کہو تو ڈیم فول
ٹھاٹ سے کہنا کسی سے کیا کوئی بیٹی ہو تم
قوم کی لیڈر کی آخر ماڈرن بیٹی ہو تم[57]

وہ عورت جو گھر کی چار دیواری تک محدود تھی اب وہ چار دیواری سے باہر کی دنیا کی زینت بن رہی ہے۔ماں باپ اولاد کی تربیت ایسے کر رہے ہیں کہ بیٹی اپنے گھر جا کر بجائے سسرال والوں کی خدمت کرنے کے باہر کی

چکاچوند دنیا کو منور کرتی نظر آتی ہے اور ایسے والدین بڑے فخر سے اپنی اولاد کے " گُھن " بیان کرتے ہیں۔ جس کی عکاسی شاعر نے متذکرہ بالا والد کے منہ سے بڑے فخر سے بیان کرکے دراصل ہمارے معاشرے کی ان روایات پر تھپڑ رسید کیا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ ہمارے معاشرے میں بنائے جانے والے معیار کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ کس طرح آج کل کے زمانے میں والدین وقت اور زمانے کا ساتھ دیتے ہوئے اپنی روایات واقدار کو چھوڑ کر اس صدی میں بیٹیوں کی شادی کے سلسلے میں کتنے مجبور اور بے بس ہو چکے ہیں کہ اگر وہ وقت کے تقاضوں کا ساتھ دیتے ہوئے ان کی تربیت ایسے نہیں کرتے تو ان کی بیٹیاں ماں باپ کی دہلیز پر رشتوں کا انتظار کرتے کرتے بالوں میں چاندی لے آتی ہیں۔ ہمارا معاشرہ انھیں پرانی اقدار و روایات کا حامی سمجھ کر جھٹلا دیتا ہے۔ ہمارے موجودہ معاشرے کا بہت بڑا المیہ ہے جس کو شاعر نے طنز و مزاح کے لبادے میں لپیٹ کر بیان کیا ہے۔

اسی طرح طنز و مزاح لکھنے والوں نے مہنگائی اور بیوی کے حوالے سے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ جس میں ہر شاعر نے اپنے زمانے اور اپنے اندازِ بیان کی چاشنی کو ڈالا ہے۔ جیسے ازدواجی زندگی کی المناک حقیقتوں کے مضحکہ خیز پہلوؤں تک رسائی حاصل کرکے اسے اپنی شاعری میں موضوع بحث بنایا ہے۔ اپنی گردو پیش میں ہونے والی تبدیلیوں کے مضحکہ خیز پہلوؤں پر اس طرح نظر رکھتے ہیں کہ اس سے مسرت و انبساط کا پہلو جھلکتا نظر آتا ہے اور پڑھنے والا بھی ان کا ہمنوا بن جاتا ہے۔ مضحکہ خیز پہلوؤں سے محظوظ ہوتا ہے۔ جیسے مہنگائی تو پہلے بھی تھی اور شعراء نے اس کو موضوع بنایا لیکن وقت کے ساتھ اس میں جس طرح اضافہ ہوا ہے۔

جس کی بدولت اس کا عکس زندگی کے ہر شعبہ پر پڑا ہے۔چاہے شادی ہو یا کثرت اولاد کا مسئلہ، چاہے والدین بیٹی کے جہیز کے لیے پریشان، اِن تمام چیزوں کا براہِ راست تعلق مہنگائی سے ہے۔ جس کے گرداب میں عوام پھنسی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔گھریلو امور میں میاں بیوی کے درمیان میں چپقلش کا باعث بھی یہی مہنگائی

ہے۔مہنگائی اور کثرت اولاد کا موضوع اسی ہونے والے فرق کو ظاہر کر رہا ہے کہ آج کل ان کی بدولت ازدواجی زندگی میں کیسے کیسے طوفان اٹھتے ہیں۔ جن کی وجہ سے گھریلو زندگی تباہی وبربادی کا نقشہ پیش کر رہی ہے۔گلزار بخاری اپنی نظم "مہنگائی" میں کچھ ایسے ہی طنزیہ انداز میں گریہ وزاری کر رہے ہیں۔ جس سے آج کل کے معاشرے کی بھرپور عکاسی ہوتی ہے۔

کِھلتا ہے زرو مال سے شادی کا گلستان
کیسے کرے ایسے میں کوئی دوئی کا سامان
مہندی ہو،ولیمہ ہو، کہ سہرا ہو،میری جان
"ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن نئی شان"
فرزند یہ کہتا ہے کہ تنہائی نے مارا
ہم جائیں کہاں ہم کو تو مہنگائی نے مارا(58)

سید محمد جعفری "کثرت اولاد" نظم میں آج کے موجودہ زمانے میں ہونے والی مہنگائی اور اس کا موازنہ آج سے 20،30 سال پہلے کی مہنگائی سے کر رہے ہیں کہ اُس وقت اتنی مہنگائی نہیں ہوتی تھی۔اس کے باوجود کہ والدین کی اولادیں بھی بہت زیادہ ہوتی تھیں۔خاندانی منصوبہ بندی کا نام ونشان نہیں تھا لیکن آج کل انسان اس گرانی کی بدولت جس طرح مفلسی کی زندگی بسر کر رہا ہے اس کے لیے دو بچوں کو پالنا مشکل ہے۔طنزاً کہتے ہیں ایسے میں انسان جائے کہاں۔

بات سچ یہ ہے کہ ہم تھے جس زمانے میں جواں
خاندانی قسم کی منصوبہ بندی تھی کہاں
اور اشیائے ضروری بھی نہ تھیں اتنی گراں
آج میں ہوں اور میری مفلسی کی داستاں
"اے غمِ دل کیا کروں،اے وحشتِ دل کیا کروں"(59)

اس مہنگائی میں شوکت تھانوی فیملی پلاننگ کے موضوع پر لکھی گئی نظم ۔ آج کل کے معاشرے میں بچوں کی کثرت ہونے پر ان کو پیدا ہونے سے روکنے کے لیے ماں باپ کی فریاد کو ظاہر کر رہی ہے۔

اے میرے بچے میرے لخت جگر پیدا نہ ہو
یوں ہی کپتان ہوں اولاد کی پوری ہے ٹیم
مفلسی میں رہی ہے اور بھی حالت مستقیم
اپنے زندہ باپ کا کہلائے گا تو بھی یتیم
بخش دے مجھ کو میرے نور نظر پیدا نہ ہو
اے میرے بچے، مرے لخت جگر پیدا نہ ہو(60)

غرض یہ کہ شعراء کرام نے اردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں ازدواجی زندگی میں درپیش مختلف قسم کی پیچیدگیوں کو اپنا موضوع سخن بنایا ہے۔ جس میں میاں بیوی کی شادی سے پہلے اور بعد میں شادی بعد میں پیش آنے والے حالات و واقعات کو اپنی شاعری میں کبھی ہنستے ہوئے اور کبھی طنز کے نشتر چبھوتے ہوئے بیان کیا ہے۔ جس سے ان ناہمواریوں اور بے اعتدالیوں کو طشت از بام کرنے میں اپنا کلیدی کردار ادا کیا ہے۔یوں پس پردہ رہ کر سکرین پر نظر آنے والی خیالی تصویروں سے اپنا مدّعا بیان کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔
بقول انور مسعود

شاعری تجربے کی Product ہے۔ انفرادی اور اجتماعی مسائل سے دوچار ہونا ہی ان موضوعات کا محرک ہے۔ جو کچھ درپیش ہے۔ جو کچھ درپیش ہے۔ اس کا تاثر ہی تو یہ موضوعات فراہم کر رہے ہیں۔(61)

نتائج:

متذکرہ بالا بحث کا نتیجہ کچھ یوں نکلتا ہے۔

1۔ اردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں ازدواجی زندگی نے سماجی، معاشی اور معاشرتی حالات و واقعات سے اپنے دامن کو وسیع کیا ہے۔

2۔ اردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں ازدواجی زندگی کے تناظر میں مہنگائی، کم آمدنی، کثرت اولاد، گھریلو ناچاقی وغیرہ جیسے موضوعات جو ہر زمانے میں وقوع پذیر ہوتے رہے ہیں۔ جن کو ہمارے طنز و مزاح نگار نے اپنا موضوع سخن بنایا ہے۔

3۔ ازدواجی زندگی کا تعلق براہ راست معاشرے سے بھی ہوتا ہے۔ طنز و مزاح لکھنے والوں نے ازدواجی زندگی میں آنے والی اُونچ نیچ کو نہ صرف اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے بلکہ ان کی بدولت معاشرتی، سماجی اور معاشی تبدیلیوں میں جو تغیّر و تبدل رونما ہوا اس کی عکاسی طنزیہ و مزاحیہ انداز میں کی ہے۔

4۔ طنز نگار اور مزاح نگار کی تخلیقات ہی اس کے دور کی بھرپور عکاسی کرتی ہیں جس کا اظہار انہوں نے اپنی تخلیقات میں اس دور میں ہونے والی معاشی، سماجی اور معاشرتی تبدیلیوں کی صورت میں کیا ہے جس میں ہر شاعر کا فن اور اس کا اسلوب جھلکتا ہوا نظر آتا ہے۔

5۔ طنز نگار نے معاشرے کی بے اعتدالیوں کا تذکرہ کیا ہے لیکن اس انداز سے کہ اس میں عامیانہ پن نہیں نظر آتا بلکہ دھیمی سلگتی ہوئی آگ کے انداز میں اِن دہکتے ہوئے انگاروں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

6۔ مزاح نگار نے معاشرے کی ناہمواریوں اور بے اعتدالیوں کو اپنی ہنسی، دل لگی میں اس طرح پیش کیا ہے کہ ہنستے ہنستے بات اگلے کے دل کے تاروں کو چھیڑتی چلی جاتی ہے۔

7۔ ازدواجی زندگی کے موضوعات کے حوالے سے اردو طنزیہ اور مزاحیہ شاعری میں بہت تنوّع پایا گیا ہے۔ جس میں وقت کے ساتھ ساتھ اور نکھار پیدا ہوتا چلا جا رہا ہے۔

8۔ طنز و مزاح کی ستاروں کی اس محفل میں نت نئے شعراء کا اضافہ ہو رہا ہے جو بڑی خوش آئند بات ہے۔ لیکن جس طرح کی طنزیہ و مزاحیہ شاعری اکبر الہ آبادی، اقبال اور غالب کے ہمعصر شعراء کے ہاں نظر آتی ہے اس کا فقدان نظر آتا ہے۔

9- طنز و مزاح لکھنے والوں میں زیادہ تر طبقہ مرد حضرات پر مشتمل ہے۔ جنہوں نے ازدواجی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے حوالے سے صنفِ نازک کو ہی تختہ مشق بنایا ہے۔ چاہے وہ بیگم ہو یا ساس، نند، بہو یا سالی جبکہ اس کے برعکس مرد کو مظلوم پیش کیا ہے۔ چاہے وہ شوہر ہو یا سسر، سالا ہو یا داماد۔

10- قیام پاکستان کے بعد سے اب تک اردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں موضوعات میں تنوّع کا ارتقائی سفر جاری و ساری ہے۔ جس میں معاشی، معاشرتی اور سماجی اتار چڑھاؤ اور ناہمواریوں کو طنز کے نشتر اور مزاح کے لبادے عیاں کیا گیا ہے۔ اس مقصد کے لیے شعراء نے پنجابی اور انگریزی زبان کی پیوندکاری کے ساتھ ساتھ پیروڈی کی شکل میں بھی حقائق کو قاری تک پہنچایا ہے۔ جس میں وہ کافی حد تک سُرخرو ہوئے ہیں۔

سفارشات:

گزشتہ ابواب میں کی گئی تحقیق کی روشنی میں اردو طنزیہ اور مزاحیہ شاعری میں ازدواجی زندگی کی عکاسی کے سلسلے میں چند سفارشات پیش کی جاتی ہیں۔ جن کا مقصد محض اس شعبے میں جو خلا ہے اس کو پُر کرنا ہے تاکہ طنز و مزاح لکھنے والے اس میں مزید اپنی قابلیت کے جوہر دکھا سکیں۔ چند ایک سفارشات یہ ہیں۔

1۔ اردو طنزیہ و مزاحیہ شعراء کے اسلوب کے مطالعے کو موضوع تحقیق بنایا جاسکتا ہے۔

2۔ اکثر شعراء کا مزاحیہ کلام کتابی صورت میں میسر نہیں اس لیے شعراء کے کلام کے انتخاب کو شائع کروانے کی ضرورت ہے۔

3۔ اردو طنزیہ و مزاحیہ شعراء نے جن حربوں کا استعمال کیا ہے ان کے حوالے سے بھی تحقیق کی گنجائش موجود ہے۔

4۔ طنزیہ و مزاحیہ شاعری چونکہ عوام میں مقبول ہوتی ہے اس لیے وقتاً فوقتاً ایسے مشاعروں کا انعقاد بھی کیا جانا چاہیے۔

5۔ اردو طنزیہ و مزاحیہ شعراء کے تقابل کے حوالے سے بھی تحقیق کی جا سکتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ مرزا حیدر عباس، قطعہ، مشمولہ: کشتیٔ زعفران، مرتبہ: انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، کلاسیک دی مال، لاہور، س۔ن، ص، ص120

۲۔ مبارک صدیقی، https://youtube/w546btubQjA, 11:50 am

۳۔ انور مسعود، https:// youtube/cdwHlipqDC4, 12:10

۴۔ مرزا عاصی اختر، گُدگُدّی، ایجوکیشنل پریس، کراچی، دسمبر، 2009، ص63

۵۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، سوبٹا سو، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2003، ص75

٦۔ نظر برنی، قطعہ، کشتیٔ زعفران، مرتبہ: انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، کلاسیک دی مال، لاہور، س۔ن، ص119

۷۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، ایک گھر کا نقشہ (نظم)، تبسّم طرازیاں، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2009، ص117

۸۔ جعفر رضوی، چلئے پاکستان چلیں (نظم)، مشمولہ: کشتیٔ زعفران، مرتبہ: انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، کلاسیک دی مال، لاہور، س۔ن، ص159

۹۔ عبدالرحمٰن عبد، ڈاکٹر، نظم، مشمولہ: کشتیٔ زعفران، مرتبہ: انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، کلاسیک دی مال، لاہور، س۔ن، ص126

10۔ محمد طٰہٰ خان، (غزل)، مشمولہ: مرچیں، مرتبہ: زاہد فخری، خزینہ علم وادب، لاہور، 2005، ص 211

11۔ ضمیر جعفری، سیّد، قطعہ، مسدس بدحالی، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2001، ص97

12۔ لیاقت علی خان، قطعہ، باقی تو سب ٹھیک ہے، الطاف ایجوکیشنل پبلیشرز اینڈ پرنٹرز، لاہور، نومبر 2006، ص207

13۔ جعفر رضوی، چلئے پاکستان چلیں (نظم)، مشمولہ: کشتیٔ زعفران، مرتبہ: انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، کلاسیک دی مال، لاہور، س۔ن، ص159

14۔ سجاد مرزا، قطعہ، مشمولہ: کشتِ زعفران، مرتبہ: انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، کلاسیک دی مال، لاہور، س۔ن، ص138
15۔ افضل پارس، قطعہ، مشمولہ: مرچیں، مرتبہ: زاہد فخری، خزینہ علم و ادب، لاہور، 2005، ص 61
16۔ مظہر عباس رضوی، ڈاکٹر، قطعہ، گڑبڑ گھٹالہ، بزمِ اکبر، اسلام آباد، اگست 2005، ص138
17۔ لیاقت علی لیاقت، قطعہ، باقی تو سب ٹھیک ہے، الطاف ایجوکیشنل پبلیشرز اینڈ پرنٹر، لاہور، نومبر 2006، ص73
18۔ لیاقت علی لیاقت، قطعہ، باقی تو سب ٹھیک ہے، الطاف ایجوکیشنل پبلیشرز اینڈ پرنٹر، لاہور، نومبر 2006، ص79
19 ایم۔ناشاد، قطعہ، مشمولہ: ہے دیکھنے کی چیز، سرفراز شاہد، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2002، ص41
20۔ مرزا عاصی اختر، گُدگُدی، ایجوکیشنل پریس، کراچی، دسمبر، 2009، ص91
21۔ مظہر عباس رضوی، ڈاکٹر، (نظم)، گڑبڑ گھٹالہ، بزمِ اکبر، اسلام آباد، اگست 2005، ص43
22۔ مظہر عباس رضوی، ڈاکٹر، (نظم)، گڑبڑ گھٹالہ، بزمِ اکبر، اسلام آباد، اگست 2005، ص58
23۔ خاور نقوی، قطعہ، مشمولہ: مرچیں، مرتبہ: زاہد فخری، خزینہ علم و ادب، لاہور، 2005، ص73
24۔ سرفراز شاہد، قطعہ، چوکے، اکبر الہ آبادی اکیڈمی، اسلام آباد، 1994، ص42
25۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، تبسّم طرازیاں، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2009، ص71
26۔ شاہد الوری، ڈاکٹر، قطعہ، مشمولہ: لاجواب مزاحیہ شاعری، مرتبہ: سید فیاض علی، رحمٰن بک ہاؤس، کراچی، س۔ن۔ ص181
27۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، سجّاد پبلی کیشنز، لاہور، جون 2008، ص101
28۔ سائل آزاد، نظم، مشمولہ: کشتِ زعفران، مرتبہ: انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، کلاسیک دی مال، ل اہور، س۔ن، ص150
29۔ دلاور فگار، قطعہ، کہاسنا معاف، فرید پبلیشرز، کراچی، اپریل 1997، ص58
30۔ مرزا عاصی اختر، قطعہ، گُدگُدی، ایجوکیشنل پریس، کراچی، دسمبر، 2009، ص59

31۔ لیاقت علی لیاقت، قطعہ، باقی تو سب ٹھیک ہے، الطاف ایجو کیشنل پبلیشرز اینڈ پرنٹر، لاہور، نومبر 2006، ص 43
32۔ مظہر عباس رضوی، ڈاکٹر، (نظم)، گڑبڑ گھٹالہ، بزمِ اکبر، اسلام آباد، اگست 2005، ص 148
33۔ لیاقت علی خان، قطعہ، مشمولہ: مرچیں، مرتبہ: زاہد فخری، خزینہ علم وادب، لاہور، 2005، ص 60
34۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، تبسّم طرازیاں، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2009، ص 126
35۔ مجذوب چشتی، قطعہ، مشمولہ: بہترین مزاحیہ شاعری، مرتبہ: محسن ورک، علم دوست پبلیشنز، لاہور، س۔ن، ص 86
36۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، سجّاد پبلی کیشنز، لاہور، جون 2008، ص 43
37۔ صابر آفاقی، قطعہ، خندہ ہائے بیجا، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، بار اوّل، 1994، ص 131
38۔ مسٹر خواہ مخواہ، قطعہ، مشمولہ: کشتِ زعفران، مرتبہ: انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، کلاسیک دی مال، لاہور، س۔ن، ص 69
39۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، سجّاد پبلی کیشنز، لاہور، جون 2008، ص 78
40۔ مظہر عباس رضوی، ڈاکٹر، (نظم)، گڑبڑ گھٹالہ، بزمِ اکبر، اسلام آباد، اگست 2005، ص 164
41۔ لیاقت علی لیاقت، قطعہ، باقی تو سب ٹھیک ہے، الطاف ایجو کیشنل پبلیشرز اینڈ پرنٹر، لاہور، نومبر 2006، ص 105
42۔ ماجد صدیقی، قطعہ، منّے تو سچ بولا کر، اپنا ادارہ، راولپنڈی، 14 اگست 1989، ص 74
43۔ نیاز سواتی، قطعہ، مشمولہ: چہار سو، ماہنامہ، جلد اوّل، مرتبہ: ضمیر جعفری، سیّد، فیض الاسلام پرنٹنگ پریس، راولپنڈی، شمارہ 7، فروری 1993، ص 66
44۔ لیاقت علی لیاقت، قطعہ، باقی تو سب ٹھیک ہے، الطاف ایجو کیشنل پبلیشرز اینڈ پرنٹر، لاہور، نومبر 2006، ص 116
45۔ ماجد صدیقی، قطعہ، منّے تو سچ بولا کر، اپنا ادارہ، راولپنڈی، 4 اگست 1989، ص 79
46۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، قطعہ، تبسّم طرازیاں، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2009، ص 135

47۔ ضیاالحق قاسمی، قطعہ، مشمولہ: ہے دیکھنے کی چیز، مرتبہ: سرفراز شاہد، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2002، ص80

48۔ افضل پارس، قطعہ، پپّو یار تنگ نہ کر، سجّاد پبلی کیشنز، لاہور، جون 20، ص55

49۔ نیاز سواتی، قطعہ، مشمولہ: ہے دیکھنے کی چیز، مرتبہ: سرفراز شاہد، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2002، ص128

50۔ مرزا عاصی اختر، غزل، مشمولہ: کشتِ زعفران، مرتبہ: انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، کلاسیک دی مال، لاہور، س۔ن، ص135

51۔ صابر آفاقی، ڈاکٹر، قطعہ، مشمولہ: ہے دیکھنے کی چیز، مرتبہ: سرفراز شاہد، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2002، ص70

52۔ مظہر عباس رضوی، ڈاکٹر، (نظم)، گڑبڑ گھٹالہ، بزمِ اکبر، اسلام آباد، اگست 2005، ص154

53۔ لیاقت علی لیاقت، قطعہ، باقی تو سب ٹھیک ہے، الطاف ایجوکیشنل پبلیشرز اینڈ پرنٹر، لاہور، نومبر 2006، ص208

54۔ ضمیر جعفری، سیّد، قطعہ، مسدس بدحالی، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2001، ص39

55۔ دلاور فگار، قطعہ، مشمولہ: لاجواب مزاحیہ شاعری، مرتبہ: سیّد فیاض علی، رحمٰن بک ہاؤس، کراچی، س۔ن۔ ص67

56۔ ضیاالحق قاسمی، غزل، مشمولہ: لاجواب مزاحیہ شاعری، مرتبہ: سیّد فیاض علی، رحمٰن بک ہاؤس، کراچی، س۔ن۔ ص109

57۔ ع۔ ء۔ بخار علیگ، نظم، مشمولہ: کشتِ زعفران، مرتبہ: انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، کلاسیک دی مال، لاہور، س۔ن، ص123۔121

58۔ گلزار بخاری، نظم، مشمولہ: ہے دیکھنے کی چیز، مرتبہ: سرفراز شاہد، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2002، ص103

59۔ محمد جعفری، سیّد، نظم، کلیاتِ سیّد محمد جعفری، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2012، ص1248

60۔ شوکت تھانوی، نظم، مشمولہ: کشتِ زعفران، مرتبہ: انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، کلاسیک دی مال، لاہور، س۔ن، ص40

61۔ انور مسعود، سوالنامہ از رقمہ

کتابیات

بنیادی کتب

افضل پارس، پپّو یار تنگ نہ کر، سجّاد پبلی کیشنز، لاہور، جون 2008

افضل پارس، عقل بڑی کہ بیوی، سجّاد پبلی کیشنز، لاہور، دوسرا ایڈیشن، 2008

انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، کوئے ظرافت، حاجی حنیف اینڈ سنز، لاہور، جلد اوّل، 2002

انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، کشتی زعفران، کلاسیک، لاہور، س۔ن

انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، سوبٹا سو، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2003

انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، تبسّم طرازیاں، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2009

انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، خوش کلامیاں، مکتبہ تخلیقات، لاہور، طبع سوم، 1995

انور مسعود، قطعہ کلامی، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 1999

انور مسعود، غنچہ پھر لگا کھلنے، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، اشاعت سوم، 1999

انور مسعود، میلی میلی دھوپ، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2002

انور مسعود، میلہ اکھاں دا، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 15 ایڈیشن، 1998

انور مسعود، درپیش، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، س۔ن

بلبل کاشمیری، خندہ گل، مکتبہ نیرنگ خیال، راولپنڈی، 1987

چونچال سیالکوٹی، منقار، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2000
دلاور فگار، کہاسنا معاف، فرید پبلی کیشنز، کراچی، 1997
دلاور فگار، کلیات دلاور فگار، فرید پبلیشرز، کراچی، س۔ن
رخسانہ نازی، کنوارا نہیں ملا، مون پبلی کیشنز، لاہور، طبع اوّل، 2007
سرفراز شاہد، ڈش انٹینا، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2000
سرفراز شاہد، گُفتہ شگُفتہ، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2002
سرفراز شاہد، چوکے، اکبر الہ آبادی اکیڈمی، اسلام آباد، 1994
سید ضمیر جعفری، نشاطِ تماشا، فکاہی کلیات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1993
سید ضمیر جعفری، سرگوشیاں، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 1998
سید ضمیر جعفری، مسدّسِ حالی، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2001
سید مظہر عباس رضوی، ڈاکٹر، گڑبڑ گھٹالہ، بزمِ اکبر، اسلام آباد، 2005
صابر آفاقی، خندہ ہائے بیجا، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، بار اوّل، 1994
عبیر ابوزری، پاپڑ کرارے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، بار اوّل، مئی 1999
غلام رسول چچا، چاچے کی پٹاری، روداد پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2003
لیاقت علی لیاقت، باقی تو سب ٹھیک ہے، الطاف ایجوکیشنل پبلیشر، لاہور، نومبر 2006
ماجد صدیقی، منّے تو سچ بولا کر، اپنا ادارہ پبلیشرز، راولپنڈی، اگست 1989
مرزا عاصی اختر، گُدگُدّی، ایجوکیشنل پریس، کراچی، دسمبر 2009
محمد جعفری، سیّد، کلیات سیّد محمد جعفری، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2012
محمد جعفری، سید، شوخی تحریر، مکتبہ دانیال، کراچی، 1985

مہدی علی خاں، راجہ، اندازِ بیان اور، حمایت اسلام پریس، لاہور، طبع اوّل، 1962
نسیم سحر، لائن کٹ گئی، روداد پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2003

ثانوی کتب

احتشام حسین، پروفیسر، تنقید اور عملی تنقید، دہلی، 1952
احمد جمال پاشا، (مرتبہ)، اردو کے چار مزاحیہ شاعر، مکتبہ دین وادب، لکھنو، 1965
احمد جمال پاشا، (مرتبہ)، ہجویات میر، شاہی پریس، لکھنو، 1967
ارشد ملک (انتخاب)، مشہور مزاحیہ شاعری، زمیل ہاؤس پبلی کیشنز، جون 2007
اشفاق احمد ورک، ڈاکٹر، اردو نثر میں طنز و مزاح، بیت الحکمت، لاہور، س۔ن
اقرا حسین، شیخ، (مرتبہ)، ظریف کلام، فائن پبلی کیشنز، لاہور، اشاعتِ اوّل، 2002
اکبر الہ آبادی، کلیات اکبر الہ آبادی، بزم اکبر، کراچی، طبع اوّل، یکم جولائی 1951
اکبر الہ آبادی، کلیات اکبر الہ آبادی، بزم اکبر، کراچی، جلد دوم، جلد سوم، 1952
انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، گلہائے تبسّم، چار صدیوں پر محیط مزاحیہ شاعری کا انتخاب، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2005
انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر تاریخ، عزیز بک ڈپو، لاہور، طبع پنجم 2004
انور مسعود (انتخاب)، شاخِ تبسّم، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2000
جوش ملیح آبادی، شعلہ و شبنم، مکتبہ جامعہ دہلی، 1936
حسن عباسی (مرتب)، انور مسعود سے خالد مسعود تک، نستعلیق مطبوعات، لاہور، مئی 2004

خالد مسعود خان (انتخاب)، ابّا کہاں سے لبھّا تھا، فن پبلی کیشنز، اسلام آباد، مارچ 2005

خواجہ محمد سلطان گوہر، (انتخاب) اردو ادب کی مزاحیہ شاعری، حیدر پبلی کیشنز، لاہور، بارِ اوّل 2003

رخسانہ نگہت (مرتب)، دیوان غالب، مکتبہ عالیہ، لاہور، جلد دوم، 1995

رشید امجد، ڈاکٹر، پاکستانی ادب رویئے اور رجحانات، یورپ اکادمی، اسلام آباد، جنوری 2010

روف پاریکھ، ڈاکٹر، اردو نثر میں طنز و مزاح، بیت الحکمت، لاہور، س۔ن

زاہد فخری (مرتبہ)، مرچیں، خزینہ علم و ادب، لاہور، 2005

سرفراز شاہد، اردو مزاحیہ شاعری، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، اشاعت دوم، 2007

سرفراز شاہد (ہے دیکھنے کی چیز، تضمینات اقبال)، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2002

سرفراز شاہد (مرتبہ)، واہ رے شیخ نذیر، بزمِ اکبر، اسلام آباد، 1995

شاکر حسین شاکر (مرتب)، مزاحیہ مشاعرہ، سنگ میل پبلشرز، لاہور، 2003

طاہر طانسوی، ڈاکٹر (مرتبہ)، طنز و مزاح تاریخ، تنقید، انتخاب، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، بار اوّل، 1985

علامہ اقبال، کلیات اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، اشاعت دوم، 1994

فیاض علی، سید (مرتب)، لاجواب مزاحیہ شاعری، رحمٰن بک ہاؤس، کراچی، س۔ن

کلب علی خان فائق (مرتبہ)، کلیات میر، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اوّل، 1974

محسن ورک (انتخاب)، بہترین مزاحیہ شاعری، علم و دوست پبلی کیشنز، لاہور، س۔ن

محمد شمس الدین صدیقی، ڈاکٹر، (مرتبہ)، کلیات سودا، مجلس ترقی ادب، لاہور،، طبع اوّل، 1973

مشتاق احمد یوسفی، چراغ تلے، دانیال پبلیشرز، کراچی، اشاعت نہم، دسمبر 1994

معاذ حسن (انتخاب)، مکمل مزاحیات، علم و عرفان پبلشرز، لاہور، 2000

منّو بھائی، اردو کی بہترین مزاحیہ شاعری، طٰہٰ پبلشرز، لاہور، 2008

نظیر اکبر آبادی، کلیات نظیر، عبد اللہ اکیڈمی، لاہور، 2012

نور الحسن ہاشمی، ڈاکٹر، (مرتبہ)، کلیات ولی، نصرت پبلشرز، لکھنو، 1982

وزیر آغا، ڈاکٹر، اردو ادب میں طنز و مزاح، مکتبہ عالیہ، لاہور اشاعتِ نہم 1999

رسائل

دریافت، شمارہ۔ نو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو نجز، اسلام آباد، جنوری 2010

نقوش، طنز و مزاح نمبر، 72، 71، ادارہ فروغِ اردو، لاہور، جنوری، فروری، 1959

چہار سو، (ماہنامہ) جلد اوّل، شمارہ 7، راولپنڈی، فروری 1993

نگار((ماہنامہ)، اردو شاعری میں فنی ارتقا نمبر، ایجوکیشنل پریس، کراچی، 1989

چہار سو (ماہنامہ)، جلد دوم، شمارہ 22۔23، راولپنڈی، مئی جون، 1994

تخلیقی ادب، شمارہ سات، اسلام آباد، جون 2010

کتاب (ماہنامہ) جلد 36، شمارہ 8 تا 10، اسلام آباد، اگست، ستمبر، اکتوبر 2003

اقدار (ماہنامہ)، سہ ماہی خصوصی اشاعت، جلد 4 شمارہ 15۔16، کراچی، علی گڑھ میگزین، مارچ 1944

مقالات:

فردوس کوثر، پاکستانی طنزیہ اور مزاحیہ شاعری کے سیاسی و سماجی محرکات کا تنقیدی جائزہ (1947 تا 2017)، مقالہ پی۔ ایچ۔ ڈی، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو نجز، اسلام آباد، 2017

لغات:

اظہر اللّغات جامع اردو، مرتبہ: الحاج محمد امین بھٹی، اظہر پبلیشرز۔لاہور۔س۔ن

سوالنامہ:

افضل پارس از راقمہ

انور مسعود از راقمہ

انٹرنیٹ مواد:

http:// youtube/w546btubQjA, 11:50 am, 6 Feb, 2021

http:// youtube/ cdwHliPqDC4, 12: 10 pm, 06 Feb, 2021